عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ

مشاہیر کے تاریخی مقابلے اور حکمت وسیاست کے موازنے سے

افغان بادشاہ

اعلیحضرت غازی امان اللہ خان خلد اللہ ملکہ وحکمہ

کی

عظیم الشان چشم دید داستان

از محمد حسین خان بی اے (علیگ) رئیس تدریسات عمومی افغانستان

(ڈائرکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن)

مطبوعہ فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۱۹ سرکلر روڈ لاہور باہتمام ایم عبدالحمید خان منیجر

HYDERABAD STATE LIBRARY

تہدیہ
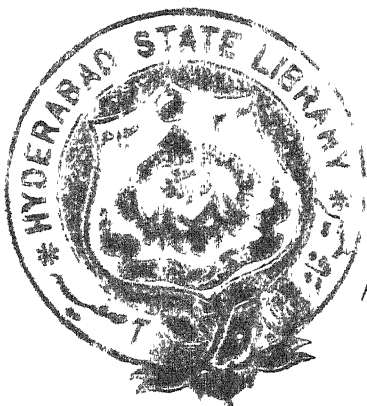
اکیس سال ہوئے میں نے پنجاب کی اقتصادی حالت اور جالندھر کے پٹھانوں کی تاریخ لکھ کر علیگڑھ کالج کی ہسٹاریکل سوسائٹی سے انعام حاصل کیا تھا۔ اس تسوید کا سبب وہ شغف تھا جو مجھے اپنے افغانوں کے ساتھ ہمیشہ رہا ہے! اور افغانستان کی گیارہ برس کی قید میں کم نہ ہؤا۔ جس کا باعث اِنہی کی تعلیم اور اصلاح تھی۔ اب یہی وجہ ہے کہ دس سال سے معارف کی مدیریت اور ریاست پر مقرر رہوں۔ ملّتِ افغان کے معلم اور مصلح بادشاہ کے سچے اور مفید حالات سے زیادہ بیش قیمت تحفہ ہندوستان کی بستیوں کے حظ اور استفادے

کے لئے پیش کش نہیں کر سکتا۔ جن کی دلچسپی کے لحاظ سے مشاہیر اور حکمت و سیاست کے مقایسات بھی درج کئے گئے ہیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

محمد حسین۔ کابل

رمضان سنہ ۱۳۴۶ھ

محمد حسین خان بی اے (علیگ) رئیس تدریسات عمومی افغانستان

(ڈائرکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن)

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

صفحہ	مضمون

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

تالیفِ ناظرین

اعلیحضرت غازی امان اللہ خاں کے حالات نہ صرف ملّتِ افغان اور اُمّتِ اسلام بلکہ جمعیت بشر کے لئے ضروری نافع اور مرغوب ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ذواتِ کبار کا تعلق جہاتِ عشیرہ اور ملک سے گذر کر تمام جہان کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ کیا صلاح الدّینؒ شیر شاہ یا نپولین کے قصّے نصیحت تہیّج اور عبرت کے اعتبار سے صرف شام، ہندوستان اور فرانس ہی میں محصور ہیں؟

اگر تاریخ و سیر کی علّتِ غائی اخطاظِ مفید ہے تو ایسے وقائع سے صرف نظر کرنا جن میں نہ اہمیت و منفعت ہو نہ رغبت و مسرّت، البتہ اولے ہے۔ بیشک سوانح نگار رطب و یابس کو قیدِ تحریر میں لا کر مؤرخوں کو اقتباس و استنباط کا موقع دیتے ہیں، لیکن وہ حشو ایک مختص جماعت کے لئے کارآمد ہے۔ عموم قارئین کے واسطے پہلے دلچسپ صورت لازم ہے۔ تاکہ اس مجاز کے ذریعے سے مؤثر معنی تک واصل ہوں۔

اسی قبیل سے ہے حوادث کی توزیع و تعیین سالوں اور مہینوں میں۔ چونکہ

اِن کی نسبت حساب سے ہے۔ شاید شائقین ریاضی کی طرح جن کی تعداد کم ہے، اربابِ تاریخ اِس سے استفادہ کریں، مگر اکثر ناظرین کے لئے فوری فراموشی کے سوا چارہ نہیں، کیونکہ اُن کو صرف سطحی اور سرسری نظر ڈالنے کی فرصت یا خواہش ہوتی ہے۔ لہٰذا میں نے روز و ماہ کے تقیید سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اِلّا اس حالت میں کہ فوتِ مطلب محتمل تھا۔

پلوٹارک نے کہا ہے کہ بڑی بڑی لڑائیاں فتح کرنے اور بڑے بڑے شہر تصرّف میں لانے سے، جن کی شہرت جہانگیر ہو، انسان کی خوبیاں یا بدیاں ایسی ظاہر نہیں ہوتیں جیسا کہ ایک معمولی بات یا بازی سے کسی جزوی موقع پر طبیعت اور عادت کی حقیقت کھُل جاتی ہے۔ اِس لئے میں نے زیادہ تر اُن واقعات کو منتخب و ملتقط کیا جو کسی نہ کسی شکل میں نہ تو مہتم بالشان مگر اُن کا حدوث متفرعات میں ہوا تھا۔

ایک دن تاریخ کے تذکرے میں اعلیٰحضرت غازی فرمانے لگے کہ مؤرخ کسی بادشاہ کی رأفت و رحمت کے ثبوت میں لکھ دیتے ہیں کہ اس نے ایک دفعہ ہزار قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اور اُن کے زعم میں یہ ستائش کا فعل ہوتا ہے۔ حالانکہ چور کو جس نے سرقہ کیا ہو، قاتل کو جس نے کسی کی جان لی ہو، اور قرضدار کو جو دوسرے کا حق ادا نہ کرتا ہو، اِستردادِ مال، قصاصِ نفس، اور تادیۂ قرض کے بغیر چھوڑ دینا عدل

اور رحم سے بہت دُور ہے ۔

بیشک ظالموں اَور مفسدوں کو مورد الطاف بنانا مساوی ہے نیکوں اور مُطیعوں کے معتُوب کرنے کے ۔

ترحم بر پلنگِ تیز دنداں ستمگاری بود بر گوسفنداں

مسٹر وِین بیز نے ایک ہسپانوی قہرمان کا حال لکھا ہے جس نے غریب نوازی اور مظلوم پروری کی سیاحت میں ایک محبس کا دروازہ کھول دیا ۔ اَور قیدیوں نے آزاد ہو کر دکانوں کو لوٹنے کے علاوہ اپنے محسن کو بھی نہ چھوڑا ۔

اورنگ زیب کا اپنے سکّوں کی تحریروں کا موازنہ کرنا اَور پھر خود ایک سجع مرجح کہنا مشہور ہے ۔ اس زبردست بادشاہ نے اپنی زندگی میں تاریخ نویسی کی ممانعت کر رکھی تھی ۔ کیونکہ مستبد حاکم کی حیات میں محکوم جب تک اپنی جان سے ہاتھ نہ دھولے جرح و قدح کا حق ادا نہیں کر سکتا ۔ باوجود اس کے خافی خاں نے تاریخ لکھی مگر چونکہ مقابلے میں اور کتابیں نہیں تھیں اس لئے اس عہد کے اصلی واقعات کی تنقید کما ینبغی نہیں ہو سکی ۔

سلطان صلاح الدین جس کے دربار میں مورخانِ محقق رونق افروز تھے بنفسِ نفیس اُن کی تالیفات کا مطالعہ کر کے اصلاح کرتا تھا ۔ ایسی خطاؤں کی جو سہواً ہو جاتی

تھیں ورنہ وہ اساتذۂ تاریخ عالم ایسی غلطی سے بہت بلند تھے جو بادشاہوں کے
عیوب پر پردہ ڈال کر اُن کے حسنات کو اغراق سے آشکار کرتی ہے۔ چونکہ بادشاہ
کے بعد نسیان و عصیان موجبِ سقم بیان ہو سکتا ہے۔ اِس لئے مناسب یہی ہے کہ
اس کی زندگی میں تاریخ لکھی جائے۔ خصوصاً جبکہ وہ خود حق پرست ہو ؁

اعلیحضرتِ غازی فصاحت و بلاغت، روایت و درایت میں فطری اصابت رکھتے
ہوئے تقریر و تحریر کو ایسے لطیف معیار سے پرکھتے ہیں کہ بہت کم عالم و ادیب اُن کے
سامنے پورے اُترتے ہیں۔ اور وہ تھوڑے سے بھی ذاتِ شاہانہ کی اصلاح کو ہمیشہ معقول
اور مقبول قرار دیتے ہیں۔ ایک رات اعلیحضرت مجھ سے فرمانے لگے کہ میں چاہتا ہوں،
سچّے سچّے واقعات میری سوانحعمری میں درج ہوں۔ کیونکہ ایک وقت آئیگا جب تم
ہو گے نہ میں ہونگا۔ پھر لوگ کہیں گے کہ کسی لحاظ سے حق پوشی کی گئی۔ اِس لئے
ایماناً اور وجداناً صحیح حالات لکھو۔ اگرچہ میں نے ارشادِ ہمایونی کی پوری اور صمیمی
تعمیل کی ہے۔ پھر بھی مجھے اندیشہ ہے کہ کسرِ نفسی سے میری کتاب کو پسند نہیں
فرمائینگے۔ اور باوجودیکہ میں نے اُردو میں پناہ لی ہے، اُن کی بیدار مغزی اور
نظرِ امعان کی کسوٹی کا پھر بھی خدشہ ہے ؁

چند ہم عصر جواں مرد مشاہیر

ایک سی سالہ جوان یونان سے نکل کر ایران کو فتح کرتا ہے۔ اور اُس سے آگے بڑھ کر ایک شہر کی بُنیاد رکھتا ہے۔ جو سقوطِ سین سے جیسا کہ بعض کلمات میں ہوا ہے قندھار کے نام سے بدل جاتا ہے۔ نظامی اپنی وسیع المقامی سے غربی کو غریب و غیرہ جان کر اُس کی فتوحات کو سکندر نامہ میں روشن کرتا ہے ؀

اِسی قندھار سے ایک تیس برس کا جوان اُٹھتا ہے اور اصفہان میں پہنچ کر صفوی تخت پر بیٹھتا ہے ؎

سکہ زد از مشرقِ ایراں چو قرصِ آفتاب
شاہ محمود جہاں گیرِ سیادت انتساب

اُس عصر اور اِس زمانے کے مسلمانوں کا تفاوت ملاحظہ ہو کہ تنگ نظری اور خشک مغزی سے اس افغان فاتح کی کہانی کو چھیڑا تک بھی نہیں۔ حالانکہ اُس نے بھی

لے ستارے۔ سے تارا۔ افغانی سترے سے ترڑے۔ یونانی سکول سے فرانسوی ایکول ؀ یہ بہت سی روایات میں سے ایک ہے جو اصح نہیں ؀

دارا کی مملکت کو فتح کیا تھا ۔

پھر قندھار میں ایک جوانمرد پیدا ہوتا ہے۔ اور درّانی خاندان کے ماتحت افغانوں کو متحد کر کے ہندوستان پر لشکر کشی کرتا ہے ۔ اور اپنے ہمنام مغل بادشاہ کو افغانستان کا خراج گزار بناتا ہے ۔ اسی گھرانے کے ایک بزرگوار کے نام پر اٹک پر روپے پائے جاتے ہیں ؎

سیم و طلا بہ شمس و قمر مے دہد نوید
وقتِ رواج سکۂ پائندہ خاں رسید

جسکی پانچویں پشت سے ایک صاحب عزم نوجوان دنیا کی سب سے زیادہ قوی اور مظفّر دولت کے علے الرّغم ، قوّت آزمائی کے بعد اپنے ملک کے لئے وہ مرتبت اور وقعت حاصل کرتا ہے جو امیر کبیر کے دوران سے لیکر امیرِ شہید تک نصیب نہیں ہوئی تھی ۔ حالانکہ امیر شیر علی خاں اور امیر عبدالرّحمان خان جیسے بطل بادشاہ بھی اُن میں داخل تھے ۔

اعلیحضرتِ غازی امان اللہ خاں ، ۱۳۰۹ ہجری پانچ ذیقعدہ جمعرات کو پغمان میں متولد ہوئے تھے ، جہاں اُس کے متعلق ایک متین اور نفیس یادگار اہلِ معارف نے تعمیر کروائی ہے ۔

پغمان کی تعمیریں اور بعض عجیب تدبیریں

لطیف و منیع عمارات کو شاعریٔ خاموش و موسیقیٔ منجمد کہتے ہیں۔ چونکہ آبادانیٔ وطن کا انحصار انہی پر ہے لاجرم طبعِ سلیم شاہانہ اس طرف منعطف ہوئی۔ البتہ بعد از آنکہ داخلی اور خارجی امور سے امنیت اور طمانیت حاصل کر لی حب الوطن کے ایمانی فحوا سے وہ شغف جو اعلیحضرت کو افغانستان کے ساتھ عام ہے، خاص قندھار کے ساتھ ہے جو مسکنِ اجداد ہے اور اخص پغمان کے ساتھ ہے جو مسقط الرّاس شاہانہ ہے۔ یہ اُلفت فطری اور بشری ہے۔ لیکن عدل و مساوات میں جو کافۂ رعایا و برایا کے ساتھ روا و اجرا فرماتے ہیں کوئی تفریق و ترجیح عمل میں نہیں آنے پاتی۔ پغمان کے بارے میں ایک ذاتی قیاس کی مَیں نے جرأت کی ہے۔ ورنہ دارالامان کی طرح اس موقعے کی نضارت اور نظارے کی فضیلت اِس کی معموریت کا باعث ہوئی ہے۔

چند سالوں میں یہاں مکمل اور مصنّع کوٹھیاں تعمیر ہو گئی ہیں۔ جن کے گرد شاداب باغیچے ہیں۔ جیسا کہ اعلیحضرت کی سب تجاویز کا دستور ہے۔

اِن عمارتوں کو بھی ایک معیّن اساس اور قاعدے کے مطابق بنانے کا حکم دیا ہے۔ جو متمدّن دنیا میں مُسلّم ہے۔ لوگوں نے اسی صحیح اور خوشنما نظام کے موافق اپنے عالیشان مکان بنائے ہیں۔ سرکاری قصر اور عمومی محل بہت ہیں۔ گرمیوں میں سب وزارتیں یہیں منتقل ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک نے اپنی خاص مقتضیات کے لحاظ سے تعمیریں تیّار کروائی ہیں ؛

معارف نے وزارت اور مکاتب وغیرہ کے علاوہ صحنۂ تمثیل بنوایا ہے۔ یعنی تھیئیٹر جس کی عمارت بہت وسیع و رفیع ہے۔ سنما بھی یہیں ہے۔ اور معارف کے ساتھ اُن کا تعلق اس لئے ہے کہ صرف اخلاقی اور ملّی قصّے عمل میں لائے۔ اور مفید فلمیں دکھائی جاسکیں تاکہ ملّت کے تنویرِ افکار میں جلدی اور مؤثر کامیابی ہو۔ ڈراما اور سنما محض تعیّش کا سامان نہ بن جائے۔ اور اُن کے ذریعے لوگوں کی عادات بگڑنے کی بجائے جیسا کہ بعض ممالک میں ہوا ہے ایسی سنور جائیں جیسا کہ ایک اعلےٰ درجے کے اخلاقی مدرسے میں متوقّع ہوسکتا ہے ؛

اگرچہ ڈرامے تیار کرانا وزارتِ معارف کا کام ہے اور یہ آسان نہیں کیونکہ ملّتِ افغان ایسی جدّت پسند واقع ہوئی ہے کہ ایک ڈرامے کو دو دفعہ

دیکھنے کی متحمل نہیں ہوتی ، اعلیحضرتِ غازی کی ہدایات ہمیشہ راہبری کرتی رہتی ہیں۔ انہی کے امر سے یہ بدیع چیزیں صحیح و مفید طریقوں پر جاری ہوئیں۔ اور انہی کے ایما و مشورے سے ان کا دلکش اور فیض رساں دوام ہے۔ چونکہ جشنِ استقلال یعنی خود مختاری کی عید سالانہ پغمان میں منائی جاتی ہے۔ روزانہ ذرائعِ شادمانی کے علاوہ 'شبانہ وسیلۂ حظ و افادت بھی صحنۂ تمثیل ہے۔ جس کی عمارت تجمّل اور صنعت کے اعتبار سے ایک بلند یورپین تھیئٹر سے کسی طرح کم نہیں ۔

ایک ہولناک کھنڈرات نما ویرانے کو ہموار کر کے 'پغمان کا باغ عمومی مرتبہ وار تیار کیا گیا ہے۔ جس کے پھولوں کے بے شمار تختے اور سروِ قد فوّارے ایسی تفریح اور تفرج کے مواقع پیشِ نظر لاتے ہیں جو افغانستان میں پہلے میسّر نہیں تھے ۔ شہر کابل بھی اب ایک مردانے اور دوسرے زنانے باغِ عمومی کا مالک ہے۔ اور اگرچہ دوسرے ملکوں میں یہ چیزیں عام ہیں مگر افغانستان میں صرف بادشاہ کی توجّہ اور ارادے سے جو ملّت کی کشائیش و آسائیش پر موقوف ہے۔ یہ سیرگاہیں مہیّا ہوئی ہیں۔ لہٰذا پغمان میں بڑی مزیّن اور آراستہ ہوٹلیں قائم ہیں۔ جن میں 'فرح' اور 'بہار' اس پیمانے کی ہیں۔ جو

ایک قدیم متمدن شہر میں قابل رشک ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ نمائش گاہیں، شہدا کا منار اور طاقِ ظفر ہے۔ جس کے اندر سے پغمان میں داخل ہونا استقلال اور حریت کی یاد کو تازہ رکھتا ہے ؁

اگرچہ ایک اسلامی سلطنت میں ضرور ہے کہ سب سے پہلے ان گھروں میں رفعت و زینت موجود ہو۔ جن کی نسبت ارشاد ہے۔ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ[لہ] چنانچہ ایسا ہی اہتمام کیا گیا ہے۔ کیا بلحاظ بلندئ عمارت اور اُس کی صنعت کے، اور کیا باعتبار نفاست اور روشنی کے پغمان کی نئی مسجد سب عمارات پر فائق ہے۔ بجلی کے فانوسوں کی طرف جو یہاں کثرت سے آویزاں ہیں بعض لوگ اشارہ کر کے نور کی آیات پڑھتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں مصباح جو زجاجہ میں ہے اور وہ گویا درخشندہ ستارہ ہے تیل پوربی ہے نہ پچھمی۔ جو بن چھوئے آگ روشن کر دے۔ مگر اعلیحضرت کی توجہ تنویرِ افکار پر ہے۔ جو کلامِ الٰہی کا اصلی مقصد ہے۔ یعنے خود وعظ اور خطبے ایسے طریقے پر پڑھ کر جن سے سامعین متاثر ہوں۔ اور اعمالِ صالحہ کا جداً اقدام کریں، حقیقی امامت کا حق ادا کرتے ہیں، ساتھ ہی مختلف

لہ ایسے گھروں کے بلند بنانے کا حکم دیا گیا ہے ؁

وزرا کو بھی منتخب فرماتے ہیں۔ تاکہ ہر جمعہ پغمان کی مسجد میں مفید اور ضروری مضامین پر منبر سے نطق ادا کریں۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کو بجالا کر خیرِ اُمت اور وزارت کے بہترین منصب کے مستحق ٹھیریں۔ بظاہر ہے کہ سب دنیوی ترقیات دینی احکام کی تعمیل پر مبنی ہیں۔ اور ان کی شان ایسی بلند ہے کہ اُن کا اعلام بادشاہ اور وزیروں ہی کی زبان سے ہونا چاہیئے۔ اور اس طرح عوام کے دلوں پر جو نمایاں تاثیر ہوتی ہے۔ وہ بھی عیاں ہے *

یہاں ضمناً اعلیحضرت کی ایک اصلاح کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو جمعہ کے ساتھ تعلّق رکھتی ہے اور جس کے بغیر مشکل تھا کہ وزرا اور اُن کے خطبوں سے لوگ منضبط طور پر مستفیض ہو سکتے۔ حکومت کے تمام دوائرا اور مکاتب میں جیسا کہ سب کو معلوم ہے جمعہ چھٹی کا دن تھا۔ اور سب لوگ چھ دنوں کی تکان اُتارنے کے لئے ساتویں روز شہر سے میلوں دُور باغات میں چلے جاتے، بعض سیر و شکار میں اشتغال کرتے، اور دوسرے ہندی محاورے کے مطابق جو کابل میں بھی بولا جاتا ہے "میلہ" مناتے تھے۔ یعنی اِکٹھے مِل جُل کر بیٹھتے، ضیافتیں کھاتے اور ساز و سرود سنتے تھے۔ اگرچہ مساجدِ جامع بقول کابلیوں

تفصیل حبیبیہ نمبر ۱ و ۳ مجریہ سے ۱۳۳۰ھ

کے "خنجا خنج" بھر جاتی تھیں ۔ مگر مذکورہ بالا گروہوں کو جن میں ملازمین و پیشہ ور سب داخل تھے، متفرق مقامات میں بکھرے ہوئے سعی الی ذکر اللہ کے لئے بڑی تکلیف سے دِہات کا رُخ کرنا پڑتا تھا۔ اعلیحضرت غازی نے اِس کوتاہی اور دشواری کو تاڑ کر اصلاح کا خیال کیا۔ اور جب دلائل پیش کیں تو علما اور اہل شوریٰ بھی قائل ہو گئے یعنی پنجشنبہ عام تعطیل کا دن مقرر ہُوا۔ اور جمعے کو صرف دو گھنٹے تمام محکموں میں رخصت دی گئی ۔ تاکہ سب مامورینِ دولت اور مکاتب کے طلبہ صف بستہ ہو کر مسجدوں میں داخل ہوں ۔ اور نہ صرف ہر شخص کو ادائے صلوٰۃ میں سہولت ہو بلکہ اسلامی رونق بھی مضاعف نظر آئے ۔ نیز جیسا کہ اسلام میں دنیا اور دین مرادف ہیں، نماز جمعہ اہلِ حکومت کے فرائض منصبی میں منضم ہو جائے ۔

رُوسی ترکستان میں حکومت کی تمام دُکانیں، کارخانے اور دفاتر جمعہ کے روز بند ہوتے ہیں ۔ ظاہرہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی رسم کی مراعات کی گئی ہے ۔ مگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو معاملہ برعکس ہے ۔ لوگ عیش و استراحت میں پھنس کر نماز سے محرُوم رہ جاتے ہیں ۔ بلکہ اس مقدّس دن فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ اعلیحضرت نے اس انسداد کو ملحوظ رکھ کر اپنے ملک

میں ایسی تجویز کی جس سے دنیاوی اور بدنی ضروریات و لذات کی تامین ہو گئی۔ اور معاً اُخروی اور دینی احکام بھی بجالائے گئے ۔ اعلیٰحضرت کی تجاویز کس طرح عملی جامہ پہنتی ہیں، یا وہ عمدہ خیالات جو مدت سے پسندیدہ سمجھے جاتے تھے۔ مگر عوام کے ڈر سے یا رسم و رواج کے پلٹنے سے جو اندیشہ ہوتا ہے اُسے مدِّنظر رکھتے ہوئے، یا وہ زحمات جو ایک نئے کام کو انجام تک پہنچانے میں جھیلانی پڑتی ہیں، مانع آکر کسی بادشاہ یا بڑے آدمی کو قوت سے فعل میں لانے کی جرأت نہیں ہوئی تھی، یا وہ منصوبے جن کے باندھنے میں تدّبر کے سوا دلیری بھی درکار ہوتی ہے۔ کیونکہ ابھی تک کہیں معرضِ عمل میں نہیں لائے گئے، مختلف مقامات میں بیان ہونگے ۔

شہر دار الامان کی تعمیر مدنیت و حکمت تخمیر

امیر عبدالرحمٰن خاں نے چار دہی کے کشادہ علاقے میں جو شہر کے قریب ہے دار السلطنت کے لئے موزون جگہ بتائی تھی۔ اور حسرت سے اظہار کیا تھا کہ کاش کابل یہاں واقع ہوتا! جس بیڑے کو اُٹھانے کی اتنے نامور اور عالی حوصلہ بادشاہ کو ہمت نہ پڑی، اُس کے نبیرۂ فعالیت و تیرہ نے تشبث کر کے "خوب ابتدا" سے اس کام کو "نصف انجام" تک بھی پہنچا دیا۔

جب لنڈن کے باشندوں کو وبا نے تباہ کر دیا تو اطبا اُس کے دفیعے میں عاجز آ گئے۔ کیونکہ شہر کی عمارتیں اس طرح بنی تھیں کہ گلی کوچوں سے کثیف و غلیظ پانی و موائع باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ لامحالہ تعفّن امراض کا مولد ہوتا تھا۔ جب انسان نے کوئی چارہ نہ سوچا یا اُسے کچھ نہ سوجھا۔ تو یدِ قدرت نے شرارہ برانگیختہ کیا۔ جس سے سارا شہر جل اٹھا۔ اور اس خانہ سوزی میں یہ سبب سازی ہوئی کہ آئندہ صحیحہ قواعد کی رُو سے گھر بنائے گئے۔

کابل میں بھی ہر دوسرے یا تیسرے سال وبا کا المناک ہجوم مشاہدہ ہوتا تھا۔ اعلیحضرت نے پغمان سے مصفٰے پانی نلکوں کے ذریعے پُہنچا کر، خورو نوش کی دکانوں کو طبیّ نگرانی میں رکھوا کر، اور گلی کوچوں میں نالیاں کُھدوا کر ہیضے کو دُور کیا۔ چنانچہ اس جدید عہد کے دوسرے سال جب اِس بیماری کا نزول ہؤا تو کابل کے ظریفوں نے یوں بیان کیا کہ پچھلے زمانے میں بڑی برکتیں تھیں۔ جواب زائل ہوگئی ہیں۔ حتیٰ کہ وبا میں بھی کچھ برکت نہیں رہی۔ پہلے سو ڈیڑھ سو آدمی روزانہ صیدِ اجل ہوتے تھے۔ اور اب دس پندرہ اگر بسمل ہوئے تو آدھے اچھّے ہو جاتے ہیں۔ یہ ان فرتوت الحہ اس اشخاص کے جواب میں کہا جاتا تھا۔ جو ہر ایک قدیم شے میں کوئی تقدیس پاکر نئی چیزوں کی تحقیر کرتے ہیں مثلاً غلّے کی گرانی بتا کر اُس کے موازنے میں روپئے کی ارزانی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ایسے لوگ ہر جگہ تجدّد اور اصلاحات کے مخالف ہوتے ہیں۔ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ۔ کوئی نئی چیز ہو ہر چند مفید ہو۔ مگر وہ اس سے رُوگردانی کرتے ہیں *

اعلیحضرت غازی نے کابل اور تمام شہروں میں مجالس بلدیہ (میونسپلٹی

پے لیٹی) قائم کیں۔ دار السلطنت میں جب پہلی مجلس منعقد ہوئی۔ تو خود ذاتِ شاہانہ شریک ہوئے۔ اور ہر ایک معاملے میں بحیثیت ایک شہری کے حصّہ لے کر نمونہ پیش کیا کہ ہر شخص کو عمومی رفاہ کے لئے کس طرح بحث کرنی چاہیئے۔ جب حضّار میں سے کوئی اعلٰحضرت کو شاہانہ خطاب سے یاد کرتا تو اُسے فوراً منع فرماتے کہ میں صرف ایک فردِ ملّت کی شخصیت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ آپ کی طرف گفتگو میں فردِ اوّل کے نام سے اشارہ ہوتا رہا ؛

جب بلدیہ کی وساطت سے حفظ الصحہ اور صفائی وغیرہ کا اہتمام ہو گیا بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۔ امراض کی تخفیف ہو گئی۔ چنانچہ آٹھ سال سے وبائے ہیضہ نے اعادہ نہیں کیا، مگر چونکہ پُرانے مکانات اس طرز پر بنے ہیں کہ سارے صحیہ اُصول عمل میں نہیں لائے جا سکتے۔ اور دوسری بیماریاں کبھی کبھی پریشانی کا موجب ہوتی ہیں۔ اس لئے قبل ازیں کہ لنڈن کی طرح عالم بالا علاج پر اُتر پڑے، اعلٰحضرت نے نئے شہر کی بنیاد رکھی اور اس تقریب پر جب ارکان و اعیانِ دولت و ملت اور سفیرانِ کبیر سب حاضر تھے ایک فصیح و بلیغ نطق میں اُس کی ضرورت کو دلائل اور براہین سے ثابت کیا۔ اور اونچے مقام پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ہمارے ملک کا وقوعہ بلند ہے۔

اِس لئے اکثر علل و بلیات سے نسبۃً کم ضرر پہنچتا ہے۔ اور تھوڑی کوشش سے ترقی و تعالی حاصل ہو سکتی ہے۔ پس خطبۂ شاہانہ اور سلوک امانیہ کو ہزار ہا سال بعد کی حضریات عتیقہ کے لئے قصرِ امارت کی بنا میں رکھا۔

ذاتِ شاہانہ کے سب کام وسیع پیمانے پر ہوتے ہیں۔ چنانچہ قندہار وغیرہ میں بھی جدید شہروں کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ کابل کا دارالامان شہر سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ اور آہستہ آہستہ اُمید کی جاسکتی ہے کہ دونو پیوستہ ہو جائیں۔ اب دونو کے درمیان نہایت وسیع اور پختہ مختلف طرح کی نقل و حرکت کے لئے سڑک تیار ہو گئی ہے۔ اور بہت سی سرکاری عمارتیں اعلےٰ قسم کے نمونوں پر بن گئی ہیں۔ قصرِ مشیدِ حکومت جو ایک مرتفع سطح پر واقع ہے تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ خود ذاتِ ہمایونی شام کو ہوا خوری کرتے ہوئے جرمن مہندسوں کو ہدایات دیتے عمارات اور باغوں کا معائنہ فرماتے ہیں۔ جو میلوں میں ممتد ہو گئے ہیں۔

نوشیرواں کے بغداد کو جب خلیفۂ عباسی نے موافقِ صحت نہ پایا۔ تو اُس کے نزدیک اطبا کے مشورے سے مختلف جگہوں پر گوشت لٹکایا۔ جہاں عفونت پذیر نہ ہؤا۔ وہاں موجودہ بغداد بنوایا۔ اس عصر

میں آب و ہوا کے فنّی معیاروں سے اور رہائش کشائش اور آسائش کے تمام ملحوظات کو مدِّ نظر رکھ کر یہ شہر اور اُس کے گھر بننے لگے ہیں ۔ جس مفکورے پر یہ فوق العادہ تعمیر شروع ہوئی ہے میَں نے ایک نظم میں بیان کی ہے ۔ جو مکتب کے لڑکوں نے فوجی باجے کے ساتھ پڑھی تھی :۔

ترانۂ دارالامان

تا در زماں اقامتِ اہل زمیں بود — تا در مکاں سکونتِ نوعِ مکیں بود

از عدل و فضلِ دولتِ افغانِ حق پرست — دارالاماں ز فتنہ و آفت امیں بود

⁂

ایں شہر مینو بہر بنامِ مؤسسش — مشہورِ خاص و عام و ہمیشہ مبیں بود

تعمیر گردم شد نہ بیک روز لاجرم — معموریٔ بلاد بہ مدّت رہیں بود

برخاست از امانِ الہ ابتدائے شہر — اہلش چگونہ در پئے عمراں حزیں بود

آغاز امر گرچہ نباشد بطنطنہ — انجام کار دبدبۂ متقیں بود

⁂
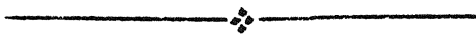
فانی است ہر بنائے جہاں جز مصانعے — کہ نافع برّیہ بدنیا و دیں بود

این مسکن جدید باسباب اکتساب　　یک مامن مفید کهین و مهین بود

از امتزاج طرز عمارات شرق و غرب　　این بلدهٔ بدیعه بازیب و زین بود

چون خانه های برلین و پاریس باجمال　　ابنیهٔ دیار نو ما حسین بود

چون قاهره ریاض و مدارس چو قرطبه　　بغداد وار شرع ز آبش معین بود

در باغها میاه و ریاح و گل و ثمر　　زیر قسم بصیغهٔ زیتون و تین بود

مبنی است بر صفا و نظافت چو این بلد　　توفیق حق طبیب و طهارت قرین بود

نتوان و داغ حمله عدو بخت بهر فتح　　حب وطن چو در دل ما جاگزین بود

چون بلخ باز قبة الاسلام آشکار　　با حشمت مزید ازین سرزمین بود

شد سربلند گنبد افغانیت بیا　　سنگین زپا و تا بسرش آهنین بود

چون مرتفع فتاده وقوع و مقام ملک　　ترفیع آن سریع تر و باطنین بود

برتر ز غزنی از جهت ساعت رصد　　بالای هر مناره فلک سا جبین بود

بر اسوهٔ هرات و مصلای شاهرش　　هر جامع جلیلهٔ آن دلنشین بود

ملت بزیرِ سایۂ امن و امانِ شہ | ایمن ز شرِ غیرِ بیسار و یمیں بود
از یک ہزار و سیصد و دو تا دوم ز ہر | آبادی مدینۂ غازی متیں بود[1]

بانیِ شہر را گر معرفت بسے | در سینۂ سکینہ و فیسنہ حزیں بود
مفکورۂ منورۂ والا ئے ثاقبش | در سلک نظم و نسق چو درِ ثمیں بود

غرغشت و بتنی و سڑہ بن جملہ مفتخر | از نسبتش نہ صرف مشرف تریں بود
در حلقۂ محمد و ابدال و بارک او | از روئے اسم و رسم پدران نگیں بود[2]

---

[1] حسابات کی سہولتوں کے لئے اعلیٰحضرت نے تمام مملکت میں شمسی سال رائج کیا، مگر اسلامی لحاظ سے سنہ ہجری ہی کو قمری سے شمسی میں منتقل کرلیا۔ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔ تین سو شمسی سالوں پر نو زیادہ کرنے سے قمری ہوجاتے ہیں یعنی ہر سو برس میں تین (اصحاب کہف غار میں تین سو سال اور اُن پر نو زیادہ رہے)۔

[2] سڑہ بن، بتنی اور غرغشت افاغنہ کے تین اجداد ہیں۔ جن سے بڑی بڑی قومیں شروع ہوئیں۔ سڑہ بن کی اولاد میں ترین ہے جس کی نسل سے ابدال اور اس سے بارک اور اُس سے محمد ہے۔ جو موجودہ شاہی خاندان کا مورثِ اعلیٰ ہے۔ ابدال سے ابدالی کہلاتے تھے جن کو احمد شاہ نے دُرّانی موسوم کیا۔ اور خود اسے دُرِّ دوران کہتے تھے۔

اقصاے غرب معترف عزم و عظمتش　　تنہا بہ آں ہنر جاپانش چنیں بود

عمرانش عمر پادشہ معدلت پناہ　　در طول و احتشام ز زرین و زمیں بود

گفتم کہ عمر شاہ بعمران شہر بیش　　پاسخ شد از فرشتگاں کہ ہمچنیں بود

شعر و سخن سے استفادہ

نظمِ مزبور کی مناسبت میں ذکر کیا جاتا ہے کہ پہلی دفعہ اسی عہد میں طلبہ نے ترانے پڑھنے شروع کئے۔ جن کا موضوع بیشتر استقلال و حریت، آئین و قانون، اور علم و عرفان ہوتا ہے، جو ذاتِ شاہانہ کی ہمت، معدلت، اور روشن فکری سے حاصل، نافذ اور جاری ہوئے ہیں۔ کہیں ملیت کی تنگ مکانی کا گمان نہ ہو، حضرتِ اقبال کا "مُسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا" بھی شوق و ذوق سے پڑھا اور سُنا گیا تھا۔ اگرچہ یہاں اُردو جاننے والے ملح فی الطعام کے برابر بھی نہیں ہیں ؂

جب افغان نوجوان جشنوں، جہازوں، اور یورپ میں اِن ترانوں کو پڑھتے ہیں تو گویا اس اعلانِ خوش الحان سے سفر و حضر اور بر و بحر میں اپنے بادشاہ وطن اور ملت کی شخصیت، عزت اور آزادی کا ڈنکا بجا کر بعض کو شادماں و فرحاں اور دوسروں کو والہ و حیران بناتے ہیں۔ اِن ملّی نغمات کی رُوح اعلیحضرت نے شعرا کے دل و دماغ میں پھونکی ہے۔ اس بیان کو طول دینے

سے پہلے بہتر ہے کہ چند کلمے اُس کی اہمیت کے بارے میں عرض کئے جائیں۔ جو البتہ اکثر معظماتِ مملکت کی نسبت کم ہے ؁

قیصر ولیم جب اپنے ملک میں محمود تھا تو عساکر کی حمیت اور ہیجان کے لئے بعض ترانے خود موزوں کیا کرتا تھا۔ اس کا جدِ کبیر شاعری میں اتنا شغف رکھتا تھا کہ وہ ولٹیئر کے طعنے سہتا!

جملہ سلاطین عثمانی میں سے سینتیس کو شعر گوئی میں دسترس تھی۔ مگر ان میں سے کوئی بھی اساتذۂ کلام کے رتبے کو نائل نہیں ہوا۔ جس کے ذمے سلطنت کی مہمات عالیہ ہوں۔ اسے وہ فراغت میسّر ہونی مشکل ہے۔ جو تربیۂ تخیلات کے لئے لازم ہوتی ہے، اسی لحاظ سے ہارون رشید شہزادہ کو شعر کہنے سے باز رکھتا۔ اور اسے کسر شان پادشاہی سمجھتا تھا۔ جناب رسالت آب صلعم اگر کبھی ایک آدھ فرد ایراد فرماتے تو ایک مصرعے میں سکتہ ہوتا۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ[1]۔ حضرت علی رض کو مقفّٰی تکلم سے منع فرمایا۔ مگر جب اُن کی طبع کو بے تصنّع پایا تو تبسّم کر کے گویا اجازت بخشی ؁

ہمارے افغان بادشاہ محفل میں جو کاروبار کے بعد منعقد ہوتی ہے۔

---

[1] ہم نے اس کو شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ اس کے لائق تھی ؁

بے اختیار اور با موقع رنگین بیانی سے کام لیتے ہیں۔ طعام کے اثنا میں اور حفظ الصحہ کی رُو سے اس کے بعد بھی تھوڑی دیر تک مزاح اور مطائبے کی باتیں کرتے ہیں۔ مگر اُن میں ایذائے حضار نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ دلی حظ اُٹھاتے ہیں۔ برعکس ایک یورپین شہرت کے بادشاہ کے جس نے ندیموں کو ظرافت کی اجازت تو دے رکھی تھی مگر جب کوئی خوش طبعی کرتا تو اُسے زبان دراز اور گستاخ سمجھتا۔ اور اس تہدید سے اگر کوئی چپکا رہتا تو اُسے بزدل کتّا کہتا۔

اگرچہ اعلیحضرت غازی کھانے کے وقت فرحت آور باتیں کرتے ہیں مگر عند اللہ وم بعض کام بھی سرانجام فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ اس زمانے میں جب کہ جنگِ استقلال برپا تھی باوجود اُس کی پیچیدہ اور وسیع مصروفیتوں کے معارف کی طرف پُوری توجّہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ بر سر دسترخوان تشویقِ طلبہ کے لئے شہر آرا کا بادشاہی باغ بخشش کر دینے فرمان پر دستخط فرمائے۔ جب اہلِ مکتب نے حاصلات سے بہرور ہو کر بعض میوے ولی نعمت کے حضور میں نذر کئے تو شکریے میں فرمان بدیں الفاظ صادر ہوا:۔

"از ثمراتِ وطنِ عزیزم، ثمر بحضور من رسید۔ ممنون شدم۔ اے اولاد معنوی من! از خداوند می خواہم کہ ثمرِ علمِ شما را وطن بہ بیند و من فخر کنم"۔

یہ جلوس کے پہلے سال کا ذکر ہے۔ اِس کے بعد معارف کو اتنے بڑے بڑے عطیے ملے کہ یہ بخشش اب معمولی معلوم ہوتی ہے ؛

سلطنت کے تیسرے سال جب تقسیم انعامات کی تقریب پر مدرسہ حبیبیہ میں تشریف لائے تو منجملہ اور مقالات کے طلبہ نے صائب اصفہانی کا قصیدۂ کابل بھی پڑھا ؎

خوشا عشرت سرائے کابل و دامانِ کہسارش
کہ ناخن بر دل گل میزند مژگانِ ہر خارش

ذاتِ شہریاری نے فی البدیہہ یہ مطلع موزوں کیا ؎

شدم (یکبارگی) با جان و سر از دل گرفتارش
دہم خونِ عزیزِ خویش تا سازم (چو) گلزارش

توسین کے بغیر اتباعِ سنّت ہو جاتی ہے ؛

ایامِ شہزادگی اور نیز عہدِ بادشاہی میں جب طبیعت علیل ہوتی۔ تو چونکہ مہماتِ مملکت سے قاصر ہوتے اِس لئے بعض اشعار کہتے ہیں جو متانت اور جمیت سے لبریز ہوتے ہیں۔ جب شہدائے استقلال کے یتیموں کو شہزادوں کی مانند محلِ شاہی میں مسکن دے کر، مکتبِ حربیہ کا لباس اُن کے در بر کیا تو ٹوپی

ہیں یہ حروف کندہ نصب کئے ؎

ما یتیم شہدائیم کہ در وقتِ غزا

کردہ در خدمتِ دولت سر و جاں افدا

جب یہ لڑکے صبح و شام محل اور مکتب کی طرف آمد و رفت کرتے ہیں تو ملّتِ افغان کی اشک و رشک آلودنگاہیں ان پر پڑتی ہیں۔ مدافعتِ وطن کے لئے ایک جہان ہیجان پیدا ہوتا ہے ! اور شعرِ مسطور اس پر تازیانہ ہے۔ جب شہادت کے لئے دنیا میں یہ ساز و سامان ہے تو مقاتلے کے لئے کیوں ہر دم ہمہ تن حاضر و آمادہ نہ ہوں۔ یہ معاملہ اعدا پر شاق ہے۔ کیونکہ جب خوف کی بجائے شوقِ مرگ ہو تو مقابلہ مالا یطاق ہے ؎

خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ نے ایک دستہ سپاہ کے ہاتھ دشمن کو ایک خط بھیجا:۔ اُرْسِلُ اِلَیْکُمْ رِجَالاً یُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ کَمَا تُحِبُّوْنَ الْحَیَاتَ۔ اِس مضمونِ سیاست مشحون سے اتنا رعب پڑا جو ایک زبردست لشکر کے سوق کرنے سے زیادہ تھا ؎

اعلیحضرتِ غازی نے جب محاربۂ استقلال کے فاتحین کی یادگار میں ایک منار اعمار کیا تو گذشتہ کارزار کے مقتولوں کو جنہوں نے حفاظتِ وطن میں

جانیں نثار کی تھیں فراموش نہ کرکے۔ نزدیک ایک گنبد بنوا کر پھر ایک کتبہ خود تیار کیا ہے

ما تیم ستم تیغِ فرنگی شدہ ایم
مستِ وبدار خدائیم وبہشتی شدہ ایم

باوصف سخن شناسی کے ذاتِ ہمایونی اشعار کو چنداں وقعت نہیں دیتے اور بجز منظوماتِ وطنی وملی مدحی قصائد کو اپنے حق میں تو مطلق پسند نہیں فرماتے۔ بدوِ جلوس میں جب ایک شاعر نے تہنیت نامہ تقدیم کیا تو واضح طور پر فرمادیا کہ یہ زمانِ گفتار نہیں آوانِ کردار ہے ۔

شعرا کی نسبت جو یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ اور فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ کی ملامت وارد ہے اس کا لحاظ رکھ کر، ضروری استثنا اِنْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کی بھی رعایت کرتے ہیں ۔

ہفتے میں صرف ایک دن محفلِ سرود کی رخصت ہوتی ہے، مگر اعلیحضرت مصاحبوں کے ساتھ اختلاط میں مصروف سماع میں ہرگز مشغوف نہیں ہوتے کسی عجیب سخن یا عجیب لحن پر ایک آن سرسری ملتفت ہوتے ہیں۔ پیانو اور ہارمونیم کے ساتھ رباب اور طبلے کی آواز بھی آتی ہے جس نے شیخ کو حکیم کا

مرتبہ دلوایا تھا۔ شرقی آلات موسیقی کے ساتھ اس کے مروجہ آداب سے ذاتِ شہریاری کی ملنت بہت دُور رہے۔ ہاتھ پاؤں یا سر سے تان تو بھول کر بھی کبھی نہیں دیتے۔ ایسا معلوم ہوا کرتا ہے کہ گانا بجانا صرف تفریحی رونق یا گفتگو کے بعد خاموشی کے خلا کو پُر کرنے کا ایک ذریعہ ہے ؛

اندلس کے بنی اُمیہ کا ایک امیر شاہی اپنے مُغنّی کو بادشاہی دسترخوان پر بٹھاتا ہے۔ بغداد کا ایک مطرب خلیفے کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کرنے کی جرأت دکھاتا ہے۔ افغان بادشاہ باہمہ تواضع و خلق کریمانہ جو آفتاب کی طرح سب کے ساتھ برتتے ہیں، سازندوں کو اُن کے مناسبِ مقام منزل دیتے ہیں۔ اور سوائے معیّن اوقات کے کبھی اس طرف راغب نہیں ہوتے اور جب کبھی مائل ہوتے ہیں تو سلاطین پیشین کی طرح انہماک نہیں کرتے اور تھوڑا انعطاف بھی اِس لئے ہے کہ فطرتِ سلیم کا تقاضا ہے۔ کیونکہ سعدی اس کے عاری کو کج طبع جانور گردانتا ہے۔ اور شیکسپیئر اس سے خالی کو فتنہ و فساد سے مملو مانتا ہے ؛

یہی حال ورزشوں اور کھیلوں کا ہے جن میں اعلیحضرت عارضی طریقے پر مشغول ہوتے ہیں۔ اور اندر باہر ریاضتِ جسمانی کی طرف ہمیشہ نہیں، کبھی

متوجہ ہوتے ہیں، کیونکہ خیر خواہوں کی نصیحت پر جواب دیتے ہیں کہ دائم فرصت محال ہے۔ اِس بارے میں گویا ہربرٹ سپنسر کے ہم خیال ہیں۔ جو ایک سردار کے ساتھ بلیرڈ کھیلتے ہوئے اس کی وضع افتخار پر بے اختیار بول اٹھا تھا کہ ہر ایک ہنرمندانہ بازی کے ساتھ تھوڑی سی واقفیت ایک منتور ضمیر کو زیب دیتی ہے۔ مگر تمہارے جیسی مہارت ضائع شدہ شباب کا اعلام کرتی ہے ؎

لطائفِ سیر و شکار اور اسرارِ کاروبار

ناظرین لطیفے کے طور پر فرض کریں کہ ایک اجنبی سیاح روس یا ایران کی طرف سے کابل میں وارد ہوکر چاہتا ہے کہ اعلیحضرتِ غازی کا ایک دو دن میں عینی مشاہدہ کرکے ہندوستان کی راہ لے - ۱۳۰۱ ہجری شمسی کا موسم بہار ہے۔ جسے چھ سال ہوئے اور ذاتِ شاہانہ پغمان میں تشریف فرما ہیں - شام کے وقت فوارے کے پاس کھڑے اُس کے گوناگوں برقی رنگوں کا فضا میں ملاحظہ کرتے ہیں - خوش و خورم باغ عمومی میں خرام کرتے عسکری موزیکے سے محظوظ ہوتے ہیں - اس کے بعد چند انگریزوں کے ساتھ ٹینس کھیلتے ہیں - پھر آدھی رات تک محفلِ سرود میں شریک ہوکر علے الصّباح دارالامان کی طرف موٹر میں روانہ ہوجاتے ہیں - وہاں اس بلندی پر چڑھ کر جہاں دارالحکومت کا قصر تعمیر ہو رہا ہے سرسبز و شاداب گرد و نواح کا نظارہ کرتے ہیں - پھر گھوڑے پر سوار ہوکر پہاڑوں میں شکار کیلئے چلے جاتے ہیں - دن بھر کے بعد موٹر میں عودت کرکے رات کو حرم سرائے میں رہتے ہیں - دوسرے

روز وزرا اور اہل شوریٰ حاضر ہوتے اور انتظار کے بعد واپس جاتے ہیں۔ اعلیحضرت ظہر کے بعد جلوہ افروز ہو کر یغمان کی سڑک پر قدم زنی کرتے ہیں جہاں سیاح اور ہر شخص آپ کو دیکھ سکتا ہے۔ اگر سیاحت نامے میں اعلیحضرت کی صرف اتنی سرگذشت درج ہو تو کتنے مغالطے کا موجب ہو سکتی ہے!

اکثر اخبار و سیر ایسی ہی ناقص معلومات سے بھرے ہوتے ہیں۔ پھر ان پر جب تعصّب کے حواشی چڑھائے جاتے ہیں تو ایک عالم کو گمراہ بناتے ہیں۔ واقعہ نگار اسی ورطے میں پڑ کر ناظرین کو سوءِ تفہمات میں ڈبوتے ہیں۔ مثلاً ایک فرانسوی سیاح مغل بادشاہ کا حال لکھتا ہے۔ اس سال جب کہ دریائے آگرہ سردی سے منجمد ہو گیا تھا۔ جیسا کہ یہ جمنا سینکڑوں سال کے بعد ہوُا۔ احتمال ہے کہ شاہجہان کی اس وقت کی باتیں عمر بھر یا پہلے نہ پیچھے کبھی نہ ہوئی ہوں۔ باہر کچھ اور نظر آتا ہو حالانکہ اندر حقیقت کچھ اور ہو۔ باوجود نقطۂ نگاہ کے تفاوت کے بریز برنیر فیریہ وغیرہ نے جو بیان کیا اُس سے یورپ نے دھوکا کھایا اور ہم بھی کچھ نہ کچھ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

امام بصری رحمۃ اللہ علیہ دُور سے کیا دیکھتے ہیں کہ دجلہ کے کنارے

ایک حبشی مع ایک عورت کے بیٹھا ہے اور سامنے صراحی دھری ہے۔
چونکہ معرفت کا تقاضا ہے کہ انسان باخویش خود بین اور باغیر بد بین نہ ہو،
امام صاحبؒ نے ہر چند سوءِ ظن کو ضبط کیا مگر دل میں اس زناکار شراب خوار
غلام پر نفرت ہی کرتے رہے کہ اتنے میں ایک کشتی گرداب میں پڑ کر غائب
ہو جاتی ہے۔ حبشی فوراً دریا میں کودتا ہے اور جب مسافروں کو یکے بعد
دیگرے ساحل سلامت پر پہنچاتا ہے تو امام کو بھی امداد پر بلاتا ہے جو اپنے
علم کے تبحّر سے اس عمل میں قاصر اور اس لئے اِس وقت نادم ہیں اور یہ ندامت
اور بھی زیادہ ہوتی ہے جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حبشی جوانمردیانی کی صراحی
لئے ہوئے اپنی والدہ کی خدمت میں مستغرق تھا۔ صرف آغاز، درمیان
یا انجام ہی سے استنتاج کرنا البتہ کوتاہ اندیشی ہے، اور اختلافِ روایات
کا بھی بڑا سبب یہی ہے ؎

اکثر لوگ رخصت کے روز یا فرصت کے وقت شطرنج اور تاش
کھیلتے ہیں۔ پیادوں اور سواروں کی رفتاروں سے بادشاہ اور غلام کی
ہاروں سے ہشاش و بشاش ہوتے ہیں۔ بقول ہیلپس، اِس ساکن و
ساکت مہروں اور پتوں کے مجموعے میں کیا جذبہ ہے بمقابلہ زندہ انسانوں

کے جو ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے جھگڑتے اور ظلم و ستم کرتے ہیں۔ اگر ظالم کی تنبیہ اور مظلوم کی ترفیہ پر توجہ کی جائے تو کیا اس میں بہ نسبت بازیوں کے کمتر لطف اور دلچسپی ہے؟ رحمت کے وسیع خواص میں طرفین کو برکت دینا ہے۔ اگر محروم اپنے حق کو پہنچے اور صلحا کی آبرو رکھی جائے تو لہو و لعب سے بڑھ کر لذت، بلکہ بہت سی عبادات سے برتر ثواب اِس میں مضمر ہے ؎

چیست نسبت پائے اسماعیل را با دست حق
آبروے آدمی مانند زمزم ہم نبود

وہ تجاویز و تدابیر جو اعلیٰحضرت غازی تامّل و تفکّر کے بعد اپنی نجیب ملّت کے شرف و ناموس کی محافظت کے لئے عمل میں لاتے ہیں۔ ایسے ثبات و استقامت سے وابستہ ہیں، جو ہمیشہ جاری ہے اور اس میں کبھی توقف یا رخنہ واقع نہیں ہوتا ؎

موجیم کہ آسودگیٔ ما عدمِ ماست ما زندہ بآنیم کہ آرام نداریم

سیاح مزبور کی طرح بعض صرف ظاہر بین ہوتے ہیں۔ یا اُن کی نظر باطن تک نہیں پہنچ سکتی۔ ایک اجنبی کس طرح اندرونی معاملات سے واقف ہوسکتا ہے۔ ہر چند تحقیق کرے مگر اس کی جستجو ہی مانع ہے کہ کوئی اسے اصلیت سے

آگاہ کرے۔ یورپائی مؤرخ ہمارے ایک بادشاہ کو عہد شکن کہتے ہیں۔ کیونکہ اس نے فلاں شخص کے ساتھ قرآن پر پیمان باندھا جو بہت مقدس الایفا ہونا چاہیئے تھا۔ باوجود اس کے پورا نہ کیا۔ اگر عہد کی شروط زمانے کے حوادث سے بچا نہ رہی ہوں، اگر اس شخص نے قول کے خلاف پنہاں کوئی حرکت کی ہو، یا اس قسم کا توڑنا ہی بوجہ ایک اور اقدس اور الزم حلف کو قائم رکھنے کے لئے لابد ہو، تو ان امور کو ملحوظ رکھ کر ایک طرف کو ملزم قرار دینا اگر سخت کوتاہ فکری نہیں نوشتانِ قومی ضرور ہے ؛

ایک بادشاہ سفر کی حالت میں اتنا پیاسا ہوا کہ ہلاکت کے نزدیک پہنچ گیا۔ شہزادہ پانی کی تلاش میں نکلا۔ اور ایک بندر کی راہبری سے کنوئیں تک پہنچا۔ جس سے پانی نکالنے کا کوئی ذریعہ نہ پاکر یہی سوجھی کہ بندر کو مار کر اس کے رودے اور کھال کے واسطے سے پانی پہنچایا جائے۔ ورنہ بادشاہ کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ بیشک بندر محسن تھا۔ مگر بادشاہ اُس سے ہزار چند احسانات شہزادے پر اور دوسرے انسانوں پر کر چکا تھا۔ اور آیندہ کر سکتا تھا ؛

دنیا میں ایسے عقدے بہت ہیں۔ اجتماعی گتھیوں کو سلجھانا اور سیاسی

مجبوریوں کو حل کرنا مقتضی ہوتا ہے کہ نہ صرف ایک بُری بلکہ اچھی چیز کو چھوڑ کر، کوئی بہتر امر اختیار کیا جائے۔ چونکہ وہ لوگ جو فی زمانناعلم وفضل کے مدعی ہیں، مدہش غلط بیانیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اِس لیئے مَیں نے ذرا تطویل سے اس پر بحث کی۔ تصویر کے ایک ہی رُخ کو دیکھنا اَور پھر تنقید و تقریظ کے مشتاق ہونا، حالانکہ اہلیت ذواتِ نادر کو ہوتی ہے، بے جا مبادرت اَور خطا کارانہ جسارت ہے۔ کسی شخص کی تحسین یا تذمیم دونو مشکل چیزیں ہیں۔ خصوصاً جب اُس کے معاملات خلقت کے ساتھ بہت اور گہرے اَور بکھرے ہیں۔ مدّعی اور مدعا علیہ دونو اپنی جگہ جانتے ہیں کہ سچ یا جھوٹ کس طرف ہے۔ یعنی دونو اپنے معاملے میں عالم ہیں۔ اَور ثالث خواہ اَور امور میں علاّمہ ہو مگر اس بات میں ان دونو کی نسبت جاہل ہے۔ اِس لئے اس کا فیصلہ بہت سی مشروط احتیاط کے ساتھ ماننا عقلمندی ہے۔ ایک حکیم یا مدبّر کا قول وفعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ مگر اس سے تہی نظر آتا ہے۔ اگر ناظر دانش سے عاری ہو۔ ایک مجلس میں عالمگیر سیاست کا بادشاہ بڑی جدیت سے ایک شخص کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہے۔ جو فی الواقع بہت شریر اور مفسد ہے۔

سامع اسے عادم وتوقف شاہانہ پر حمل کرتا ہے، حالانکہ مقصد یہ تھا کہ مخاطبین
میں سے اس فتنہ پرداز کے حامی پہچانے جائیں اور ضمناً دوسروں کی حق گوئی
یا خوشامدانہ تائید میں تفریق ہو جائے۔ ایک اور مثال لیجئے۔ بادشاہ کسی
شخص کو مورد انعامات اور حکومت پر سرفراز کرتا ہے جس کو عام لوگ معقول
قاعدے سے مطلق مستحق نہیں سمجھتے حالانکہ وہ ایسی فداکارانہ خدمات
بجا لا چکا ہے۔ اور وہ بھی ایسی فراست اور بے ریائی سے کہ اس کا علم بجز
ذات ہمایونی کے اور کسی کو نہیں اور مصالح ملک سے بھی ہونا بھی نہیں چاہئے۔
ہندوستان کے موجودہ محیط میں یہ باتیں پائی نہیں جاتیں مگر اس کے اولوالعزم
بادشاہوں کی تاریخ ان سے پٹی پڑی ہے۔ اس لئے ایک ذاتِ کبیر کی
سیرت کے مطالعہ و مفاہمہ کے واسطے ان نکات کو ذہن نشین کرانا
ضرور تھا۔ اب سیاح مفروض کی طرف رجوع لاتے ہیں :۔

جب اُس نے اعلیحضرت کو شام کے وقت فوارے کے پاس دیکھا
تھا وہ پنجشنبہ کا دن تھا۔ ہفتہ بھر ذاتِ شاہانہ صبح سے لے کر شام
تک اور سرِ شب سے آدھی رات تک متمادیاً وزارتوں اور خاصکر وزارتِ
خارجہ کے امور میں مصروف رہے تھے۔ مصروفیت ایسی ہنما کی جو ڈیڑھ

کروڑ نفوس کو صراطِ مستقیم پر لانے کی جد و جہد کر رہا ہو، اوہام و جہالت کے جبال و جنگلات سے نکال کر ہر ہر قدم پر کھڑے ہو کر کیونکہ تقلبات شجری و حجری سے سبز ہمارا رستہ پیدا کرنا دشوار ہے، سابق راہ بلدون کی مخالفت کو پامال کر کے ملت کو تنویر اور ترقی کی منزل پر پہنچا رہا ہو۔

پنجشنبہ کو اعلیٰحضرت اس ہفتے اور اس روز کے معین فرائض سے فارغ ہو کر قوارے کے نظارے سے پہلے موٹر میں ہوا خوری کو گئے تھے اپنے وقائع شاہانہ روزنامچے کے ایک دو ورقے ہیں۔ جو نمونے کے طور پر نقل کر رہا ہوں ا

ہوا خوری کے اثنا میں چند میل پغمان سے باہر بیگتوت کے قصرِ شاہی کے نزدیک موٹر سے اُتر کر گرد و نواح کی زمین کے ملاحظے میں مصروف ہو گئے بعد ازاں فرمانے لگے کہ میرا ارادہ شفاخانۂ سل قائم کرنے کا تھا۔ اور اس موضع سے بہتر اور جگہ مجھے نہیں ملی۔ کیونکہ یہ بہت فراخ اور خوش ہوا اور لوگوں کی آمد و رفت سے بھی کافی دُور ہے۔ اور اس قسم کے شفاخانے کے لئے یہی باتیں ضرور ہیں۔ اِن کے علاوہ ایک اور مرغوب امر یہ نزدیک کا مقبرہ ہے۔ جس پر عوام کا اعتقاد ہے اور چونکہ مادی امور کی نسبت ان کا اعتماد بزرگوں کے رُوحانی فیوض پر زیادہ ہے۔ اِس لئے اس سے شفاخانے

ستر جال

کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

لنڈن میں آئے دن جب صحت یاب مریضوں کی جدول شائع ہوتی ہے تو ایک خانہ ایسے بیماروں کی شفایابی سے پُر ہوتا ہے جنہوں نے صرف عقیدے سے صحت حاصل کی ہو، بلکہ "فیتھ ہیلنگ" کے قائل اور تندرستوں کا بھی دعوے کرتے ہیں۔ جنہوں نے مرض کی حالت میں ڈاکٹروں سے استمداد کی۔ مگر مایوس ہو کر ایمان کی رُو سے شفا پائی۔ کابل میں ایسے لوگوں کا وجود جہل کی دلیل نہیں جو دنیا کے سب سے بڑے پایہ تخت کے باشندوں سے زیادہ ہو، ہاں۔ اعلیحضرت کا عوام النّاس کے عقائد سے استفادہ کرنا قابل داد ہے۔ چنانچہ اس جگہ اَب سل کا شفاخانہ واقع ہے۔ اور بیمار دو طرفہ فیضان سے سیراب ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں ڈاکٹری سے متاثر مگر اپنے عقیدے پر مُصر ہو کر، کسی نے طاعون کے حفظِ ماتقدم کے لئے ایک بزرگ سے چوہوں کا تعویذ مانگا۔ اُنہوں نے لکھ کر تو دیا مگر یہ ہدایت کی کہ اسے بلّی کی گردن میں ڈال کر یا پھندے کے ساتھ باندھ کر گھر میں رکھنا۔

سیّاح نے جو اعلیحضرت کو انگریزوں کے ساتھ ٹینس کھیلتے دیکھا تھا تو

یہ مہمان نوازی کا ایک کرشمہ تھا۔ کیونکہ اِن دنوں برطانوی وفد انعقادِ معاہدہ کے لیئے وارد تھا۔ باوجود اس کے عین بازی میں ذاتِ شاہانہ نے بعض باتیں ایسی کہیں جو انگریزوں کی توجّہ کو اس طرف ملتفت کرتی تھیں کہ ہندو اور مسلمان باشندوں میں بالضرور اتحاد قائم رکھا جائے۔ ورنہ حکام پر بدگمانی ہوسکتی ہے۔ یہ اعلیحضرت کی ہمسایہ قوموں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کی ایک بیّن دلیل ہے۔ مگر میرے خیال میں حاکم و محکوم دونو کے لیئے مفید ہے ؁

رعیت میں باہم خصومت کے ذریعے حکومت کرنا سیاست عالی نہیں کہا جاسکتا۔ بعض مدبّرین پست فکرت اسے پسند کرتے ہونگے۔ مگر لَیْسُوْا سَوَآءً دوسرے بلند رائے آمراس سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ پنجاب کے ایک سکھ راجے کو کسی انگریز نے کہا تھا کہ ہندوستان کے میووں میں سے پھوٹ ہمیں بھاتی ہے۔ ظاہراً یہ مذاق بہت پھیکا ہے۔ کیونکہ احسان اور حرّیت کے ثمرات بدرجہا زیادہ میٹھے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک وائسرائے نے یہ کہا تھا کہ جب اہل ہند کو ہم اس کی حکومت اُن کے سپرد کرکے چلے جائینگے تو وہ دن ہماری تاریخ میں سب سے زیادہ درخشاں ہوگا۔ یہ تو

ایک شخصی تمنا ہے جس کے خلاف کارلائل اہل سیاست کو تنبیہ کرتا ہے۔ جب وہ شیکسپیئر اور ہندوستان کا موازنہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مدبرین ملک شیکسپیئر کی پروا نہ کر کے ہندوستان کو ہاتھ سے نہیں دینگے مگر میں شیکسپیئر کو نہیں چھوڑونگا۔ کیونکہ ہندوستان آخر ہمارے پاس نہیں رہیگا۔ اس انقراض کا ایک بڑا سبب بیان کرتا ہوں:۔

قبل اسلام عرب میں بنی بکر اور بنی تغلب، اوس اور خزرج اور علیٰ ہذا مختلف قبائل آپس میں جدال وقتال کا بازار گرم رکھتے تھے۔ جو ایک ناگوار اور خلافِ تہذیب امر تھا، پھر انہی عربوں نے مسلمان ہو کر بڑی بڑی سلطنتوں کے مقابلے میں فتح پائی۔ اور تمدن، علم، فن، آئین، قانون اور ہر قسم کی ترقیات کی اشاعت کی۔ یہ عرب جو چالیس چالیس برس ایک جزوی محرکِ غیرت کی بنا پر لڑتے مرتے تھے، کیا اگر ایسا نہ کرتے تو رومیوں اور ایرانیوں وغیرہ کے ساتھ خونریز میدانِ نبرد میں جنگ آزما ہو سکتے؟ یہی عرب اگر تجارت زراعت اور کتابت میں مشغول، آلاتِ حرب کے استعمال سے بے خبر، باہم صلح و صفائی کے ساتھ رہنے کے خوگر ہوتے، تو کیا فوراً ہی مبارز بن سکتے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شباب جاہلیت

لڑائی بھگڑوں کی ضرورت ہی برائی

میں سرکش گھوڑے کو لگام اور رکاب کے بغیر قابو میں رکھ سکتے تھے۔ جناب خالد رضی اللہ عنہ عسکری تدبیر سے کفر کی حالت میں مسلمانوں پر غالب آ سکتے تھے۔ یہی قوت و شجاعت تھی جو اسلام کی تالیف و حمیت کے سانچے میں اُس کی مظفریت کا باعث ہوئی ؂

مثنوی میں ایک مولوی کا ذکر ہے جو سپاہیوں کے ساتھ ہو لیا۔ جب وہ لڑائی سے فارغ ہو کر لوٹنے لگے تو اس سے کہا کہ جنگ میں تو شریک نہیں ہوا، کہانی سنانے کے لئے کہ میں نے بھی ایک دشمن کو مارا تھا۔ کم از کم ایک قیدی ہی کو ذبح کر ڈال جو خیمے کے باہر بندھا پڑا ہے۔ مولوی نے اسے پسند کیا اور تلوار لے کر نکلا۔ جب اُس کے واپس آنے میں دیر لگی۔ تو سپاہی باہر نکل کر کیا دیکھتے ہیں کہ قیدی اوپر اور مولوی کو نیچے دبائے اُس کا گلا دانتوں سے کاٹ رہا ہے۔ اور کمک نہ پہنچتی تو اُسے شہید ہی کر دیا ہوتا۔ مگر یہ کیسی ذلیل شہادت ہوتی!

اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ[۱] کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سے تین دفعہ تکرار فرمایا اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ[۲]۔ جب تک

---

[۱] جہاں تک ہو سکے ان کے لئے قوت تیار کرو ؂ [۲] آگاہ ہو کر قوت نشانہ بازی ہے ؂

ماد توں نشانہ لگانے کی مشق نہ ہو تو فوج میں قوت معدوم ہو گی۔ روزمرّہ کی قواعد کے علاوہ جس میں چاند ماری بھی داخل ہے مصنوعی لڑائیاں ضرور سمجھی گئی ہیں۔ باوجود اس کے ایک اہم محاربے میں انہی افسروں اور سپاہیوں کو بھیجتے ہیں۔ جو پہلے جنگوں میں شریک ہو چکے ہوں ؎

پس عربوں کی دیرینہ لڑائیاں اسلام کے غلبے کا موجب ہوئیں جیساکہ آج کل سرحدی افغانوں کی خانہ جنگیاں اُن کی خارجی آزادی کا باعث ہیں۔ چونکہ ہمیشہ آپس میں لڑتے بھڑتے ہیں۔ اِس لئے بیرونی دشمن کا بھی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اِن کی داخلی مقاتلت جس میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں جانیں تلف ہوتی رہتی ہیں۔ بیشک ایک تاسّف ناک واقعہ ہے۔ اور اس سے بدتر اُن کی ڈاکہ زنیاں ہیں۔ اپنے علاقوں سے باہر جو آئے دن کشت و خون کا مورد ہوتی ہیں۔ مگر معًا اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اگر یہ وحشیانہ حرکات نہ ہوں تو تہذیب کے سب سے اونچے مرتبے پر بھی وہ متمکن نہ رہ سکیں جو قومی آزادی ہے، لہٰذا وہ چیز جو بذاتِ خود قبیح ہے عین زمان میں حُسنِ عالی بھی رکھتی ہے ؎

هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ

جنگ و صلح کی عجیب آمیزش

اُجَاجٌ وَّجَعَلَ بَیْنَھُمَا بَرْزَخًا۔ دو دریا ملے ہوئے ہیں ایک میٹھا اور تازہ اور دوسرا کھاری اور کڑوا پھر اُن دونوں کے درمیان فاصلہ بھی حائل ہے۔ اس فطری واقعے سے استفادہ کرنا بشری تدبّر کا کام ہے۔ وَمِنْ کُلٍّ تَأْکُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْیَۃً تَلْبَسُوْنَھَا۔ اِن دونو دریاؤں سے تم تروتازہ گوشت کھاتے ہو اور آرائش کا سامان نکالتے ہو۔

صلح اور امن پسندیدہ چیزیں ہیں اور لڑائی اور فساد البتہ مکرُوہ و مُضر ہیں، لیکن جب تک نزاع و فتنہ کی عادت نہ ہو دشمن کی مقاومت نہیں ہوسکتی، اور جب اسے روکنے کی طاقت نہ ہوئی تو وہ ہجوم کرکے آزادی سلب کرلے گا۔ جس سے دائمی فتنے کی بنیاد پڑے گی۔ اِس لئے جنگ اور صلح اگرچہ ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں مگر ساتھ ہی اس طرح وابستہ و پیوستہ ہیں کہ علیٰحدہ نہیں ہوسکتیں، اور اس طرفہ حالات کے اجتماع و افتراق سے فائدہ اُٹھانا سیاست اور دانشوری ہے۔

عربوں اور افغانوں کی غیر مہذّب اور بدویانہ خانہ جنگیوں کا اطلاق ہندؤں اور مسلمانوں پر کرو تو نتیجہ وہی نکلنا چاہیئے جو تہذیب و تمدن کا معراج ہے۔ اِس سے یہ مطلب نہیں کہ ہندوستان کی قومیں موجودہ اختلافات کو اور بڑھائیں

آور لڑیں بھڑیں۔ کیونکہ یہ حالت ایک ضروری اور مفید لازمۂ ارتقا ہے۔ بہرکیف نزاع وفساد شنیع امور ہیں۔ اور مصلح ملّتان کے دفیعے کی کوشش کرے گا۔ پھر بھی یہ طبعی حوادث ہیں۔ اور ان آفتوں کے بغیر ترقی نشو ونما ہی محال ہے۔ ڈاکٹر بوس کے نباتی تجربات نے اسے ثابت کر دکھایا ہے کہ صدمات کے بغیر پنپنا ہی ممکن نہیں۔ ھُوَالَّذِیْ اَنْبَتَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا[1]۔ قومیں بھی جتنی زیادہ مزاحمات کا سامنا کرینگی اتنی ہی تنومند زندگی لے کر ابھریںگی۔ جتنا زیادہ لہو ٹپکائینگی اتنی ہی سُرخروئی کا پھل پائینگی۔

ڈاکٹر ولسن کا سیاسی دعوے اگر تجزیہ کرو تو آخر یہی نتیجہ بخشے گا کہ جو قوم مرنے مارنے پر آمادہ ہے اور اس کے افراد لڑنے کے عادی دوسروں کی مداخلت کو بزور شمشیر دفع کرتے ہیں، خود مختار ہے۔ لڑائی بھڑائی کی عادات اور احتیاجات نے مقابلے اور مقاتلے کی سب ایجادات بھی پیدا کر دی ہیں جس سے اگر بیرونی دشمن حملہ آور ہو۔ تو موفقیت سے مدافعہ بھی ہو سکتا ہے۔ ایک دفعہ اس کا ثبوت مل گیا تو کوئی تعرض کی جرأت ہی نہیں کرے گا۔ تُرْھِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِیْنَ

---

[1] اُس نے تم کو زمین سے نباتات کی طرح پیدا کیا۔

مِنْ دُوْنِھِمْ[1]۔ خارجی اور داخلی اعدا سب اِسی سے مرعوب ہوتے ہیں۔
کہ سامانِ حرب مکمّل موجود ہو۔ اور اُس کے استعمال میں یدِطولےٰ حاصل ہو۔
تہذیب کے لوازم خواہ کتنے مہیا ہوں۔ جب تک کہ حرب اور اس کے خدعات
میں مہارت و ممارست نہ ہو کوئی ملّت زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔ چہ جائیکہ حیاتِ
عزّ و شرف بسر کرے ؎

ہر کہ چوں تیغ کج و روسیہ و خونخوار است
خلقِ عالم ہمہ گویند کہ جوہر دار است

بادا ایسا یہ ٹیڑھی، کریہہ، اور درندوں کی سی روش اختیار نہ کی جائے کسی
ملّت کی نجابت، وقعت اور حرمت تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ جاپان کی مثال
اظہر من الشمس ہے اور افغانستان کا معاملہ ابہر من الامس ؂

اعلیحضرتِ غازی کا نمونۂ حسنہ بھی در پیش ہے جنہیں ہفتہ بھر کی
تکان کے بعد جب تفریح کا موقعہ میسّر ہؤا تو وہاں بھی ہند و مسلم نے خیر خواہی
کا دم بھرا۔ اِس کے بعد محفلِ سرود میں بیٹھتے ہیں۔ کابلی محاورے میں سارے
ساز "کوک" ہیں اور قاسم جس کے ریکارڈ بھی اب سُنے جا سکتے ہیں۔ بیدل

---

[1] اسی قوت سے تم خدا اور اپنے دشمنوں کو اور دوسروں کو ڈراتے ہو ؂

گا رہا ہے ؎

اینجا در آبِ تیغ بخوں غوطہ خوردن است

آئینہ تا کجا شود آئینہ دار مرد

اعلیحضرت ظاہرہ سُن رہے ہیں مگر اعیان و ارکانِ دربار کو اپنی باتیں سُنا رہے ہیں۔ ذاتِ شاہانہ کا یہ فائدۂ پُر فائدہ ہے کہ جو قوانینِ مجلس وُزرا اور شورٰے میں مرتب ہوں اُن پر اپنے خیالاتِ نافعہ سے محفلِ حضور کو مستفیض کرتے ہیں تاکہ حاضرین افکارِ ملوکانہ سے منوّر ہو کر اپنے عوائل اور دوائر احباب کو روشن خیال بنائیں۔ یُنۡذِرُوۡا اَهۡلَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡا اِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُوۡنَ[1] ؏

آج رات اعلیحضرت نے اپنے ملک کے مّلاؤں کا ذکرِ خیر شروع کیا مگر کلامِ ملوکانہ کی روایت سے پہلے چند حرف اپنی طرف سے ایزاد کرتا ہوں زکوٰۃ و صدقات سیاسیات کا سا حکم پیدا کر لیتے ہیں۔ محاربۂ حیات میں ایک ملّت دوسری کو مداہنت، حیل، دسائس، حتیٰ منافقت سے ویسا ہی فریب دیتی ہے۔ جیسا جنگِ مماتمیں مکر و خدعت کو روا رکھتی ہے فرق

---

[1] اپنے گھر بلد والوں کو تنبیہ کریں تاکہ وہ خوف کھا کر ہدایت پائیں ؏

اتنا ہے کہ رزم میں صریح مخاصمت اور بزم میں ظاہر ملاطفت کے پردے کے پیچھے یہ سب باتیں ہوتی ہیں۔ بہرکیف یہ ملّی معاملت ہے۔ منفردانہ حالت میں کہیں بھی یہ چیزیں جائز نہیں سمجھی جاتیں۔ کچھ اسی طرح رعیّت کے مالیات سے جو معزز عہدہ دار خطیر مشاہرات پاتے ہیں۔ وہ مطلق اپنے کو مرہُونِ احسان نہیں مانتے۔ مگر جب ایک مستطیع شخص کسی دوسرے کو عطیہ دے تو وہ سراپا ممنون ہو جاتا ہے۔ نادار طلبہ جب حکومت سے وظیفے لے کر تعلیم حاصل کرتے ہیں تو اُن کو متشکّر ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر جب کسی خاص آدمی سے امداد لے کر مدرسہ میں داخل ہوں۔ تو عمر بھر اُس کے شرمندۂ عنایت رہتے ہیں۔ یہ خجالت اجتماعی حیثیت سے دُور ہو جاتی ہے اور شخصی حالت میں باقی رہتی ہے۔ ملّی اور مجموعی کاموں میں یہ ایک فضیلت ہے۔

زکوٰۃ سادات کے لئے اور مفت خوری عام طور پر ممنوع و ناپسندیدہ ہے۔ اِس کی عدم تعمیل نے مساجد کے طالبوں کو ایسی پرورش دلائی جس سے طمع اُن کی طبع میں تعود کر کے دنایت کو ظہور میں لائی۔ البتہ علمائے راسخ اس سے رافع رہے۔ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ۔ اکثر مُلّا غیرت اور بلند خیالی سے محروم

رہ کر طعنے کے نشانے بنے۔ چونکہ روزی کی ریا اور تنگی کے خوف سے اظہارِ حق کی جرأت نہ رہی لوگوں میں اور ذلیل و خوار ہوتے۔ عوام کے مقولات میں اکثر کچھ نہ کچھ حقیقت ہوا کرتی ہے پشتو کی ایک ضرب المثل چرسی اور بھنگی کے مقابلے میں ملا کو بے ننگی کا مورد قرار دیتی ہے۔ فارسی کا عام محاورہ ہے کہ ملا ہونا سہل اور انسان بننا مشکل ہے۔ یہاں تک کہ خرکاری جیسے سادے پیشے کو دریائے علم کہا گیا اور کنز کو پڑھنا آسان بنایا گیا حالانکہ وہ دقائق کا خزانہ ہے۔ ان خیالات سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ملاؤں کی خصلت اور فقاہت کس پائے کی ہو گی جو پیوند گدڑیے پر آوازے کس رہا ہے۔

اعلیٰحضرت فراغت کے وقت ان کی بہت سی حکایات سنایا کرتے ہیں۔ جن میں مضحکے کے ساتھ عبرت بھی دلایا کرتے ہیں۔ ان کے خطبے اور وعظ کے متعلق فرمانے لگے کہ معقولات سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ سامعین میں مطلق کوئی احساس اور تاثیر نہیں پیدا کرتا۔ عربی الفاظ کے ساتھ موت کی بے معنی یاددہانی کے چند کلمات دہرائے جاتے ہیں۔ مگر دلیل کبھی پیش نہیں کرتے کہ جاں نثاری اور فداکاری کن امور میں لازم

ہے۔ اور اخلاق کی وجوہ اور خوبیاں کیا ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ کی فرضیت بتا کر کبھی یہ توضیح نہیں کرتے کہ مسلمان اِسے کیوں ادا کریں۔ اور سوائے محض تکرارِ کلمہ کے کبھی ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دلاتے کہ اسلحہ، سامانِ حرب، ذرائع محافظت ملک، امدادِ مساکین اور مامورین و ملازمینِ حکومت کی تنخواہیں، یہ سب کچھ مِل کر بیت المال کی تشکیل کا باعث ہوا۔ اور زکوٰۃ سے اُس کی معموری ہوئی جسے رعایا دیتی ہے۔ اور خود ہی اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ کیونکہ اسی سے ان کی رفاہ و ترقی، اور انفرادی و اجتماعی ننگ و ناموس کی صیانت متصور ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کے علاوہ اور بہت سے کاموں کو خیرات بتاتے ہیں۔ مگر اس کی وجہ کبھی ظاہر نہیں کرتے۔ مثلاً دستار کو ثواب بتا کر سفید پگڑی کو افضل جتاتے ہیں مگر ایسے نکات زبان پر نہیں لا سکتے کہ لزومِ جہاد کے ساتھ میدانِ محاربہ میں زخم و جراحت ممکن الوقوع ہوئے۔ چونکہ قدیم زمانے میں فوجی شفاخانے نہیں تھے بلکہ اس عصر میں بھی بعض اوقات نہیں ہوتے تو پگڑی سے پٹی کا کام لیا جا سکتا، اور چونکہ سفید رنگ سے میل اور صفائی کی جلدی تمیز ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس سفید دستار کو ترجیح دی گئی۔ کیونکہ اُس وقت تجربے سے اور اب مائیکروب کے مشاہدے سے زخم بند کی کثافت مورث

تعفن ثابت ہوئی ۔

بعد ازآں ڈارھی کی لمبائی اور مونچھوں کی کوتاہی پر بحث کرکے افسوس ظاہر کیا کہ علمائے دین معظمات کو چھوڑ کر جزئیات کے درپے ہیں۔ ایک ہزار سال پہلے متنبیؔ اعلحضرت کا ہمنوا ہے ؎

اغایۃ الدین ان تحفوا شوار بکم
یا امۃ ضحکت من جہلکم الامم[1]

اس مذاکرے کے بعد اعلحضرت نے اسی محفل میں ایک عجیب قانون کا ذکر کیا جو مدتوں سے نافذ تھا اور اب اس میں اصلاح کی گئی جس سے ذات شاہانہ کا تفنن اور تفنن بھی عیاں ہوتا ہے۔ افغانستان میں پنچایت خانے تھے۔ جن کے کارداز سالانہ ڈیڑھ لاکھ تنخواہ لیتے تھے۔ اُن کا ایک فرض سرکاری کاغذ اور مسکوکات بیچنا اور دوسرا سوداگروں کے تنازعات کا فیصلہ کرنا تھا۔ جس کا مرافعہ محکمۂ شریعت میں نہیں ہوتا تھا۔ اُن کی ایک مابہ الامتیاز اور مایۂ ناز خصوصیت یہ تھی کہ اگر کوئی تاجر اپنی بہی میں کسی

---

[1] آیا دین کی انتہا یہی ہے کہ اپنی مونچھوں کو چھوٹا کر دو۔
اے قوم! تمہاری جہالت پر تو میں ہنستی ہیں ۔

آدمی پر ہزاروں روپے واجب الادا درج کر لیتا تو سوداگر کے اعتبار سے نہ گواہ بُلایا جاتا نہ قسم لی جاتی - گویا بہی نہ تھی وحی تھی - اِس میں فی الحال یہ ترمیم کی گئی کہ اگر مدیون بھی مبلغ قرض کو اپنے دستخط کیساتھ درج کر دے تو درست ہے - پنچایت خانوں کو عبث ثابت کر کے اُن کے الغا کا حکم صادر کر دیا - اَور ان کے فرائض دوسرے ممالکِ متمدّنہ کی طرح اور دوائر کو مفوض ہوئے ؀

جمعہ اُس وقت تعطیل کا دن تھا - اعلیحضرت علے الصّباح موٹر پر پغمان سے باہر نکلے - چونکہ فراغت میں ہواخوری سے دماغ تازہ ہو جاتا ہے اس سے استفادہ کرنے کے لئے موٹر میں ایک فرانسوی مُعلّم موجود ہے - جس سے یہ بین المللی زبان سیکھتے ہیں - اب اُس کے تکلّم میں اچھی خاصی روانی حاصل کر لی ہے - جیسا کہ تھوڑی سی مدّت میں شہزادگی کے زمانے میں ترکی پر ایسا اقتدار پیدا کر لیا تھا کہ آپ کے اَور ایک فصیح ترک کے تلفظ میں کوئی فرق نہیں ہوتا - ان افغانوں سے جو شام میں رہ کر عربی سیکھ آئے ہیں چونکہ شاہی خاندان کے ارکان اور رشتہ دار ہیں، عربی بول چال میں ملکہ حاصل کر لیا - اردو زبان کے جاننے والے تو کابل میں مل جاتے ہیں - ان کے ساتھ

روزنامہ امان

بات چیت اور کچھ قواعد کا مطالعہ کر کے اس میں بھی دسترس پیدا کی اور اس کی مشق یوں جاری رکھی کہ ہوا خوری میں جب کسی ہندوستانی سے دوچار ہوئے تو موٹر یا گھوڑا ٹھیرا کر زبان کے ساتھ اس کا دل بھی لبھا لیا۔ اسی طرح فرصت سے فائدہ اُٹھاتے اُٹھاتے یہی دلربائی وسیع مقیاس پر ظاہر کی۔ جب ۱۳۰۲ھ کی عید کا خطبہ عربی، پشتو، فارسی، ترکی اور اُردو میں پڑھ کر نصیحت اور توحید کا پیغام دنیا کے مسلمانوں کو اس اسلوب سے پہنچایا جو پہلے کبھی ابلاغ نہیں ہؤا تھا۔

ان السنۂ ستہ کے ذریعے سے عمومی مطلب کے ساتھ خصوصی کام بھی نکالتے ہیں۔ جو مملکت کے اسرار و رموز کا تحفّظ ہے ذاتِ شاہانہ اپنی حیرت انگیز اور جہان بہن فعالیتوں میں شفاہاً یا ٹیلیفون میں بعض اشخاص کے ساتھ ایسی بات کرنا چاہتے ہیں جس پر دوسروں کا وقوف مناسب نہیں۔ جو شخص ایک زبان نہیں جانتا، اُس میں بمنزلہ بہرے اور گونگے کے ہے۔ سلاطینِ عثمانی نے اپنے عروج کے عہود میں گونگے خدمت گار رکھے تھے۔ یہاں بھی ہیں جو محرمانہ مجالس میں موجود ہوتے ہیں اور اعلحضرت کے تقرب و تعلم سے بڑے ہوشمند اور شطار ملازم بن گئے ہیں۔ باب عالی میں سلطان کے

ایوان کے گرداگرد وزرا کے کمرے معیّن تھے تاکہ ہر وقت شاہانہ موجودگی کا احتمال اُن کی سرگرم اور صادقانہ مشغولیت کا محرّک رہے۔ اور ہر قسم کی تفتیش و تجسّس کے ماوراء اعلیٰحضرت بہت سی تحقیق ٹیلیفون کے ذریعے سے کرلیتے ہیں۔ نہ صرف وزیروں مدیّروں بلکہ دورو وزار نائب الحکومتوں کی کارروائیوں کی خبر رکھتے ہیں۔

زبان کے سلسلے میں یہ ذکر نامناسب نہ ہوگا کہ ذاتِ شاہانہ جہاں اشاعتِ علوم کے مُربّی اور ثابت قدم حامی ہیں، زبان کی تسہیل میں بھی جو تحصیل کا آلہ ہے۔ بہت تفکّر سے کوشاں ہیں۔ روسی مسلمانوں نے لاطینی حروف کو طوعاً و کرہاً تسلیم کرلیا ہے اور ترکی میں بھی اس کا چرچا ہے۔ اعلیٰحضرت نے فرانسوی سیکھ کر یہ نتیجہ نکالا کہ اگر یورپ کی کسی زبان میں اوسطاً پچیس حروفِ تہجّی ہیں تو کتابی جدا قلمی جدا اور پھر ان دونو کے بڑے اور چھوٹے حرف مل کر سب ایکسو ہوئے جو ایک شاگرد کو سیکھنے ضروری ہیں۔ پھر ان کے علاوہ ایک ایک حرفِ علت کی مختلف آوازیں ہیں اور ان کے الحاق سے صحیح حروف بھی متغیّر ہو جاتے ہیں بلکہ علیٰحدہ بھی متعدد الاصوات ہیں۔ ذاتِ ہمایونی نے برسوں کی متواتر کوشش اور کاوش کے بعد جن میں علمی مجالس کے

نما کرے بھی داخل ہیں، یہ مقائسہ اور فیصلہ کیا کہ عربی یا فارسی میں نسبتاً بہت آسانی ہے تاہم مزید تسہیلات کے لئے تجارب کے بعد خود ایک نیا طریقۂ تعلیم ایجاد کیا۔ جسے انجمن معارف نے بھی قبول کر لیا۔ پہلے بھی ایک طرزِ جدید مکاتب کے ابجد خانوں، پولیس اور فوج میں رائج تھی۔ مگر صوتی اساس پر حروف وکلمات کے تجزئے اور ترکیب سے جو قاعدہ اعلیحضرت نے اختراع کیا۔ اسے نعم البدل پایا ؂

چونکہ عسکر جبری ہے، ہر ایک افغان کو دو سال چھاؤنی میں رہنا پڑتا ہے، اور چونکہ تعلیم مفت جبری اسی عہد میں شروع ہوئی ہے۔ اور نوجوان سپاہی پہلے اس سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے، اس لئے اب فوجی قواعد کے ساتھ دو سال میں لکھے پڑھے بھی ہو کر گھروں کو لوٹتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جن کی عمر عسکریت سے بھی بڑھ گئی ہے۔ اور مکتبوں میں بھی اُن کے نہ ہونے سے داخل نہیں ہوئے، اعلیحضرت کے ایجاد کردہ طریقے سے اس طرح مستفیض ہوئے کہ ہر محلّے کی مسجد میں مغرب اور عشا کے درمیان یہ نئے درس جاری کئے گئے۔ لشکر میں اور مسجد میں خود ذاتِ ہمایونی برابر دو گھنٹے بورڈ کے سامنے کھڑے ہو کر سبق پڑھاتے ہیں۔

سپاہی پڑھنا

اور لفظوں کو تختے پر لکھ کر اُس کے مختلف حصّوں اور آوازوں کو سمجھاتے ہیں۔ دوسرے تیسرے دن ایک ناخوان مطلق سارے فقروں کو ذرا سے تامّل کے بعد پڑھ لیتا ہے۔ البتہ اس بادشاہی معلّمی سے مدرسوں کی راہبری اور شاگردوں کی تشویق و ترغیب مقصود ہے۔ جس کا اثر تعجّب خیز ہوتا ہے ‎۞

ہارون رشید نے دو بیٹے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ موطا میں تلامذہ کی صف میں بیٹھ کر شاگردی کا حق ادا کیا۔ افغان بادشاہ بھی جبکہ پہلا طرزِ جدید کا سبق پولیس وغیرہ کو پڑھایا جاتا تھا۔ تورات کے اندھیرے میں چپکے سے آکر کھڑے ہو جاتے اور استاد اُس وقت مطلع ہوتا جب دیر کے بعد تحقیق کی غرض سے کوئی بات اُس سے پوچھتے۔ اِن توجہات کو جاری رکھنے کے بعد خود یہ تدریس کا کام شروع کیا۔ جو تاریخ میں بے نظیر ہے ‎۞

اِسی مبحث میں پشتو کا مسئلہ چھیڑنا بے جا نہ ہوگا۔ جو افغانوں کی قومی زبان ہے۔ اور ضرور تھا کہ اعلیحضرتِ غازی جیسا بادشاہ اس کی ترویج میں ملتفت ہوتا۔ افغانستان میں کم و بیش دس مختلف

زبانیں بولی جاتی ہیں[1]۔ چونکہ ع

ہم زبانی خویشی و پیوستگی است

جیساکہ یورپ اور امریکہ کی مختلف اقوام اسی رشتے سے متحدانہ طور پر منسلک ہو رہی ہیں، اعلیٰحضرت نے چند مجلسوں میں جنمیں وزرا اور اسلامی سفیر بھی شریک ہوتے تھے، فیصلہ کرکے پشتو کو زبان رسمی یعنی سرکاری اعلان کیا۔ اس کی اصلاح و توسیع کے لئے ایک جمعیت مقرر کی۔ جس میں ملک کے اطراف واکناف اور صحاری و جبال سے پشتو دان مدعو کئے گئے تاکہ خالص پشتو کے کلمات جمع کرکے لغات کی ایک کتاب تیار

---

[1] متعدد زبانوں کا وجود بلند پہاڑوں کے درمیان حائل ہونے سے علیحدگی پکڑے رکھتا ہے اور دریا جیساکہ پنجاب میں ہے فقط لہجے میں تفاوت لاتے ہیں۔ افغانستان میں ایسے درے ہیں جیسے پنجے کی انگلیوں میں خالی جگہ ہے اور وہاں بالکل جدا زبان سُنی جاتی ہے۔ حالانکہ فاصلہ آدھ میل بھی نہیں۔ مگر وہ نہایت دشوار گذار ہے۔ پراچی، پشئی، شغنی اور نورستان کی دو زبانیں اسی طرح واقع ہیں۔ ان کے علاوہ ارمڑی، دیگانو، ہندی، ازبکی، اور فارسی ہیں۔ جو پشتو کی طرح بعض علاقوں میں تلفظ میں ذرا متفاوت ہو جاتی ہیں۔ جدید (کافری)، کے دو حصے بھی دراصل ایک ہیں۔

کریں۔ اس طرح ایک مبسوط اور مکمل کتاب تالیف ہوگئی جس میں خاص پشتو کے الفاظ درج ہیں ۔

شہروں میں دوسرے ممالک کے اہالی کی آمد و رفت سے زبان مغشوش ہو جاتی ہے۔ اِسی لئے عربِ مُبین کے فصحا بچوں کو پرورش کے لئے دِہات میں بھیجتے تھے تاکہ جوہر مردانگی سے آراستہ ہو کر لوٹیں۔ جو بفحوائے حدیث اَلْمَرْءُ بِاَصْغَرَیْہِ قَلْبِہٖ وَلِسَانِہٖ دل و زبان میں مضمر اور متصوّر ہے انگریزی ادبا کس قدر آرزو رکھتے ہیں کہ اُن کی زبان میں محض اینگلوسیکسن کلمات ہوں لیکن چونکہ لاکھوں کروڑوں کتابیں ایسی انگریزی میں لکھی جا چکی ہیں جن میں دوسری زبانوں کے الفاظ بکثرت داخل ہیں۔ اِس لئے یہ تمنا مشتے بعد از جنگ ثابت ہوئی جیسا کہ اعشاری مقیاس و میزان کا حال ہوُا۔ آنہ، پائی اور شلنگ، پنس کس قدر حساب میں زحمت افزا ہیں۔ مگر اب اِن کی بجائے بہتر اور سہلتر نظام اختیار کرنا اور زیادہ مشقت کا باعث ہے ۔

ترویجِ نظامِ اعشاریہ

اعلیحضرت نے اِن صعوبتوں کو ملاحظہ فرما کر جو انگریزوں کو درپیش ہیں اور افغانستان میں بھی لاحق تھیں البتہ کم، زبان کے علاوہ مروّجہ سِکّوں وزنوں اور پیمانوں کو تبدیل کر کے اعشاریہ کو جاری کر دیا۔ یہ تغیرات چونکہ

بہت سی مشکلات لیئے ہوتے ہیں ۔ اعلیحضرت نے وزارت مالیہ کے ابلاغات پر اکتفا نہ کر کے ہر طبقہ اور پیشہ کے وکلا اور تمام مامورینِ دولت کو اپنے حضور میں بلا کر، پھر بورڈ کے سامنے کھڑے ہو کر استاد کی حیثیت میں پرانے حسابات کی پیچیدگی اور اعشاری دستور کی بہت زیادہ سہولت تختے پر لکھ کر سمجھائی ۔ اور بطورِ امتحان کے دہات کے لوگوں سے سوالات کیئے ۔ جنہوں نے فوراً صحیح جواب دیئے ۔ افغانستان جیسے عسکری ملک میں یہ مجالس بہت عجیب معلوم ہوتی ہیں ۔ اور پھر بادشاہ کا ایسے مجمعوں میں ایسی مفید اصلاحات کو معلم کی طرح واضح کر دکھانا جو بعض مہذب و متمدن ترین ممالک میں متنورین خواہش رکھتے ہیں مگر عمل میں نہیں لا سکتے، عجیب و غریب کام ہیں ۔ اعلیحضرت نے ایک سلیم الفکر مدبّر کی طرح اعشاری طریقے کو سابق نظام کے ساتھ ساتھ جاری کر دیا ۔ اس طرح کہ تین سال کی مہلت دی گئی تاکہ سب لوگ نئے سکوں وغیرہ سے آشنا ہو جائیں ۔ اور پھر پرانے طریقے موقوف کر دئے جائیں ۔ پہلے سال بعض کو کچھ دقت ہوئی ۔ مگر اب دوسرا سال بھی گذر گیا اور سب واقف ہو گئے کہ سابقاً افغانستان کے ہر شہر میں جدا جدا قسم کے اوزان و سکوک وغیرہ کتنی تکلیف کا باعث

تھے اور اب دہاکھے کا عام استعمال کتنے آرام کا موجب ہُوا۔ اس اصلاح سے ایک تو ساری مملکت میں ایک ہی نوع کے پیمانے وغیرہ اعشاریہ کے حساب سے جاری ہوگئے۔ اور دوسرا فرانس اور جرمنی کی طرح وہ روش اختیار کی گئی جس میں نقص اور زحمت کچھ نہیں۔ اور سمجھنے، گننے اور لکھنے، پڑھنے میں ہر طرح کی تسہیلات ہوئیں۔ یعنی نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ دوسرے ممالکِ مترقی کے ساتھ بھی توحید معاملات کا ایک آسان قاعدہ قایم ہوگیا۔

شاہانہ زندگی کے اس کاروباری پہلو سے، جو بداہتہً اولوالعزمانہ جد و جہد ہے، پھر اسی جمعہ کی طرف لوٹتے ہیں۔ جب اعلیحضرت غازی دارالامان میں گھوڑے پر سوار ہو کر شاید شکار کا عزم فرما رہے تھے جیسا کہ پہلے اشارہ کر چکا ہوں۔ یہ دن نمونے کے طور پر تحریر میں لائے گئے ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ تعطیل کے روزوں میں ذاتِ ہمایونی کس طرح وقت صرف کرتے ہیں۔ اور پھر اس سے کام کے دنوں کا خوب تر اندازہ ہو سکے گا۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارش را

دارالامان کے آس پاس پہاڑوں میں تیتر کا شکار بہت ہے۔ مگر آج ایک اہم صید دل میں ہے کہ گھوڑا سرپٹ ڈالے پہاڑوں کے نیچ سے اور اوپر سے چلے جارہے ہیں۔ اور ٹھیرنے کا نام نہیں لیتے تاکہ ان تیتروں کو جو آہٹ سے اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے ہیں نشانہ بنائیں۔ تیتر اور ہر جانور کو محیط کا رنگ حفاظت کے لئے ودیعت ہوا ہے۔ عسکری لباس اور ملکی تدابیر اسی قاعدے سے اخذ کرتے ہیں۔ جن میں مہم اور اہم کا مسئلہ بھی ہے۔ چونکہ مؤخر مقدم ہے اِس لئے گھوڑے پر سوار پرندوں کو مارنا جو اعلیحضرت کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے، آج ملتوی کر رکھا ہے۔ اِس طرح میلوں دُور نکل گئے ہیں اور بعض ہمرکاب تھک کر پیچھے بھی رہ گئے ہیں مگر ابھی منزلِ مقصود گویا بعید ہے کہ ذاتِ شہریاری اسی پہلی تازگی کے ساتھ گھوڑے کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر لے جاتے ہیں جہاں وہ شق الانفس سے چڑھ سکے۔ بعض ہوا خواہ مؤدّبانہ جسارت کرتے ہیں کہ اِن دشوار گذار گھاٹیوں پر احتیاط سے قدم رکھیں۔ مگر جواب میں وہی سنتے ہیں جو اورنگ زیب نے ایسے موقع پر کہا تھا:۔ "تا دل نلرزد پا نلغزد"

اِس شکار کا اصلی مقصد یہ تھا کہ کابل اور نئے شہر کے لئے مزید پانی کا

کسی دریا کے مجرا ے کو بدلنے سے اہتمام کریں۔ ملمہند یا ہیرمند (کیونکہ ہیرے اس سے نکلتے تھے) افغانستان کا ایک بڑا دریا ہے۔ مگر اس کے اور وادیٔ کابل کے درمیان ایک کوہِ شامخ حائل ہے۔ عام طور پر یہی رائے مسلّم تھی کہ اگر اس پہاڑ میں سرنگ کھودی جائے تو ہیرمند مفت دارالسلطنت کو زرخیز اور گوہر ریز بنا دیگا۔ اعلیٰحضرت بذاتِ خود کوسوں سفر کر کے اس پہاڑ پر چڑھے اور دیکھا کہ لوگوں کا خیال غلط تھا۔ کیونکہ دریا پہلے بہت فراخ اور گہرا ہے کہ جب کابل کے محاذ میں آتا ہے تو سب صرف ہو کر بہُت تنگ اور تھوڑا رہ جاتا ہے۔ اِس جغرافی اور ھندسی اکتشاف کے بعد واپس لوٹے اور سیرابی کے اور ذرائع عمل میں لائے گئے ۔

اضداد کے لحاظ سے جو معرفتِ شے کے لئے مفید ہے، ایک مختصر سی مجلس کا ذکر کرتا ہوں جو اسی آبیاری کے لئے حضورِ شاہانہ میں منعقد ہوئی تھی۔ ایک انگریز انجنیر اور ٹھیکہ دار کے ساتھ آپ گفتگو کرتے تھے۔ اور فنی معلومات اور اجارے کے معاملات کی تمام باتیں ایسے وثوق سے طے فرماتے تھے کہ طرفین کو وافی طمانیت ہوتی تھی۔ یہ ایک ہی جلسہ بلا وقفہ چھ گھنٹے تک جاری رہا۔ دارالامان کا مہتمم، ترجمان، اور انجنیر سب

ماندگی محسوس کرنے لگے مگر اعلیٰحضرت ویسے ہی تازہ دم فکر دوڑاتے اور بحث کے میدان میں دلیل پیش کرتے تھے جیسے گھوڑے کی سواری میں اوپران تھک ثابت ہوئے تھے ؂

افغانوں کا ایک ملی سجیہ ہے جو مجموعی حالات میں بھی چند دفعہ ظاہر ہو چکا ہے۔ اور منفرد طور پر روزمرہ مشاہدے میں آتا ہے۔ گاڑیاں اور موٹریں دُور سے گھنٹی اَور ہارن بجاتی ہیں۔ مگر راستے میں بھیڑ لگی جا رہی ہے۔ اَور کوئی پروا نہیں کرتا۔ جب پہیّے پاؤں کے پاس ہی پُہنچ جاتے ہیں تو پھر چھلانگ ماری جاتی ہے۔ اور لوٹ کر سواروں پر نفرت کی نگاہ بھی ترچھی ڈالی جاتی ہے۔ یہی رقابت کا احساس پیادوں کو ہمّت دلاتا ہے۔ اور ایک سبب یہ ہے کہ اِس دس سال کے عرصے میں سینکڑوں موٹریں اور ہزاروں گاڑیاں افغانستان میں جاری ہوگئی ہیں۔ حالانکہ پہلے صرف سرکاری تھیں ؂

قدیم تاریخی ایام سے اب تک اسی واقعے کا اعادہ ہوتا رہا ہے کہ باہر سے فاتح اقوام بآسانی ملک میں داخل ہو جاتیں۔ پھر زندہ نکلنا مشکل ہو جاتا۔ اگر کوئی شمالی حملہ آور بیچ سے گذر کر ہندوستان کی طرف چلا جاتا

تو پہلے عدم استقبال کی تلافی مراجعت کے انتظار میں بہ شدت کیجاتی۔
چنگیز خاں اور سلطان محمود، کافر اور مسلم، دونو کو اس سے پالا پڑا ہے۔
اس خونی شایعت کے سابقے سے آنکھ بند کرکے، میگناٹن نے قندھار
اور غزنی کو بلا مزاحمت اور کم مقاومت سے لینا آئندہ فاتحانہ امیدوں کا
پیش خیمہ قرار دیا۔ تاکہ خود بھی قربان ہوا اور بقول انگریزی مؤرخوں کے
اُن کی فوج پر ایسا منحوس دھبّہ پڑا جس سے سیاہ اور مدہش تر اُن کی تاریخ
میں کہیں بھی نہیں دکھائی دیتا۔ پھر کیوں گناری نے دھوکا کھایا۔ اور
جب امیر عبدالرحمان خاں نے روس سے نکل کر کابل میں قدم رکھا تو
لاکھوں مُسلّح غازی ایسی تہدید کرتے تھے کہ اب گویا ڈاکٹر برائڈن کی طرح
جیتے باہر جانے کی استثنا بھی نہ رہے۔ اگرچہ کابل میں اس کو بھی نہیں
مانا جاتا۔ اور وزیر محمد اکبر خاں کی یاد میں مقتولین کی تعداد بھی دُگنی سے زیادہ
گنائی جاتی ہے۔ "از چہل ہزار پلٹن یک کس نرفت لنڈن"۔

آخری لڑائی میں امان اللہ خاں کا فوق العادہ وجود پیش بینی کر رہا تھا۔
پھر بھی ملّتِ افغان اپنی دیرینہ عادت سے باز نہ آئی۔ مگر ذرا مختلف صورت
میں۔ جنوبی سمتوں میں پیش قدمی کرکے مشرقی جانب کچھ سُستی دکھائی۔ اور

جب متارکہ ہوگیا تو تاریخی ہوش آئی۔ ہزاروں غازی جھنڈے لئے کابل میں آ جمع ہونے لگے اور ہزاروں کے گروہ دوسرے راستوں جلال آباد کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور اطلاعیں پہنچنے لگیں کہ لاکھوں تمام ملک کے مختلف حصّوں میں اکٹھے ہو رہے ہیں۔ جن کو جنگ سے منع کرنا نہایت مشکل کام ہوگیا۔ کیونکہ حکومت سے اُن کی بدظنی کا سخت اندیشہ تھا۔ بڑے حزم اور احتیاط سے اعلیحضرت غازی نے اُن کو روکا اور سمجھایا کہ ارادۂ شاہانہ استقلالِ کمال اور احترامِ تمام ملّی کے ساتھ عالمگیری نہیں بلکہ جہانبانی ہے ؏

اسلامی سیر میں قبیلۂ بنی تمیم بعض ممتاز اوصاف سے آراستہ پایا جاتا ہے۔ جبرئیل علیہ السّلام کی شکل اِنہی کے ایک جوان کی صورت میں زمین پر دکھلائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السّلام کی تصویر بھی انہیں میں سے ایک کی شان میں آسمان پر کھینچی جاتی ہے۔ اِن جمالی مظاہر کے علاوہ ان کی جلالی کیفیت بھی نرالی ہے۔ ایک غزوے میں بنی تمیم کا بوڑھا میدان میں اُترنے لگا مگر اُس کے چار بیٹے پہلے اُسے گھوڑے پر چڑھانے لگے کیونکہ کبرِسن سے اکیلے کو تکلیف ہوتی۔ دشمن کی صفوں

میں قہقہہ لگا تو سوار پیر نے آگے بڑھ کر رجز پڑھ کر کہا کہ سوار تو مجھے چار شخصوں نے کیا۔ مگر اب آؤ اور آزمالو کہ سو آدمی بھی مجھے اُتار نہیں سکینگے۔ چنانچہ اپنا دعوے اثبات کرکے واپس آیا۔

بنی تمیم کے گھوڑوں کی نسبت بھی مشہور ہے کہ عرب بھر میں جب اور گھوڑے تھک جائیں تو یہ اس وقت دوڑنے کو تیار ہوتے ہیں۔ افغانوں میں بھی انسانوں اور حیوانوں کا کچھ ایسا ہی کیف ہے۔

اعلیحضرتِ غازی کی شہسواری کا ذکر اوپر ہوا۔ آپ گھوڑے کو بہت پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ جانور اسلامی ثواب اور پہاڑی وطن کی وجہ سے بہت مفید و مطلوب و مرغوب ہیں۔ اور نیز گذشتہ جنگِ عظیم نے رسالوں کی ضرورت کو تعاقب کے لئے بہت ضروری قرار دیا ہے۔ کیونکہ جدید اصولِ حرب میں دشمن کو سوائے قتیل و اسیر بنانے کے رجعت کرنے دینا دوبارہ مقابلے پر آمادہ کرانا ہے۔ جو صرف گھوڑوں کی مدد سے ٹوٹ سکتا ہے۔ اعلیحضرت نے اس طرف التفات کرکے اچھی نسلوں کو بڑھانے کی تجاویز عمل میں لائیں۔ مثلاً بلخ اور بدخشاں کی طرف سے جو گھوڑوں کے مخازن ہیں اور جہاں ایک ایک سوداگر کے پاس بیس بیس ہزار گھوڑے

ہوتے ہیں۔ اچھی گھوڑیاں منگوا کر دوسری ولایات میں زمینداروں کو
اقساط پر دیں۔ اور افغانستان سے باہر گھوڑوں کا لے جانا قطعاً ممنوع
کر دیا۔

افغانستان میں نیزہ بازی، بزکشی جو ہندوکش کے ماوراء اضلاع میں
بہت عام اور جوشیلی کھیل ہے اور جس کے لئے میلوں میں شادی کے موقعوں
اور میلوں پر پائگاہ بنائی جاتی ہے، اور کلاہ پرانی جس میں بندوق اور پستول
سے سرپٹ حالت میں ٹوپی کا نشانہ لگایا جاتا ہے، اور دوسری گھوڑدوڑوں
کی رواج کثرت سے ہے۔ مگر منضبط مسابقے اور انعامات کی رسم جیسا کہ
متمدن بلاد میں ہے، ذاتِ شاہانہ کی توجہ سے شروع ہوئی ہے۔ استقلال
کے جشنوں اور عیدوں میں سب سے زیادہ انعام نمائش کی چیزوں میں
اچھے گھوڑوں کو دیا جاتا ہے۔ اور سب انسانوں میں سبقت لیجانیوالے
سواروں کو مالامال کیا جاتا ہے۔

عربی اسپ نوازی و مسافر پروری

عربِ عتیق کے عزِ نفس کی بلندی میں منقول ہے کہ اسپ تازی کی حالت
میں اگر کوڑا ہاتھ سے گر جاتا تو خود اتر کر اٹھاتا اور دوسرے کے سامنے
دستِ مسئلت دراز کرنے کو عار سمجھتا۔ اسی غیرت کی تصویر مختلف کریمانہ

پیرائے ہیں، اعلیحضرت کھینچتے ہیں۔ ایک ہندی مہاجر کا چھوٹا سا لڑکا اپنے
والدین کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔ ذات شاہانہ گھوڑے سے اُتر کر
اُسے گود میں لیتے ہیں، اُس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہیں۔ پیار محبّت کی
باتوں کے بعد بیس طلے (پاونڈ) اُس کے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔

ایک پنجابی مہاجر کو سفر کی حالت میں پیادہ جاتے دیکھ کر موٹر ٹھیراتے
ہیں اور یہ دریافت کر کے کہ کابل کی سردی کے سبب جلال آباد جا رہا ہے،
چار سو روپیہ نقد کے علاوہ وہاں کے حاکم کے نام فرمان دیتے ہیں۔ کہ
مسافر اور اس کے عائلے کے واسطے مکان اور آسایش کا انتظام کرے۔

اپنی رعایا کے ساتھ بھی ہمیشہ ایسا سلوک کرتے ہیں جس کی مثالیں
بے شمار ہیں۔ ایک دفعہ علاقۂ پنجشیر کے غریب مرد و زن و اطفال کو آتے
دیکھ کر موٹر ٹھیرائی۔ تفتیشِ احوال پر کہ خدمت گاری کے لئے آئے ہیں،
آدمی اور عورت کے لئے جگہ اور تنخواہ مقرر کی اور لڑکوں کو جدا، لڑکیوں
کو علیحدہ، ان کے مکتبوں میں داخل کروا دیا۔

اس سے یہ گمان نہ ہو کہ اعلیحضرت سیر و سفر میں لوگوں کے معروضات سننے کو کبھی
ٹھیر جاتے ہیں، ہاں ٹھیر جاتے ہیں۔ مگر غرض سننے کو نہیں بلکہ یہ بتانے کو کہ ہر ایک کام کیلئے

مختلف دفتر، ادارے اور محکمے ہیں۔ اگر وہاں تمہاری بات اجرا نہ ہو تو مرافعہ ہو سکتا ہے۔ اِن تمام مرجعوں کے بعد اگر تم مطمئن نہ ہو تو میں حاضر ہوں، مگر ہر ایک کام کو اگر میں خود سرانجام دوں تو تم خود انصاف کرو کہ میری رسائی کیسی ہو سکتی ہے۔ اور کلی امُور کے لئے فرصت کہاں سے لا سکتا ہوں، جو آخر تمہاری ہی بہبودی کے لئے ہے ؛

اُطلبوا العِلمَ ولو کانَ بالصّین میں ایک حقیقت تھی۔ جس کے معلوم نہ کرنے سے مسلمان بادشاہ باوجود نیک نیتی کے جزئیات میں پڑ کر اس عمل کو بجائے خطا کے صواب بلکہ موجب ثواب سمجھتے رہے۔ اور واقعہ نگاروں نے اس حد تک تائید اور تعریف کی کہ نوشیرواں کے دربار میں خربوزوں سے بے اندازہ لدے گدھے کو تخفیف احمال کیلئے پہنچا دیا حالانکہ یہ ایک معمولی مجلس بلدیہ کا فریضہ تھا۔ مغلوں کے محلوں کے دروازوں پر سونے کی زنجیریں لٹکائی گئیں تاکہ وہاں بھی حمار کندھا لگائیں۔ اور اُن کے بوجھ ہلکے ہوں۔ یا جو کوئی بھی سلسلہ ہلائے اگرچہ اُس کی فریاد صرف ایک قاضی یا کوتوال کے ساتھ تعلق رکھتی ہو، ضرور بادشاہ سُنے اور فیصلہ کرے۔ ایک شخص آیا ممکن ہے کہ سینکڑوں ہزاروں حکّام کے کام اکیلا پوری

تحقیقات سے تمام کر سکے اور پھر سیاسی امور میں بھی مصروف رہے اور مملکت کے اساسی نظم و نسق کے قوانین بھی وضع کرے؟

ایک قبل المسیح چینی حکیم اپنے ہمعصر وزیر کبیر کا ذکر کرتا ہے کہ اُس نے اپنی گاڑی روک کیچڑ میں جاتے ایک بڈھے کو اپنے ساتھ بٹھا کر اُس کے ہاں پُہنچا دیا۔ لوگوں نے اس ترحم کی بہت تعریف کی۔ حکیم نے کہا واقعی وزیر بہت نیک اور ہمدرد آدمی ہے مگر اسے وزارت کا ڈھنگ نہیں آتا۔ چاہیئے کہ اپنی گاڑی تیزی سے لے جائے اور تھامنے کی بجائے لوگوں کو ہٹاتا جائے ہاں سڑکوں کا تمام مملکت میں ایسا انتظام کرے کہ کہیں کیچڑ نہ ہونے پائے اور ملک میں علمی اور مالی ترقی کو اِس درجے تک پُہنچائے کہ جوان بوڑھوں کی حُرمت کریں اور بوڑھے مرغ کھا کر اور ریشم پہنکر جوان بنے رہیں۔

اعلیحضرت غازی رات دن وضعِ قانون اور عمومی قاعدے بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ جن سے حاکموں محکوموں، بوڑھوں، جوانوں، مردوں عورتوں لڑکوں لڑکیوں کی رفاہ اور بیداری کے سامان مہیا ہوں، مگر جب بحیثیت ایک فردِ ملت دوسرے سے دوچار ہوں تو اسوۂ حسنہ قائم کرنے کے لئے انسانیت اور مروّت سے پیش آتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا تعلق اپنی ملت کے ساتھ نہ صرف

وزیر کبیر، صدر اعظم، اور سپہ سالار کا ہے بلکہ ایسے بادشاہ کا ہے جسے اپنی
رعایا کے ساتھ باپ سے بڑھ کر محبّت ہے۔ اور آپ کی زبان سے اُن جذبات
کا جو اکثر اظہار ہو جاتا ہے تو فرمایا کرتے ہیں کہ میں اپنی مِلّت کا عاشق ہوں اور
اُس کے سچّے ثبوت بہت ہیں:۔

خود موٹر رانی کرتے ہوئے پغمان کی طرف جا رہے ہیں۔ دُور سے ایک
خر کار نظر آتا ہے تو ہارن متواتر آ بجاتے ہیں۔ نزدیک پہنچتے ہیں تو کبھی لدا ہوُا
گدھا سڑک کے بیچ میں آجاتا ہے کبھی اس کی صحبت سے متاثر آدمی۔ موٹر کو
بہت آہستہ کر کے ذاتِ شاہانہ بے اختیار مُنہ میں "خیر اللہ خیر اللہ" کہتے جاتے
ہیں۔ اور یہ صمیمی مواسات کے کلمے صرف وہی شخص سُن سکتا ہے، جو پیچھے قریب
بیٹھا ہے ؁

آگے برقعہ پوش عورتیں گھوڑوں پر سوار نظر آتی ہیں۔ جن کے کان کھڑے
ہونے سے توحش مترشح ہوتا ہے۔ اعلیحضرت موٹر ٹھیرا کر اشارہ کرتے ہیں کہ
سڑک سے جدا ہو کر ایک طرف چلی جاؤ۔ پھر خاموشی سے موٹر نکال لیجاتے ہیں ؁

اکثر بادشاہ عوام سے ہمکلام ہونا عار سمجھتے تھے۔ چنانچہ امیر بخارا جو
آجکل کابل میں پناہ گزین ہیں ایک باغبان کے ساتھ بات کرنے لگے۔ تو اُن کا

مصاحب رو دیا کہ انقلاب نے یہ بدروزگار دکھایا کہ بادشاہ ایک عامی کے ساتھ گفت گو کرتے ہیں۔ اسلامی مساوات جو کم از کم مسجد میں تو ضرور ظاہر ہوتی ہے، جب بحال نہ رہی تو بخارا میں اب بھی عام لوگ امیری کر رہے ہیں، اور مساجد میں کافر اور مسلم مساوی ہیں!

جب امیروں کی یہ حالت ہوئی اور نیز پہلے امیران کابل کامل خود مختار نہیں تھے (بلکہ ہندوستان میں امیر و غریب کے محاورے سے امیر صرف ایک دولتمند آدمی کو کہتے ہیں) یہ تجویز پیش کی کہ آیندہ امیر کی بجائے اعلیحضرت غازی امان اللہ خاں بادشاہ کا خطاب اختیار کریں اور مجلس شوریٰ نے اُسے قبول کر لیا۔

پھر وہی قصہ جاری کرتے ہیں۔ کہ اعلیحضرت شام کو پغمان کی جانب جاتے ہوئے جب کہ ابھی پورا اندھیرا بھی نہیں ہوا موٹر کا چراغ روشن کر لیتے ہیں تا کہ جس قانون کے خود موسس ہیں اُس کی جزئیات کی بھی پہلے خود پابندی کریں۔ دیکھتے ہیں کہ ڈاکی خطوں کا تھیلہ لئے جا رہا ہے۔ موٹر آہستہ کر کے ایک دو شفقت کی باتوں کے بعد تھیلہ اُس سے لیکر موٹر میں رکھ لیتے ہیں۔ اور اس تلطف سے اسے موقع بخشتے ہیں کہ گھر جا کر فخر سے یہ داستان بیان کرے۔ دُور سے پہچان کر کہ ایک معتبر اور فداکار

شخص جا رہا ہے ۔ موٹر کی آواز سے اُسے اخطار دیتے ہیں۔ وہ سڑک
کی بائیں جانب ہولیتا ہے ۔ موٹر اپنی صدا کے ساتھ اُس کے پیچھے پُہنچتی
ہے تو لوٹ کر دیکھتا ہے کہ سر پر آلی ۔ ایک جست کر کے سڑک کے کنارے
نالی پر سے کود جاتا ہے اور موٹر ایک خندۂ رُوح افزا کے ساتھ گذر جاتی
ہے تو بیچارے کو مفتخرانہ اطمینان ہوتا ہے ۔

اعلیحضرت باغ میں موٹر سے اُتر کر ان اشخاص کے سامنے جو استقبال
کے لئے کھڑے ہیں۔ اپنی ایک روزہ سرگذشت یوں بیان فرماتے ہیں کہ
دہات میں لڑکوں لڑکیوں کو اور اُن کے اوضاع و اطوار کو دیکھ کر بہت افسوس
ہؤا کہ مکتب کی تربیت سے بے بہرہ رہ کر ادنٰے کاموں میں مشغول ہیں اور
ان کے والدین علم کے بیش بہا متاع کی قیمت سے آگاہ نہیں ۔ ورنہ تھوڑے
سے سودائے نقد سے گذر کر ضرور اُن کو مکاتب میں داخل کرتے ۔ اس
شاہانہ اظہار رنج کا چند سالوں میں یہ نتیجہ ہؤا کہ تعلیم ابتدائی اجباری ہو کر
ہر بڑے گاؤں میں مکتب قائم ہو گیا۔ بلکہ وہاں سے اب سینکڑوں لڑکے
سالانہ نکل کر شہروں کے متوسط مدارس میں داخل ہوتے ہیں ۔ اور اس سال
ایسے فارغ التحصیلانِ ابتدائی کی تعداد ہزاروں کو پہنچ جائیگی ۔

دُوسرا اس امر پر حسرت ظاہر کی کہ ہر گاؤں کے سامنے ایک دو آدمی چند ٹوکریاں سامنے رکھ کر دوکانداری کر رہے ہیں۔ جن کا سرمایہ چند روپئے اَور البتہ آمدنی چند پیسے ہوگی۔ اگر دس شخص مل کر ایک کو منتخب کر کے دکان پہ بٹھائیں اَور باقی نو اَور کام کاج کریں تو کمائی کتنی بڑھ سکتی ہے۔ اِس خیال نے ذاتِ ہمایونی کی مساعیٔ جمیلہ سے چند سال میں یہ اثر دکھایا کہ ہر جگہ ہر قسم کی شرکتیں تاسیس ہوگئیں۔ اور لوگ متحدہ سرمائے سے منافع اُٹھا کر باقی اَور مفید کاروبار میں مصرُوف ہو گئے۔ یہ شرکتیں نہ صرف داخلی تجارت میں بلکہ بین المللی سوداگری میں اب موفقیت کے ساتھ مقابلہ اَور ترقی کر رہی ہیں ؛

بقول سر آرتھر ہندسے کی ایک شکل کو یا ایک پھُول کے خواص کو کماینبغی جاننا آسان نہیں۔ اور ایک حیوان کے سارے حالات پر علم آوری اور مشکل ہے۔ انسان شریف و لطیفِ مخلوقات کے جسمانی اَور نفسانی عقدوں کو ہر شخص کا ناخنِ تمیز نہیں کھول سکتا۔ باوصف اس کے ہر کوئی دوسرے پر نکتہ چینی کو تیار ہے۔ حالانکہ اس پر معترف ہے کہ اقلیدس اور نباتیات کے اصول سے ناواقف ہوں۔ یہ پھر فرضی سیّاح کی طرف اشارہ ہے جس نے آخر میں یہ دیکھا تھا کہ اعلیٰحضرت رات کو حرمسرا لے گئے تو دُوسرے دن دوپہر کے

بعد نکلے ؏

ذاتِ ہمایونی اکثر رات کو نصف شب تک خفیہ اطلاعات پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور چونکہ ان کا سلسلہ بہت منضبط اور وسیع ہے۔ اُن کے مطالعے میں خاص طور پر منہمک ہونا پڑتا ہے۔ جب تک ساری رپورٹیں ختم نہ کرلیں سونے کو حرام سمجھتے ہیں ؏

شاہ خانم ملکہ معظمہ مکاتب مستورات کی مفتشہ ہیں۔ ان کے ساتھ تعلیم نسوان کے مذاکرے اور مشورے کر کے عورتوں کی بہبودی کی تجاویز پر عملدرآمد فرماتے ہیں۔ افغانستان میں اکثر کام نئے شروع ہوئے ہیں۔ مگر مکاتب اناثیہ بالکل نرالے ہیں، اس لئے اعلیحضرت جیسا کہ اور سب کاموں میں رہنمائی کرتے ہیں اس بارے میں خاص التفات اور الطاف کے ساتھ مدد فرماتے ہیں۔ اولاتِ حرم سب یا تو مکاتب نسوان کے ادارے اور انتظام میں حصہ دار ہیں یا خود تعلیم پا رہی ہیں۔ ان سب سے مختلف طرح کی باتیں دریافت کرتے رہے۔ اور چونکہ اِن دنوں کہیں کہیں وبائے ہیضہ شروع ہوگئی تھی اس لئے بہت سے تامّل کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ چند مکاتبِ ذکور و اناث میں تعطیل کر دی جائے۔ چنانچہ رات ہی کو

وزارت معارف میں اطلاع پہنچا دی گئی ؁

چونکہ رات دیر تک جاگتے رہے تھے۔ علی الصباح سخت دردِ سر محسوس ہؤا۔ علاج کیا اور آرام کی اُمید میں وزرا اور اہلِ شورے کو باہر ٹھیرائے رکھا۔ جب فائدہ نہ ہؤا تو ناچار اُن کو رخصت کر دیا۔ دوپہر کے بعد اس خیال سے کہ ہوا خوری تخفیفِ صداع کا موجب ہو گی۔ پیادہ نکل کر سڑکوں پر پھرنے لگے۔ اِدھر اُدھر دیکھ بھال کے بعد ہم کاب ڈاک خانے کی جگہ منتخب کی۔ اور کافی ہدایات سُنا کر حکم دیا کہ دس دن میں عمارت تیار ہو جائے۔ چونکہ طبعِ علیل تفکر اور تدبر کی گرانی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ جو مجلسِ وزرا میں مطلوب تھا، اس لئے اِس وقت کی مزاج کے موافق ایک خفیف مگر مفید شغل پر انعطاف کیا ؁

بیکن نے حکمت کی تعریف میں کہا ہے کہ "موقع اور ماحول کے لحاظ سے جو کام بھی درپیش ہو، اُسے بہترین صورت میں سرانجام کیا جائے"۔ مولنا بھی ایسا ہی ارشاد کرتے ہیں ؎

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق
نیست فردا گفتن شرطِ طریق

گرمائے عرب کی شدت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اونٹوں کی آواز سُنکر باہر نکلتے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُن کا شتربان پاکر استفسار کرتے ہیں۔ جواب ملتا ہے کہ ان کھوئے ہوئے مواشی کو خود ڈھونڈکر لایا ہوں اور جو زحمت دوسرے مسلمان جھیلتے ہیں مَیں نے خود برداشت کرلی۔ کیونکہ امیرالمؤمنین کو استراحت زیب نہیں دیتی ۔

تعلقاتِ خارجیہ کی وجہ سے جو افغانستان کو اس عہد میں حاصل ہوئے ہیں، ایک وسیع دائرہ تشکیل ہوتا ہے جو نقطۂ وطن سے شروع ہوکر اقصائے شرق وغرب تک پہنچتا ہے۔ اگر اس احاطے میں کسی کا دماغ یگانہ فعالیت سے کام کرے، اور دماغ قوا و حواس کا مرکز ہے۔ تو لامحالہ دردسر کا احتمال ہے۔ اعلیحضرت غازی صبح سے شام تک تو کام کرتے ہی ہیں۔ عندالضرورت جو اکثر لاحق رہتی ہے۔ عشا تک مسندِ حکومت سے نہیں اُٹھتے اور ہواخوری کی بھی فرصت نہیں ہوتی۔ بلکہ حکم شدید نافذ کر رکھا ہے کہ اگر آدھی رات کے بعد بھی حاجت پڑے تو فوراً جگائے جائیں، چنانچہ جب ہندوستان میں ہیئت افغانی منصوری میں مقیم تھی تو دو بجے رات کے ذاتِ شاہانہ کو بیدار کرکے ایک گھنٹہ میں جواب

بھیج دیا جاتا کیونکہ آپ کی یہی خواہش تھی کہ جو کام بادشاہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں۔ اُس کے آرام کی خاطر ذرا بھی ملتوی نہ رہیں ؀

اِس شبانہ روز توغّل میں سر دردی اغلب ہے۔ اِس حالت میں ایک ترکی ڈاکٹر نے ہدایت کی کہ دو گھنٹے سے زیادہ کام کرنا کسی صورت میں بھی مصلحت نہیں۔ ایک جہاں دیدہ عزیز نے اس کی تائید میں صلاح دی کہ دنیا بھر میں محکمے چھ گھنٹے سے زیادہ نہیں کھلے رہتے۔ ملّت کی خیر خواہی سے جو ذاتِ شاہانہ کی زحمت کے بغیر راحت نہیں پا سکتی۔ اَور قَلِیْلًا مِنَ اللَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ پر عقیدہ رکھتے ہوئے، مَیں نے صاف عرض کی کہ شاہانِ عظّام اور ذواتِ کبار جنہوں نے اصلاحات سے دنیا میں ناموری پیدا کی۔ چھ گھنٹے بلکہ کبھی دو گھنٹے بھی آرام کے لئے نہیں پاتے۔ اعلیٰحضرت نے پہلی دو باتوں سے متاثر نہ ہو کر، تیسری رائے کو پسند فرمایا، اَور باوجودیکہ تقریباً دس سال سے قولاً و عملاً، لیل و نہار، ملّت کی ترقیہ و ترفیع میں، انہماک فرما رہے ہیں۔ اور کبھی دردِ سر میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر عام طور پر آپ کی صحت و قوت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ ہمت و حمیت روز افزوں اضافہ ہو رہی ہے ؀

امان اللہ خان

ایک وہی بادشاہ مداحوں سے متنفر تھا تو ندیم اس طرح مدح کر دیا کرتے کہ ہمارا شاہنشاہ اس صفت میں یکتا اور ممتاز ہے کہ اپنی تعریف و توصیف کی پروا نہیں کرتا۔ افغان بادشاہ ہمنشینوں کے حیلوں سے واقف بلکہ کیاست اور فراست میں اُن سے فائق اور عالی [illegible] مدنیت و سیاست میں اُن کے ثنا، کوئی شخص آپ کی بے جا ستائش کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا ؎

شیر شاہ نے ایک عالم مصاحب کو اپنا محتسب بنا کر یہ حکم دے رکھا تھا کہ اگر مجھ سے خلاف شرع حرکت سرزد ہو تو تلوار کے قبضے پر ہاتھ پڑے، اگر باز نہ آؤں تو میان سے باہر نکال لے، پھر بھی اگر اصرار کروں تو میرا سر اُڑا دے، ورنہ خود اُسے قتل کرونگا ؎

اعلیٰحضرت نے ابتدائے سلطنت میں اعلام کیا تھا کہ درباروں میں بادشاہ کو کام سے روکنے کیلئے تھکان اور بیماری کا اندیشہ پیش کرتے تھے۔ میں ایسی ترغیب سے سخت آزردہ ہونگا۔ اِس کے بعد اعلیٰحضرت دردِ سر کی حالت میں رومال باندھ کر نسخ کا مشکولہ ماتھے پر رکھ کر کام کئے جاتے ہیں۔ مقربانِ بارگاہ ہمدردی اور دعا دل میں لئے کھڑے ہیں۔ مگر کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ زبان ہلائے ؎

ہینری شاہزادۂ شجاعت و سادۂ انگریز، اپنے تاجدار باپ کا محسود ہو جاتا ہے۔ جس لئے مصلحتاً اسے اوضاع شائستہ ترک کرنی پڑتی ہیں۔ بادشاہ دل میں خوشنود لیکن ظاہرہ خشم آلود، اسی دو رنگی میں زندگی کے دن کاٹتا ہے۔ نزع کی غنودگی میں پاکر، شہزادہ تاج اُس کے پہلو سے اُٹھا لے جاتا ہے۔ اور دوسرے کمرے میں جاکر مخاطب ہوتا ہے۔ کہ اے مایۂ حقد و حسد اور باپ بیٹے کے درمیان نزاع کی استخوان! تیری شان و آن بہت ہے۔ مگر میرے سر پر تو اتنا گراں ہے جیسا کرۂ زمین۔ تیری ذمہ واریوں کے خیال سے میرا دماغ چرخ کھانے لگا۔ اس اثنا میں بادشاہ ہوش میں آتا ہے۔ اور شہزادے کو مع تاج کے غائب دیکھ کر فرطِ غضب میں جان دیتا ہے ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

یہ امانت جسے ”انسانِ ظلوم و جہول“ نے اُٹھا لیا۔ اور بقول بعض کے جبر و مقابلہ کی دو منفیوں سے مثبت کا حکم لے کر، عدل و علم

مبالغ سے ذمہ برداری کا دعوے کیا، حیاتِ منفرد و مجتمع کا بہترین اسرار ہے۔ اِس میں ہر شخص بقدر اپنی وسعتِ اختیارات کے راعی اور مسئول ہے۔ البتہ بادشاہ جو سلیم الطبع اور حسّاس ہو تو سب سے زیادہ متفکر اور امین اور اسی اندازے سے موقّر ہو گا۔

مدنیت اور معدلت کے کرشمے

اِن اوراق میں اور پیش رفت سے پہلے ایک امر کی ایضاح لازم ہے
افغان بادشاہ کے اشتغال سے ان امور میں جو بظاہر یا فی الواقع جزوی
ہیں، متمدن اصحاب کو استعجاب ہوگا۔ اگر نظرِ تدقیق عرب پر ڈالی جائے
تو خلفائے راشدین ایسے معاملات میں مصروف دیکھے جائیں گے۔ جن
میں توجہ کرنا امرائے عباسیہ و امیہ کسر شان سمجھینگے۔ اگر رجعِ بصر غرب
کی طرف کی جائے تو پیٹر اور فریڈرک کی مانند شاہانِ کبیر جنہوں نے
قواعدِ مملکت کو قائم کیا۔ کبھی دفتر میں بیٹھے محاسبے کی پڑتال، اور دوسرے
وقت معسکر میں گھومتے سپاہیوں کے لباس تک کی دیکھ بھال کرتے
پائے جائینگے۔ مدنیت کی بنیاد رکھتے ہوئے اگر معمار پہلی اینٹیں
چننے میں راستی اور استقامت کو اعتبار نہ دے تو تہذیب و ترقی کی
دیوار میں ثریا تک احتمالِ کجی و اعوجاج رہیگا، بنا بریں مؤسسانِ
آئین ابتدا میں مجبور ہیں کہ بوجہ قحط الرجال اپنے نفس کی عرق ریزی سے

سلطنت کے تمام شعبات کو آباد و شاداب کریں ۔

اعلیحضرت غازی فی الحقیقت افغانستان میں استقلال آزادی نظام اور قانون کے بانیٔ لاثانی ہیں ؎

ایں سخن را چوں تو مبدء بودۂ
گر فزوں گردد توا ش افزودۂ

اب تمام امور مملکت مختلف دائروں اور محکموں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ اور سب مامورین دولت اور افراد ملت اپنے اپنے فرائض اور حقوق کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ اس سے پہلے جب کہ موجودہ "تفریقِ وظایف" واضح صورت میں پیش نہیں ہوئی تھی۔ بعض دعووں کو خود ذاتِ شاہانہ فیصلہ کرتے تھے۔ اس طرح کا اول سال کا ایک واقعہ مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے ۔

اعلیحضرت قصر ستور (ستارہ محل۔ یلدز کوشک) کے برآمدے میں جلوہ افروز ہیں۔ ع

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

روزمرہ کے درباروں میں تکلف آپ کی عادت نہیں ہے۔ اور تصنّع کو

بالکل پسند نہیں کرتے ۔ معمولی لباس پہنے نوبۃً وزارتوں میں تشریف لیجاتے ہیں اور جیسا کہ اُن کی تشکیل خود کی ہے اُن کی ترتیب و تنظیم کیلئے وہیں جاکر کام کرتے ہیں ۔ مگر آج اپنے حضور میں ان مجرموں کو طلب کیا ہے جن کی بابت ولایات کے حکام نے تفتیش اور تحقیق کے بعد قاضی کے فتوے سے قصاص کا حکم دیا ہے ۔ اور اس کا اجرا بادشاہ کے امر پر منحصر ہے ؛

منشئ حضور ایک ملزم کی طویل کیفیت پڑھ رہا ہے ۔ جو اغوا قتل اور رہزنیوں کا مرتکب ہوا ہے ۔ ایسا گمان ہوتا ہے کہ ع

نازک مزاج شاہاں تابِ سخن ندارد

شاید اس لمبی کہانی سے بادشاہی طبیعت ملول ہوئی ہو ۔ کیونکہ دوسری طرف ملتفت ہیں ۔ چند سیاہی کی بوتلیں میز پر دھری ہیں ۔ اُن کی بابت فرماتے ہیں کہ اب ایسی چیزیں وطن میں تیار ہونے لگی ہیں ۔ اور ایک حد تک اطمینان کا باعث ہے کہ ہزاروں روپئے جو صرف بلو بلیک کے لئے باہر جاتے تھے ، اپنے ملک کے صنّاعوں کے پاس رہیں گے ؛

اعلیحضرت بذاتِ شوکت سمات خود ان اشخاص کی قدر افزائی کرتے

ہیں۔ جو یہیں کے مواد خام سے مفید صنائع تیار کریں۔ سلیٹ، پنسل، چاک وغیرہ جنہوں نے پہلے یہاں کے پہاڑوں سے مہیا کئے۔ اُن کو انعامات عطا کئے۔ وفا کے تمغے کو کابل کے متصل تانبے کی کان سے بنوا کر ایسی زینت بخشی کہ وفاداروں کے نزدیک مرصع بجواہر سونے سے زیادہ بیش بہا ہؤا۔ اور پیسہ وطن پرستوں کے لئے روپئے سے گراں تر ہوگیا۔ یہ ابتدائی تشویقات چند سال کے بعد نمائشوں کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔ اور اب دینی اور ملی اعیاد کی تقریبوں پر مصنوعاتِ وطنی کے معتدبہا ذخائر جمع ہوتے ہیں اور اہل صنعت انعاماتِ معینہ حاصل کرتے ہیں ؁

وطنی لباس کی ترغیب و ترویج

پانچویں سال کے جشن میں اس کے متعلق مزید مزیت کا اظہار ہؤا۔ اعلیحضرت نے شاہانہ نطق میں وطن کے کھدر کو باہر کے زربفت پر ترجیح دے کر اپنا نمونہ پیش کیا۔ کہ باوجود کوتاہ اندیشوں کے مضحکوں کے شہزادگی کے زمانے سے وطنی لباس کو افضل سمجھتے آئے ہیں۔ اور اب اس پر فخر کرتے ہیں۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی پیروی میں جو ایک امر نافذ کرنے سے پہلے اس کا اطلاق اپنے پر اور اپنے عائلے پر کرتے تھے

ذات شاہانہ نے وطنی لباس میں اپنی مثال قایم کر کے بعد میں دوسروں کو خارجی پوشاک کی ممانعت پر پہلے مرغب اور آخر میں مجبور کیا۔ آغاز اس مرغوب طریقے سے ہوا کہ اعیانِ دربار کو جب غیر وطنی لباس پہنے دیکھا تو چاقو یا قینچی سے اُسے اچھی طرح کاٹ ڈالا تا کہ بالکل استعمال کے قابل نہ رہے۔ اِس اطلاق کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اور کئی بالا پوش ٹوپیاں بوٹ وغیرہ خراب ہوئے۔ اگرچہ یہ خرابی ایک طرح خوش طبعی میں ہوتی تھی۔ مگر لوگ نقص مال سے زیادہ اصلی مانع کو ادراک کر کے بھی متاثر ہوئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ چاقو کے استعمال کا موقع نہ رہا۔ الاجشن کے نویں سال جب ہندوستانی پہلوان ہاتھی کو اپنے پر سے گذار کر خود آگ پر سے گذر رہا تھا تو اُس کے ساتھ دلجوئی کی باتیں کر کے فرمانے لگے کہ اب میں اپنا تماشا شروع کرتا ہوں۔ سائبان کے نیچے بیٹھے آس پاس جس کی ٹوپی یا کوٹ بدیسی کپڑے کا دیکھتے اُٹھ کر کاٹ ڈالتے۔ مگر اِس دفعہ غیظ اور غصہ آپ کے چہرے اور زبان سے عیاں ہوتا تھا۔ کیونکہ نرمی اور تدریج کے مراحل سب طے ہو چکے تھے۔ اِس سے پہلے جب ارکان دربار سب دیسی لباس میں نمودار ہونے

لگے تو ماموریں و ملازمینِ دولت کو تمام افغانستان میں حکم دیا گیا کہ دفاتر ودوائر میں وطنی البسہ پہن کر آئیں۔ عام رعایا کو ایک اشتہار کے ذریعے نصیحت کی گئی۔ جس میں بہت مؤثر اور رقّت آور کلمات درج تھے۔ طلبۂ مکاتب کو مقرر کیا کہ یہ اشتہارات اپنے والدین اور اقربا کے سامنے پڑھیں اور اُس کے مالی و ملّی معانی سمجھائیں۔ اس موعظت کی تقویت کے لئے آلۂ محصول کو بھی عاید کیا اور بیرونی امتعہ خصوصاً فیشن اور تعیش کی اشیا پر محصول بہت زیادہ لگایا گیا۔

اعلیحضرت نے اپنی ملّت کو ایسے لباس اختیار کرنے کی تاکید کی۔ جس میں وقار ومتانت کا استیعاب اور اسراف وخفت سے اجتناب ہو اور مختلف طرح کی بوقلموں پوشاکوں سے قوم میں تفرقہ اور اختلاف نہ رہے مجالسِ بلدیہ کے ذریعے ہر شہر میں یہ امر ابلاغ کیا گیا تاکہ ملّت میں معنوی توحید کے سوا ظاہری یگانگی بھی سرایت کرے۔ اور سب لوگ تہذیبِ نفس وبدن سے آراستہ ہوجائیں۔ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَ رِیۡشًا [۱] سوائے لباس کی ضرورت اور زینت کے

---

[۱] اے بنی آدم تم پر لباس نازل کیا تاکہ اپنی شرمگاہوں کو چھپاؤ اور زینت ہو۔

مزمل اور مدثر میں یہ نکتہ ہے کہ حیوان اور انسان کے درمیان صرف لباس کا فرق ہے۔ کسی حیوان پر علاوہ اس کے فطری چمڑے کھال اور بالوں کے مصنوعی پوشاک مطلق نہیں۔ اور کوئی انسان بغیر لباس ہرگز انسان نہیں بلکہ لباس اس سے دُور کیا جائے تو حیوان سے بدتر ہو جائیگا۔ ہنسنا، بولنا وغیرہ آدمی میں ما بہ الامتیاز ہیں۔ مگر کلّی اور قطعی طور پر نہیں۔ بعض جانوروں میں بھی یہ صفات ایک حد تک پائی جاتی ہیں۔ عقل اور شعور بھی ایک درجہ تک مشترک ہیں۔ بلکہ بعض حیوانات میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ صرف ایک چیز جو اگرچہ داخلی نہیں مگر انسان اور حیوان میں صاف تمیز ڈالتی ہے، پوشاک ہے۔ اور اس میں کوئی استثنا نہیں۔ سب حیوان بجز انسان کے لباس سے عاری ہیں۔ اور جب جنگلی آدمی پوشاک نہیں پہنتا تو وہ آدمیت کے دائرے میں ابھی داخل نہیں ہوا ہوتا! لتاس یا للباس۔ "سارٹر ریزارٹس" میں لباس کے متعلق آرائش کا اکتشاف کیا گیا ہے۔ جو قرآن میں پہلے سے موجود ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ متمدن دنیا کے اعتبار سے اور ذواتِ موقر کی پسند اور تصویب کے لحاظ سے زینت کے مقصد کو مرعی رکھا جائے۔ مصلحانِ ملل

پسماندہ کا فرض ہے کہ اس طرف بدل توجہ فرمائیں۔ اور گوناگون قطع و
وضع کے کپڑوں کو جو ایک غیر مہذب قوم خندہ آور طریقوں سے وہ پہر کئے
ہوتی ہے۔ ایک خاص لباس سے مبدل کریں۔ جو حیا ادب آرام اور زیبائش
پر مشتمل ہو۔ مہذب اقوام میں ایک سرے سے لیکر دوسرے تک تمام افراد کی
پوشاک میں وحدت دکھائی دیتی ہے۔ اور ہم جو تفرقات متنوعہ کے شکار
ہیں لباس کے بارے میں بھی عجیب غریب پراگندگی اور مدہش اختلاف
کے صید بن رہے ہیں۔ اِن باتوں کو جو اس آوان میں عالم اور غالب ملتوں
کے نزدیک ہماری بے اتفاقی اور وحشانیت کے علائم ہیں۔ اعلیحضرت
نے اپنی کیاست سے تاڑ کر منجملہ اور نشبثات کے لباس کی اصلاح میں
بھی جو عمومی ہو۔ کوشش جاری کی ہے ؛

عود بقصہ۔ منشی مجرم کی کیفیت پڑھ رہا ہے، اور ذاتِ شاہانہ
دوسری باتوں میں مصروف ہیں۔ مکتب حبیبیہ کا ذکر فرماتے ہوئے جو
اس وقت ایک مدرسۂ عالیہ تھا، ارشاد کیا کہ اکثر طلبہ گستاخ ہو گئے
ہیں۔ اور ایک دو معلم بھی اُن کی سرکشی کے محرک ہیں۔ اگر انضباط میں
سُستی کی جائے تو ایسی باتیں اور قوت پکڑ کر فساد کا باعث ہوتی ہیں۔

اِس لئے اِن کو اخطار کیا جائے کہ آیندہ اگر اِن حرکات کا اعادہ ہؤا تو سخت سزا دی جائیگی ۔ یہ پہلا سال تھا اور ابھی وزارتِ معارف کی موجودہ تشکیلات عمل میں نہیں آئی تھیں، بلکہ ابھی گذشتہ عہد کا طعنہ بھی پورا رفع نہ ہؤا تھا ۔

دیگراں دارند در ہر قریہ یک بیت العلوم
طالبانِ مکتبِ شہرِ شما فقط پنجاہ تن

ایک ہی سال میں اِس مدرسے کے لڑکے جو ادھوری تعلیم پاکر غائب ہو گئے تھے ۔ احضار ہو کر ڈھائی سو تک پہنچ گئے ۔ اور اب اس کی مانند کئی مکاتب عالیہ ہیں جن کی تعداد صرف شہر میں دس اور طلبہ ساڑھے چار ہزار ہیں ۔ جو ہر سال اضعافاً مضاعفہ بڑھتے جاتے ہیں ۔

منشی سب کاغذات پڑھنے کے بعد خاموش ہو گیا ہے ۔ اور ذاتِ شاہانہ ملزم سے کچھ استنطاق فرماتے ہیں ۔ جس سے معلوم ہو جائیگا کہ سب بیانات گوشِ زد ہو چکے ہیں ۔

بادشاہ ۔ آیا اِن سب جرموں کا اقرار تم نے اپنی رضامندی سے کیا یا کسی نے زور و جبر سے کروالیا ؟

ملزم - صاحب! حاکم اور قاضی نے ایک پیالہ مجھے پینے کو دیا۔ اُس کے بعد مجھے ہوش نہیں کیا ہؤا؛

بادشاہ - حاکم کون تھا؟

ملزم - وہی جو صاحب کی مہربانی سے موقوف ہو گیا ہے (ملزم نے اُس کے عزل سے استفادہ کرنا چاہا)۔

بادشاہ - قاضی کی داڑھی منڈی تھی؟

ملزم - نہیں وہ ریش دار تھا؛

بادشاہ - تمہارے اظہار دیتے ہوئے اُس نے تمہیں تھپّڑ کیوں مارا تھا؛

ملزم - نہیں صاحب اُس نے تو مجھے نہیں مارا؛

بادشاہ - تم تو نشے میں بیہوش تھے کیسے آگاہ ہوئے کہ نہیں مارا؛

ملزم ہکّا بکّا رہ گیا۔ اور کوئی جواب نہ دے سکا جب اُس پر قتل کا حکم صادر ہؤا تو سکوت کی مُہر اُس کے ہونٹوں سے جُدا نہ ہوئی۔ گویا علاوہ جرائم کے بادشاہ کے سامنے اس نئے جھوٹ سے بھی شرمندہ تھا؛

چور کی داڑھی میں تنکا وغیرہ ضرب المثلیں ہیں۔ جو ذاتِ ہمایونی کی معدلت وفراست سے نئی نئی شکلوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ صرف ملزم کے اقبال پر اکتفا نہیں کرتے اور نہ شہادتوں کو زیادہ وزن دیتے ہیں بلکہ سراغ رسانی کے ایسے جال پھیلا رکھے ہیں کہ سوائے پھنسنے کے مجرم کیلئے راہِ گریز نہیں۔ تحقیقاتِ تام کے بعد جب جنایت پر علم و عین یقین ہو جاتا ہے تو قصاص کا حکم دیتے ہیں۔ ایک دفعہ فرماتے تھے کہ اگر ملزم محکمۂ شریعت میں مستوجبِ قتل ہو تو اُس کے مارنے میں مجھے تامّل نہیں ہوتا۔ مگر جب کوئی سیاسی جرم پر اقدام کرے تو باوجود نہایت تفتیش اور تدقیق کے اس کو اعدام کرتے ہوئے میرے دل میں خلش رہتی ہے۔ یہ احتسابِ نفس سلامتِ ایمان پر دلالت کرتا ہے۔ ع

اگر خوں بفتوئے بریزی رواست

فوق الذکر حکایت سے اعلیٰحضرت کی ذہنی اور فکری استعداد کا استنباط ہوتا ہے کہ کس طرح بیک کرشمہ دو کار کرتے ہیں۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ عینِ زمان میں مختلف کاموں کو اجرا فرما رہے ہیں۔ مثلاً ایک دفعہ دو وزارتوں معارف اور تجارت کے کام اکٹھے در پیش تھے۔ جب منشی معارف کے

معروضات پڑھتا، تو ذاتِ شاہانہ وزیر تجارت کے ساتھ سوداگری کی تجاویز پر بحث کرتے۔ جب دوسرا منشی تجارت کے کاغذات پڑھتا۔ تو علی الحضر تعلیمی مذاکرات کرتے، اور اس اثنا میں جب کسی بات پر زور دیتے، تو منشی اس گمان سے کہ شاید اس کی قرأت پر ملتفت نہ ہوں ذرا چپکا ہوتا تو اشارہ فرماتے کہ پڑھتا جائے۔ پس اسی طریقے سے ایک وقت میں دو کام کئے اور جیسا ذاتِ شاہانہ کا معمول ہے، ہر ایک معاملے میں نہایت چھان بین اور دقیقہ رسی سے غور کر کے فیصلہ دیتے رہے۔

علےٰ ہٰذا القیاس جب وزارت خارجہ کے امور میں اشتغال فرماتے ہیں۔ باوجودیکہ اس میں عمیق توجہ مطلوب ہوتی ہے، سب سیاستوں کو جانچتے ہوئے ضمناً دوسری وزارتوں کے ساتھ ٹیلیفون میں مخابرہ کرتے جاتے ہیں۔ اور اِن سب معاملات میں کوئی تصفیہ نہیں کرتے۔ جب تک کہ معقول دلائل سے مخاطب کو قائل نہ کر دیں اور خود ہر طرف سے پوچھ گچھ کر کاملاً مطمئن نہ ہو جائیں۔

نیپولین جیسِ واحد میں دو کام سرانجام دے سکتا تھا۔ امیر خسرو جیسے قلمروِ سخن کا بادشاہ کر سکتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں تین محرروں کو فارسی،

دو کاموں میں ایک وقت اشتغال

عربی اور ہندی نظم و نثر تصنیف کر کے املا کرا سکتا تھا۔ سلطان صلاح الدین
بھی ایک زمان میں تین کام کر سکتا تھا۔ اس ایلو بی بطل کا مقالۂ مستقل طور
پر ذرا تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں ٭
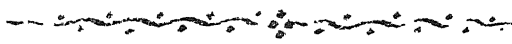
چند نکاتِ سیاسیات

سُلطان صلاح الدّین کی شجاعت اور معرفت کی عظمت اور تدبیر و منصوبت کی جتنی شہرت ہوئی ہے۔ کم ہے۔ وہ ایک ایسی سلطنت کا بادشاہ اور ایسی مِلّت کا رہنما تھا۔ جو اس سے پہلے تمدّن اور تہذیب کے تخت پر متمکن تھی۔ علوم و فنون اُس کی مملکت میں ایسی ہی وسعت اور مرغوبیت سے مروج تھے جیسا آج کل یورپ کی کسی مترقی دولت میں ہیں۔ ایسی علم و فن سے آراستہ و پیراستہ قوم کا بادشاہ جو خود بھی مدرسے کا اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ دولِ متحدۂ نصارائے کے مقابلے میں فاتحانہ لڑائیوں میں مشغول رہا اور اُس عصر کی دولِ یورپ ویسی ہی تھیں جیسی آج کل اسلامی سلطنتیں ہیں۔ ورنہ اُن کے ایک بادشاہ کے لئے دشمن مسلمان طبیب کی کیا ضرورت تھی۔ بجنسہٖ کے آہنی قلب موضوع سے یہ عینیاً ویسی ہی حالت تھی جیسا اِن دنوں مسلمان بادشاہوں کو یورپی ڈاکٹروں کی حاجت پڑتی ہے۔ اس زمانے کے مسلمانوں کی طرح، اُس آوان کے اہالیٔ یورپ ابھی جہالت سے

سلطان صلاح الدین کا موازنہ

بیدار ہی نہیں ہوئے تھے بلکہ بدویت کی ظلمت میں غرق، انتباہ اور تیقظ کا دورہ بعد میں شروع ہونے کو تھا۔ اور اس کا سبب محاربات صلیبی تھے۔ یہی اسلام کا مساس اور اُس کی وحدانیت کا اساس، یورپ کی "اصلاحِ عظیم" کا موجب بنا۔ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ[۱] کیا ممکن تھا کہ مسلمان عالم و عاملِ قرآن اس آیت کی خاصۃً تبلیغ نہ کرتے۔ جو اُن کے اور اہلِ کتاب کے مابین مساوی اور مشترک دعوت دیتی اور خدائے واحد کے سوا اوروں کو ارباب اور پیشوا بنانے کی ممانعت کرتی تھی؟ باوجود اِس کے، جرمن پروفیسروں کو اِس بارے میں، مَیں نے خالی الذہن پایا ہے۔ حالانکہ وہ تبحرِ معلومات کے مدعی اور اس میں مشہور بھی ہیں۔ موجودہ مسلمانوں کی محکومیت اور جہالت، اُن کی گذشتہ غالبیت اور

---

[۱] اے کتاب والو ایسی بات کی طرف آؤ۔ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مساوی ہے یہ کہ خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔ اور خدا کے سوا ایک دوسرے کو مربی نہ بنائیں۔

منوریت کو بھی تاریکی میں ڈالے ہوئے ہے، حالانکہ صلیب کے خلاف اسلامی مجاہدوں اور ہسپانوی مسلمانوں کے اثرات کے سوا اور کونسا ممکن اور معقول محرک ہوسکتا تھا۔ جو لوتھر وغیرہ کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی صورت میں پوپ اور پادریوں کے انتخاذ سے مانع آتا، مگر یہ زمانِ "انتباہ و اصلاح" ابھی دُور تھا۔ اور سارا یورپ اوہام و تعصب میں مخمور تھا +

برطانیہ جس کا عنعنہ اور طنطنہ اقصائے شرق تک نفوذ کئے ہوئے ہے، اُس وقت ادنائے غرب سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی تھی۔ اور اس کا شیر دل بادشاہ صرف دوسرے اہلِ صلیب کے ساتھ متحد ہو کر میدانِ محاربہ میں نکل سکتا تھا۔ انگریزوں کے جوان معرکوں میں مرعوب ہو کر بوڑھوں پر "صلاح الدین ٹیکس" کا بوجھ ڈالتے اور بچوں کو اِس نام سے ڈراتے تھے۔ مدنی ارتقا کے زرعی زینے سے ہی نہیں گذرے تھے۔ تاکہ صنعت اور تجارت کی بام پر چڑھ کر شرکتوں کے آسمان میں طیران کریں۔ اِس عسکری سوداگری کی ابھی اُن کے جزیرے ہی میں بنیاد نہیں پڑی تھی جس کی تعمیر شرق الہند بنگلوں کے محلوں کی اینٹ سے اینٹ

بجا کر افغانستان کے پتھروں سے آٹکرائی ۔

روس اِس زمانے میں اپنے ملوک الطوائف کا ایک گمنام اکھاڑہ تھا۔
اس کے تشتت اور تفرق میں اتحاد اور اجتماع کی علامات کہاں، اس کی
ویرانی اور ابتری اتنی زیادہ تھی کہ مسلمانوں نے ہنوز اسے فتح کرنے کے
قابل بھی نہیں سمجھا تھا۔ تاکہ اسلامی رسوخ اتنا قائم کریں کہ ماسکو کا سب سے
بڑا گرجا بالکل ایک مسجد کی شکل میں بنے۔ باقی یورپ کی طرح، انہی فاتحین
سے "تاثر" اور "انتباہ" پاکر، روس کے ایک عظیم المرتبت زار نے "توسیع
مملکت کے عزم" اور "وصیت" کو ابھی اپنے ورثا کے ترکے میں نہیں چھوڑا
تھا، جو تاجِ قیصری میں کیا، جامۂ جمہوری میں کیا، اندازِ قدر سے پہچانا جاتا
ہے۔ کہ بدستور بجالائی جا رہی ہے ۔

ایران میں فرقۂ خورمیہ کی مشارکتِ زن و زمین کو الحیرا سے سخت صدمہ
پہنچا تھا۔ پھر نوشیرواں جیسے بیدار مغز بادشاہ نے اُسے مع
اس کے تقریباً دو لاکھ معتقدوں کے نیست و نابود کر ڈالا۔ اگرچہ امام
یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا عدل مطلوب ہوا۔ جس نے اپنے تفقہ سے اس
دیرینہ زمانے کے جھگڑوں کو قطعیاً چکا یا۔ یہ حشر ہوا دنیا کی پہلی اشتراکیت

کا۔ اور اگر اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ[1] صحیح ہے اور اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ[2] حق اور باطل کے تمیز کرنے میں بھی سینکڑوں سال چاہئیں، ہر غیر مذہب و مسلک کا جس کا رہنما مزدکی ہو یا لینن، وہی انجام ہوگا، مگر اب تک روس کی محیر العقل جمہوریت نے بمثالِ جبال اپنے مخالفین کی امواجِ افواج کو مسترد کر رکھا ہے۔ عمالِ عالم کو اشتراک کی دعوتِ پُر دہشت ماوراء النہر میں طغیانی پر ہے، مگر اس کی لہریں ہوائی حلقے بنا کر دریائے آمو کے بیچ میں رہ جاتی ہیں۔ ہماری طرف آبِ عزت و امنیت بیش از پیش جاری و ساری و رواں ہے۔ کیوں؟

حضرت ضیاء الملت والدین بذات نجیب خود، راولپنڈی میں جناب انسر[3] کے ساتھ عہد و پیمان باندھنے میں مصروف ہے۔ موالفت اور دوستدارانہ گرمجوشیوں کے اثنا میں، روسی سیلاب اسی آمو کے کنارے پنجدہ کو نگل جاتا ہے، اور با وجود دوڑ دھوپ،

---

[1] خدا کے نزدیک اسلام دین ہے۔

[2] خدا کے نزدیک دن تمہارے ہزار سال کی مانند ہے۔

احتجاج اور تہدید کے گویا ہضم ہی کر جاتا ہے، اِس کی کیا وجہ تھی؟

اعلیٰحضرت غازی کے نمایندے اسی راولپنڈی میں اسی برطانیہ کے ساتھ جواب فتوحات اور جہانگیرانہ تسلّط سے بدرجہا زیادہ مست و متکبر ہے آزادانہ معاہدہ کر رہے ہیں، اور روسی ریچھ باوجودیکہ برفانی غنودگی کے دورے سے بھوکا اٹھ کر ہر دار و دیار کو ہڑپ جا رہا ہے، بجائے اس کے کہ اور کسی گاؤں کو بھی بلع کر لے، اس پنجدہ کو بھی اگلنے کا وعدہ دے رہا ہے۔ اِس کا کیا سبب ہے؟

افغانستان پہلے خود مختار نہیں تھا۔ اب امان اللہ خاں کی ہمّت، حریت، شجاعت اور فعالیّت سے دولت مستقل ہے

شبانِ وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد   کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

سابق عہد میں ایک سفارت بخارا سے کابل میں وارد ہوئی۔ جس کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ کی۔ لیکن ایک شہزادے نے اُس کی ترحیب و مدارات میں اپنی استطاعت کے موافق کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اسی شہزادے نے ایک فراری کو جو اس طرف جانے پر مجبور تھا۔ مامور کیا کہ بخارا میں اُس کی جانب سے سیاسی خدمات بجا لائے۔ مثلاً ان دو باتوں سے

قیاس و قیاس کیا جاسکتا ہے۔ کہ بادشاہی کے دوران میں کیا مزید تشبثات کیئے ہونگے۔ چنانچہ فوق العادہ سفارتیں بخارا اور خیوا کی طرف اعزام کیں۔ اور مادی تعاون سے بھی حتی الوسع دریغ نہ کیا معنوی مساعی تو ہمیشہ جاری رہتی تھیں۔ اگر افغان بادشاہ دوسروں سے اپنے ملک کا استقلال منوالیتا اور غیروں سے اپنی ملت کی آزادی قبول کروالیتا تو یہی اُسکی عظمت اور بلندیٔ شان کے لیئے کفایت اور کفالت تھی۔ لیکن اس سے بڑھ کر کابل میں بخارا اور خیوا کی سفارتوں کے جھنڈے گاڑنا اور اُن کی خود مختاری کے لیئے مجاہدتِ جمیل و لو بلیغ نہ ہوئی عمل میں لانا ایک ایسا مستحسن فعل تھا جو اقلاً عالمِ اسلام کو اُن کا مرہون اور مفتون بناتا ہے۔ ع

تانہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

جو طوفان خیبر اور کرم کی پہاڑیوں سے اٹھ کر جہان کی حیرت میں الفل کے بلند خیالوں کے اعتراض کا مورد ہوا تھا، شاہانہ جبین پر چین بھی نہیں لایا تھا۔ سفید کوہ پر گھٹا چھا رہی ہے مگر برستی نہیں۔ کیونکہ دو تین دفعہ برس کر، سیلاب بن کر، کابل کو غرقاب کر کے جب لوٹنا پڑا تو بارے ایک قطرہ بھی واپس غنیمت ہوا تھا۔ اب تو ایک مسیحا نفس موجود ہے۔

جس نے اپنی زندہ ملّت کے بعض مردہ جذبات کو بھی احیا کر دیا ہے۔ ٹھس ڈکہ اور چمن کی طرف اُن کا کچھ بروز ہوا تھا۔ بعد ازآں اعلیٰحضرت غازی تفکر اور تدبر سے معاملہ کر رہے ہیں ؎

سلیماں را نگیں بود و ترا دیں　　سکندر داشت آئینہ تو آئین

ندید آنچہ مے بینی ز ایام　　سکندر ز آئینہ کیخسرو از جام

ذاتِ شاہانہ کی سیاسی عقدوں کو حل کرنے کی فضیلت اور معاً وقار و متانت سے اسلامی اور افغانی عزّ و شرف کی صیانت، اور ساتھ ہی خیالات کی بلندی اور روشنی اس تقریر سے ثابت ہوتی ہے۔ جو برطانوی ہیئت کے وداع کے وقت فرمائی تھی:۔

لڑکپن سے دنیا کی ساری قوموں کی آزادی کا خواہاں رہا ہوں اور کسی قوم کے حقوق کا اتلاف مجھ پر شاق گذرتا رہا ہے، خاصکر جب ایسا حال میری اپنی سلطنت اور وطن کی کامل حاکمیت کے حقوق و آداب کے خلاف ہو، تو میں اسے کسی صورت میں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چونکہ اس صریح حق سے محرومیت کا باعث دولتِ برطانیہ کو جانتا تھا۔ لہذا اپنے تمام افکار کو اس کی مخالفت میں پرورش دیتا تھا، اور اب بھی افغانستان کی عزت

نطق شاہانہ

دشمنی کی مخالفت میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کو تیار ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنی ملّت کو کہا ہے کہ اس جان کو جسے میں نے اسکی خدمت کیلئے آمادہ کیا ہے اُس کے استقلال کی مدافعت میں قربان کرونگا، لیکن آج میری قوم کی ہمّت سے جان اور استقلال دونو مجھے حاصل ہیں۔ اور اُس کو میں اپنی دوبارہ زندگی سمجھتا ہوں، اور اسے بھی اپنی ملّت کی خدمت میں فدا کرونگا ؂

بہت خوش ہوں کہ دولتِ برطانیہ نے تامّل اور تذبذب کے بعد جو میری رنجیدگی کا موجب تھا، آخر وقت گذرنے سے پہلے حزم اور معاملہ شناسی سے ہمارے استقلال کو تسلیم کر لیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہم اُس کے ساتھ ہمسایگی کے مناسبات قائم کر سکے۔ اِس میں شک نہیں کہ یہ مناسبات دوستانہ نہیں ہیں، ہمسایگانہ ہیں۔ پھر بھی اور مشکلات کے رفع ہو جانے کے بعد اُمیدوار ہوں، جیسا اعلیحضرت شاہ جارج نے تبریکی تار میں اسے عہدنامۂ دوستی سے تعبیر فرمایا ہے، یہ ہمسایگی دوستی سے مبدّل ہو جائے ؂

مَیں کسی طرح بھی عالمِ اسلام کی حسیات سے جدا نہیں ہو سکتا پس

اگر دولتِ برطانیہ ملّتِ افغان کی صمیمی آشنائی کی طالب ہے تو میرے خیر خواہانہ مشورے پر بیشتر توجہ کرے۔ جو میں نے پہلی ملاقات پہ دیا تھا۔ جس دن سے دولتِ برطانیہ نے مسلمانوں کے خلاف اقدام کیا ہے تمام عالم اسلام کو اپنے سے آزردہ بنالیا ہے۔ اس سے جو ضرر تمہاری حکومت کو پہنچیں گے وہ ظاہر ہیں۔ جس قدر مراعات دولت ترکیہ کے ساتھ کروگے اسی انداز سے ملّتِ افغان کے دل تمہاری جانب مائل ہونگے۔ اسے کبھی یاد رکھو کہ عالم اسلام تم سے متاذی ہو۔ اور افغانستان تمہارا دوست ہوگا۔ یا اسلامی شعائر کی مخالفت کرو۔ اور افغانستان کی حکومت اور باشندے بے پروا اور بے فکر رہیں ؛

ہندوستان میں بھی اپنی حرکات پر نظرِ غور ڈالو۔ کیونکہ فریادیں اور شورشیں اگر وہاں زیادہ ہوں تو یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ سرحدی خطوط مانع آسکیں ؛

ہماری سرحدی اقوام عرقی، جنسی اور دینی روابط کے سبب سے ہم کوئی فرق نہیں رکھتیں۔ اپنی طرح ہم اُن کی ترقی اور رفاہ کے خواہاں ہیں

چاہیئے کہ دولتِ برطانیہ اس خواہش اور کوشش کی تائید میں جو اُن کے لیئے اور اُن کی حقیقی سعادت کے لئے کریں، روش اختیار کرے ۔

اِس شاہانہ نطق پر تحشی کرنا گویا "خالص سونے پر ملمع، سوسن پر نقش یا قوس قزح پر ایک اور رنگ چڑھانا" ہے ۔ یہ ہے مرأتِ جذباتِ ملوکانہ اور قلم اس پر دم نہیں مار سکتا ۔ ع

صفا برخیزد از آئینہ چوں جوہر شود پیدا

لباس التقویٰ اور بھیس بدلنا

اعلیحضرت غازی ایام شہزادگی میں عین الدولہ کے لقب سے مخاطب ہوتے اور رعایا کے نزدیک بہت عزیز تھے۔ اسی نیک نامی اور ہر دلعزیزی کی وجہ سے جب رحلت اثنأ پر امیر سراج الملت والدین جلال آباد جاتے تو کابل کے مرد و زن، اور پیر و برنا کی دعائیں کہ اس بیٹے کو دار السلطنت میں حکومت کا وکیل چھوڑ جائیں، قبول ہو جاتیں، تو ارتشا اور ظلم و ستم کے دروازے بند ہو جاتے، دفتروں اور محکموں میں نصفت و معدلت کی نوبت بجنے لگتی، سڑکوں اور دروں میں آسائش و امنیت قائم ہو جاتی، بازاروں میں رونق اور چہل پہل نمودار ہوتی، اور دکانوں میں پورا تولنے کے علاوہ، غلیظ اشیا کی بجائے نفیس چیزیں دکھائی دیتیں ؁

ایسا بھی ہوتا کہ ایک دعویدار سے کسی محکمہ میں رشوت لی جاتی، ایک خریدار کو کسی بازار میں کم یا خراب چیز ملتی، ایک آدھی رات کے راہگذر کو سپاہی بغیر روکے ٹوکے چھوڑ دیتا، تو علے الصباح، راہ گذر، خریدار،

اور دعوبدار خود عین الدولہ صاحب نکلتے اور مکار، غافل اور ظالم کو مجازات کا مزہ چکھاتے ؛

شاہانِ سلف حفظِ ماتقدّم سے جیسا کہ بعض پیشے سیکھتے تھے بھیس بدلنے کی عادت بھی ڈالتے تھے۔ چنانچہ شکست کی حالت میں سعدی ہدایت کرتا ہے ؎

اگر بر کناری رفتن بکوش
دگر در میاں لبس دشمن بپوش

ایک آدھ عباسی، غزنوی، اور کرد پادشاہوں کی امثلہ ہیں جو رعیّت کے احوال کے استفسار اور مامورین دولت کی تفتیش کے لئے تبدیل لباس کر کے خفیہ راتوں کو باہر جاتے تھے۔ مگر اس تکلیف اور اہتمام کی مثالیں شاذ ہیں جس سے اعلیحضرتِ غازی اُس پر اقدام کرتے ہیں۔ خواہ مخواہ تعجب آتا ہے کہ باوجود سلطنت کے دیگر کثیر مشاغل کے محیّر العقول فعالیت سے اُس کے لئے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔ بعض صوفیا اور سوفسطائیوں کا نظریہ ہے کہ ذواتِ کبار کے وجود میں ہزاروں نفوس کے قوا مودع ہوتے ہیں۔ جس سے وہ اسی قدر تعداد کے موافق کام

کر سکتے ہیں۔ اعلیٰحضرت باوصف رسمی درباروں اور امورِ وزارات کے،
اس کے لیئے بھی فرصت پیدا کر لیتے ہیں کہ تغییرِ پوشاک کر کے کوچہ و بازار،
اور دوائر و دہات میں چکر لگائیں اور بکرات و مرات ایسی گردشیں کرتے
ہیں۔ عام علم صرف اسی صورت میں ہوتا ہے۔ کہ مصلحتہً اپنے تئیں
پہچنوائیں یا احیاناً پہچانے جائیں، جو نادر واقع ہوتا ہے یا بعد میں خود
اظہار کریں۔ جب کبھی دورے پر جاتے ہیں۔ تو گاؤں میں پھرتے
ہوئے معمولی لباس میں کوئی نہ پہچانے تو اس ناشناسی سے استفادہ
کر کے مختلف طرح کی باتیں اپنے اور دوسروں کے متعلق پوچھ کر وہی
مطلب نکال لیتے ہیں۔ جو لباس بدلنے سے حاصل ہوتا ہے ٭

جب پہلی دفعہ سمت مشرقی تشریف لیگئے تو جلال آباد میں بھی
کسی کو آگاہ نہ کر کے موٹر پر سوار ہو کابل کے نزدیک ایک گاڑی
کرائے پر لی۔ البتہ موشگافی کی خصلت سے گاڑی گھوڑے کی قیمت
اس کی کمائی اور اِس معاملے سے جو سرکاری یا عام سواریوں کے ساتھ
پڑتا ہے، پوری واقفیت حاصل کر لی ہوگی۔ پھر کابل کی گلیوں میں
آنے جانے والوں کے ساتھ بات چیت کی۔ بازاروں میں سے ہوتے

ہوئے بعض دکانوں سے کچھ چیزیں خریدیں۔ بعد ازآں کچہریوں میں ماموریں کو کام کرتے ملاحظہ کیا۔ اور اُس کی اطلاع تب ہوئی جب قاضی وغیرہ پر اس لیئے جرمانہ ہؤا کہ محکمے کے وقت میں غیر حاضر تھے ؀

جب قندھار تشریف لے گئے تو کابل میں ناگہاں آوارد ہوئے جب مراجعت کر آئے تو بے خبر قندھار میں جا پہنچے! ایک عرضی نویس کے پاس بیٹھ کر فوجی بھرتی کے متعلق بہت مفید معلومات حاصل کیں۔ ایک مکتب میں جا کر اُس کے انتظام کو مشاہدہ کرنے لگے۔ تو ایک طالب علم نے آپ کو پہچان لیا۔ فوراً شاہانہ آداب سے سلامی کی رسم بجا لائی گئی۔ یہ چھ سات سو میل کا سفر چند گھنٹوں میں طے کر کے بیشمار ضروری خبریں بہم پہنچائیں۔ ان تنہائی کے گشتوں میں یہ خیال نہ ہو کہ ذاتِ شاہانہ کسی اندیشے میں ہوتے ہیں بلکہ جیسا آپ کے ہر فعل و عمل کا حال ہے اس میں بھی پوری احتیاط اور انضباط کو مدنظر رکھ کر پہلے سے حفاظت اور شناخت ہونے کے بعد بادشاہی اعزاز کا لحاظ کر لیا جاتا ہے ؀

یہ گمان بھی نہ ہو کہ میلے کچیلے کپڑے پہننے کے عادی ہیں، البتہ ان سے عار نہیں کرتے اور ملی فوائد کی خاطر خوشی سے اس تنزل کو قبول

ایجادِ لباس

فرماتے ہیں۔ شہزادگی کے زمانے میں اپنی والدہ ماجدہ علیا حضرت کے امتیاز کی وجہ سے بہ نسبت دوسرے شہزادوں کے زیادہ ناز و نعمت کے مواقع آپ کو میسّر تھے اِس لئے ہر قسم کے البسۂ فاخرہ پہن چکے ہیں۔ باوجود اس کے ان تظہرات کو جو شرق کے ساتھ منسوب ہیں۔ پسند نہ کر کے زوائدِ غرب سے بھی نفرت رکھتے ہیں۔ پھر بھی چونکہ لباسِ مفید و مزین جیسا کہ پہلے اشارہ کر چکا ہوں، ناگزیر ہے، شاہانہ توجہ سے دور نہیں رہا۔ بالا پوشِ امانیہ نے جو آپ کی اختراع ہے چیسٹر فیلڈ وغیرہ کو مات کر دیا ہے ۞

آپ کی عادت اور حسِ ذاتی، تکلّف سے بری ہے۔ جب تک کپڑا پہننے اور دھلنے سے پھٹ نہ جائے دوسرا نہیں بدلتے۔ ایک دفعہ مامورینِ دولت کی تنخواہیں بڑھانے کی عرض تقدیمِ حضور ہوئی۔ اپنی گھسی ہوئی آستین دکھا کر کفایت شعاری کی موثر ترغیب دی۔ ڈیڑھ کروڑ افغانوں کے خود مختار بادشاہ جن کے باپ نے چار ہزار جوڑے اپنے بیش قیمت البسہ کے چھوڑے تھے، جن کے مخازن سے لاکھوں روپے کی خلعتیں سپاہ و رعایا کو سالانہ عطا کی جاتی ہیں، ایسے شعار اور ایثار میں رہ کر وہ محبتِ دلی ہاتھ میں لاتے ہیں۔ جو سلاطین کو عموماً نہیں ملتی، اور وہ حرمتِ دائم حاصل

تقشف شیروانی و انوشیروانی

کرتے ہیں جو بادشاہوں کو جاہ وحشمت سے عارضی طور پر نصیب ہوتی ہے
اسی سے تاویل ملک سلیمان علیہ السلام قابل اطمینان ہوسکتی ہے ورنہ
هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ[۱] دعائے نفس پروری ہے
جو شانِ پیمبری سے بعید ہونی چاہیے۔ حضرت سلیمان البتہ اپنے ایثار سے
کام لے کر یہ تمنا کرتے تھے کہ ان کی سلطنت بہت بڑی ہو اور بے شمار
رعیت سب آرام میں رہے اگرچہ وہ خود محنت اٹھائیں۔ اور ظاہر ہے کہ
بادشاہ کی زحمت کے مطابق ملت کی راحت متصوّر ہوتی ہے۔ اس محنت
اور زحمت کو دوسرے کے لئے روا نہیں رکھتے تھے۔ جو مشہور سلیمانی شکوہ
کے ساتھ خود گوارا کرتے تھے ؎

آب در کشتی ہلاک کشتی است   آب در بیرون کشتی پشتی است

یہی سبب تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے پیوند یافتہ پیراہن کے ساتھ
قیصر و کسرےٰ سے کرہاً اور بعد میں شاہانِ عظیم الشان مسلمان سے طوعاً خراج تعظیم
و تسلیم وصول کرتے تھے ۔

---

[۱] مجھے ایسا ملک بخش جو میرے بعد کسی کے بھی لائق نہ ہو (یعنی ہر کسی کی شان سے بلند ہو) ۔

حقیقی زہد و قناعت اور ایثار و سخاوت

ایک مشہور و معروف ولی عالم نے ہارون رشید کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اسے زاہد کے خطاب سے جو چند دفعہ یاد کیا تو امیر المومنین نے اپنی تزک و احتشام کو دل میں لا کر کہا کہ یہ لقب آپ کو زیب دیتا ہے۔ جواب ملا کہ تم نے دنیا پر قناعت کی ہوئی ہے جو متاع قلیل ہے اور میں عقبےٰ کو جو اس سے بسا بہتر ہے نظر میں نہیں رکھتا۔ ہمارے پٹھان بادشاہ کا زہد کس قبیل سے ہے؟ کوئی بھی طنز سے نہیں کہہ سکتا کہ آپ اس جہان کی لذتوں کی پروا کرتے ہیں یا ان پر قانع ہیں بلکہ آپ کا مفکورۂ عالیہ ایسی وسعت کو احراز کئے ہوئے ہے جو رضائے خالق اور اس کی بندگی کو در بر لئے ہوئے ہے ؎

عبادت بجز خدمت خلق نیست

بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

شیخ بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معراج کا بلند ترین ذروۂ شفقت خلقت

کو قرار دیا ہے ؁

ذاتِ ہمایونی جشنوں کے مواقع پر مملکت کے مختلف دوائر کی رؤنداد اور اپنی نج کی کارروائی خود بیان فرمایا کرتے ہیں۔ جلوس کے پانچویں سالانہ جشن میں تشکیلاتِ سابقہ و لاحقہ پر مبسوط تذکرہ کرتے ہوئے اور اُن میں اپنے کام کے متعلق اظہار دیتے ہوئے فرمانے لگے کہ سوائے اتنے گھنٹوں اور اتنے دقیقوں کے باقی سارا وقت اس برس مَیں نے مِلّت کی خدمت میں صرف کیا ہے۔ اتنی غفلت کی معافی چاہتا ہوں اور اگر اس سے زیادہ کوئی ثابت کرے تو مَیں ماخوذ ہوں، اور اپنا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا (تائیدِ شدید کے لئے عرج محاورہ ہے) ؁

بیت المال سے کچھ نہ لینا

اعلحضرت بیت المال سے اپنے اخراجات کے لئے کبھی ایک حبّہ اور پیسہ تک نہیں لیتے۔ بلکہ عین المال سے جو بادشاہ کی ذاتی ملکیت ہے۔ بڑی گراں بہا بخششیں اور عطیئے دیتے رہتے ہیں۔ بنی اُمیّہ، تغلق اور مغلیہ میں سے ایک ایک بادشاہ ایسا گذرا ہے جو بیت المال سے یا محض اپنے کفاف کیلئے کچھ لیتا یا اُس سے بھی پرہیز کرکے اپنی محنت سے جیسے مصحف نویسی، کلاہ دوزی وغیرہ روٹی کماتا۔ چین میں بھی ایک آدھ

بادشاہ ایسا ہوا ہے۔ مگر جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا اُن کے مدبر حکیم نے قبل المسیح یہ دلیل پیش کی تھی کہ ایک حاکم یا معلّم تنخواہ لے اور وہ جائز سمجھی جائے، تو بادشاہ جس کا فریضہ یہ ہے کہ تمام حکام کو معدلت سے منحرف نہ ہونے دے اور سب معلموں سے نوجوانوں کو صحیح اور مفید تعلیم دلوائے، اگر اپنی روزی خود کمانے میں مصروف ہو تو آیا اپنے ادائے فرض میں قاصر نہیں رہیگا؟ لہذا بادشاہ کے لئے خزانے سے اپنے مصارف کا تہیہ کرنا نہ صرف روا بلکہ واجب ہے۔ کیونکہ جتنے وقت میں وہ اپنے لئے جُدا اکتساب کریگا، خلق خدا اُس کی اتنے وقت کی توجہ سے آباد اور اتنی ہی بے توجہی سے برباد ہو سکتی ہے۔ اس نکتے کے ادراک نہ کرنے سے کتنے نیک دل متورّع اور خیر خواہ رعایا بادشاہ خود اپنی روزی کمانے کے درپے ہو کر اتنے وقت خلقت کے احوال سے غافل رہے، اور کتنے مورخ اُن کے اس تنگ نظرانہ تقوے کو استحسان کی نگاہ سے دیکھتے رہے! جیسا کہ عمرؓ بن عبدالعزیز نے اپنی ذاتی ملکیّت بیت المال کو ہبہ کر دی تھی۔ یا حضرت صدّیق رضی اللہ عنہ کی پیروی میں جنہوں نے وصیّت فرمائی تھی کہ جو کچھ بیت المال سے اُنہوں نے وظیفہ

لیا ہے۔ وہ اُن کے شخصی مال سے واپس دیا جائے، ذات ہمایونی بیت المال سے مدد نہیں لیتے۔ اور اپنے عین المال سے تھوڑا خرچ کے لئے رکھ کر باقی ملّت کے کاموں میں اور خیرات میں اعانہ و صدقہ دیتے رہتے ہیں ؛

عمروؓ بن عاص کے حکومت سے عزل کا منجملہ اور وجوہ کے ایک یہ سبب تھا کہ خلافت کے دستور العمل کے خلاف ایک وقت میں دو قسم کا طعام تناول کرتے تھے اگرچہ انہوں نے طبیب کی تصدیق پر مرض کا عذر پیش کیا تھا۔ افغان بادشاہ بلا اجبار اپنے اختیار سے صرف ایک طرح کا کھانا ایسے احتظاظ سے کھاتے ہیں۔ کہ امرائے روم باوجود سو قسم کے اطعمہ کے جو ہزاروں طلوں سے تیار ہوتے تھے۔ اس ایک کھانے پر لاکھ رشک کھاتے۔ وہاں اُن کے قصور کے نیچے فاقے کی فریاد سناتی تھی، اور یہاں اپنے ہر فرد ملّت کے ساتھ مساوات کا لطف حاصل ہے۔[1]

---

[1] افغانستان میں عموماً لوگ سب کے سب ایک قسم کا کھانا ایک وقت میں کھاتے ہیں۔ البتہ اگر زیادہ کھا جائیں تو بیمار ہوتے ہیں جس کی ممانعت کے لئے یہ ضرب المثل ہے کہ سب سیری سے مرتے ہیں۔ کسی نے کبھی نہیں سنا کہ کوئی بھوک سے ہلاک ہوا ہو۔ یہ دعوے بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ افغانستان میں باوجود ڈھائی لاکھ مربع میل رقبے اور ڈیڑھ کروڑ نفوس کے قحط سے کبھی کوئی آدمی تلف نہیں ہوا۔ اس لئے ہندوستان کے بعض صوبوں میں ایسی بدبختانہ واردات کی طلاع سے افغان بہت متاسف اور متعجب ہوتے ہیں ؛

اسی وجہ سے وہ اصحاب جن کو واحد خوراک شاہانہ میں شریک ہونے کا فخر ملتا ہے آپ کی خوش طبعی سے محظوظ ہوتے ہیں ؎

میزبانے کہ زخود سیر کند مہماں را

چہ ضرور است کہ آراستہ دارد خواں را

اس سے امر مباح میں سخت گیری کا گمان نہ ہو۔ میز ملوکانہ پر متعدد اقسام کے طعام موجود ہوتے ہیں۔ اور خود بعض اشخاص کو جن پر نظر عنایت ہو۔ اور یہ ارزانی لائق اور صادق خدام پر رہی ہوتی ہے، کوئی لذیذ کھانا خود پیش فرماتے ہیں، اور دوسروں کے التذاذ سے خود ایک ہی نوع کے طعام سے خوش ہوتے ہیں۔ میں کبھی اصیل مرغ وغیرہ کے کباب خاص طرز سے تیار کرواکے نذر کرتا ہوں تو مہربانی کی تواضع سے فرماتے ہیں کہ جب اس طرح کا دوسرا کھانا مل جائے تو کیسے چھوڑا جائے! البتہ اگر اس کی اطلاع پہلے ہو جاتی ہے تو صرف یہی تناول فرماتے ہیں۔ بیشک کھانے کے بعد میوہ نوش جان کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اشتراک ملت ہے۔ وبائے ہیضہ میں جب میوے کی عام ممانعت کر دی گئی تو اگرچہ ذات شاہانہ پغمان تشریف رکھتے تھے جو مرض سے بالکل خالی تھا، پھر بھی

میوہ خوری سے کنارہ کش رہے ہے۔ اور جب تک کہ شہر کے باشندوں کو
پھلوں کی اجازت نہ ہوئی آپ کی میز پر بھی ان کا نام نہیں لیا جاتا تھا۔
ایپک ٹیٹس اور سینیکا قدیم یورپ کے دو موحد حکیم، ایک فقیری
میں دوسرا وزیری میں، سخت بستر پر سونا پسند کرتے تھے۔ حتیٰ کہ سینیکا
جب ثروت میں بادشاہ سے بھی بڑھ گیا تو اس کی ماں نے مجبور کیا کہ لکڑی
کے تختے پر چمڑا بچھالیا کرے۔ کبھی اعلیحضرت کی والدہ ماجدہ بھی ایسا
ہی اصرار فرمایا کرتی ہیں۔ مگر زیادہ نہیں کیونکہ افغان ماں اپنے بچے کو بہادر
اور زحمت کش بنانا چاہتی ہے۔ مہاراجہ بکرماجیت اور سلطان محمد فاتح
اپنے سامانِ بود و باش کی قلت کے لئے ممدوح و محمود ہیں۔ پٹھان
بادشاہ نے طبعی حکمت سے یہی سادگی اور مشقت اختیار کر رکھی ہے کبھی
آدھی رات کو دماغی کاموں سے سخت تھک کر جب حرم سرائے جاتے
ہیں۔ تو بے تحاشا ایک لمبی توشک پر جو دیوار کے ساتھ بچھی ہوتی ہے
بیحس ہو کر لیٹ جاتے ہیں۔ اور سر کی طرف کے حصے کو دہرا کر کے تکیہ
بنا لیتے ہیں۔ اور پاؤں کی جانب کو الٹا کر لحاف کی طرح اوڑھ لیتے ہیں۔
ایک انگریز بادشاہ نیند نہ آنے سے تنگ آ کر کسانوں کو اپنے پر فضیلت

سونے میں سادگی

دیتا تھا۔ جو ڈھیلے کو سر تلے رکھ کر چین سے سو جاتے ہیں۔ مگر جو بادشاہ
انہی کسانوں کی خاطر ان سے بار رچھا بڑھ کر محنت کشی اور مشقت کیشی اختیار
کرے تو ماندگی سے شیریں خواب بھی اُس کے نصیب ہوتی ہے، لیکن
اعلحضرت جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے بیدار مغزی سے شب بیدار بھی رہتے ہیں۔

همه عالم گرفت از نیک رائی   چنیں باشد بلے ظل الٰہی
نہ شد غافل ز خصم آگاہی نیست   نخسپد شرط شاہنشاہی نیست

میانہ روی اور کفایت شعاری میں اپنی شاہانہ مثال پیش کر کے اغنیا اور
علما کو قولی اور فعلی دعوت دیتے ہیں۔ بیت المال کو حسب ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ
وسلّم یتامیٰ کے پیسے کی طرح اس احتیاط سے خرچ میں لاتے ہیں کہ بقرار
ضرب المثل اس کے طلے اپنی خبر آپ رکھتے ہیں۔ مامورینِ دولت کی
رہنمائی کے لئے کبھی خود ٹھیکہ داروں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ مثلاً
ایک دفعہ اجارہ دار کے ساتھ ڈاک لیجانے کی گاڑیاں کرایہ لینے پر ایسا
تاجرانہ مباحثہ کرتے رہے کہ بمصداق حدیث عرق بجبین ہو کر خرید و فروخت
کا پورا حق ادا کیا۔ اِسی طرح داخلی اور خارجی اشخاص کے ساتھ جب کبھی

کفایت شعاری

لین دین کرتے ہیں تو اپنے مالِ زمینِ دولت کو بنا دیتے ہیں کہ وجیبۂ بیت المال بوجہِ احسن یوں بجالایا جاتا ہے ۔

اگرچہ باقیاتِ مالیات کو جو مفلسوں اور محتاجوں کے ذمّے رہ جاتی ہیں معقول معاذیر پر تخفیف کرنے اور بخشنے میں مبادرت کرتے ہیں لیکن اِن لوگوں سے جو باوجود استطاعت کے قرضِ بیت المال کے تادے میں سہل انگاری کرتے ہوں، ولو شہزادے، سردار، خوانین اور بڑے آدمی ہوں، بڑی شدّت سے وصول کرنے کے حکم نافذ کر رکھّے ہیں۔ اگرچہ یہ کام انقسام پا چکے ہیں۔ اور باقیات وصول کرنے کے جدا ادارے ہیں۔ مگر کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ ذاتِ ہمایونی کی والدہ ماجدہ، ملکۂ معظمہ، برادرانِ بزرگ یا اور شاہی مقربوں کے ملازم جو ان کی مالیات ادا کرنے میں غفلت کرتے ہیں تو جرمانہ ہوتا ہے۔ جس میں مالکانِ اراضی کا نام داخل ہوتا ہے اور اس سے اعلیحضرت کو آگاہی ہو جاتی ہے یا کرائی جاتی ہے۔ تو قانون کی تعمیل میں کوئی استثنا روا نہیں رکھتے ۔ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰی[1] ۔

اگر کہوں کہ افغان بادشاہ کی سخاوت حاتم طائی سے سبقت لے گئی ہے۔

---

[1] عدل کرو اگرچہ قریبی ہو ۔

سخاوتِ معقول

تو نظرِ امعان اُسے تعجب سے نہیں دیکھے گی۔ کیونکہ یہاں سب جود و اکرام دُور
اندیشی، روشن فکری، اور پائدار منفعت ملّی پر مبنی ہیں۔ لاکھوں روپے بیت المال
سے معارف کو دئے جاتے ہیں۔ طلبہ کے یک رنگ لباس بنائے جاتے
ہیں، اداراتِ طلبیہ میں اُن کو رختِ خواب اور طعام دئے جاتے ہیں، اور یتیم
لڑکوں لڑکیوں کے لئے مکاتب میں خوراک و پوشاک کا انتظام ہوتا ہے۔
اگر کوئی خوب نظم سے ذاتِ شاہانہ کو خوش کرنے کا زعم کرتا ہے تو خوب تر
نثر سے اُس کو خورم کر دیتے ہیں، ہزاروں روپے ملک کی مادی و معنوی
آبادانی سے نکال کر ایک شاعر کی جیب میں نہیں ڈال دیتے، یا ایک متخیلانہ
مہمان نوازی سے خاصہ گھوڑے کی گردن نہیں مارتے جو ایک ضرب المثل
سخی کو زیبا ہو مگر موجودہ متمدن زمانے میں اقتصاد کے شایان نہیں۔

سابق عہد میں قبیلۂ جلیلۂ محمد زائی کے ہر فرد کو بیت المال سے معین
مواجب ملتے تھے اور قومِ شاہی کی امداد میں اس طرح بیس لاکھ روپیہ سالانہ
سے زیادہ صرف ہوتا تھا۔ خزانۂ خلافتِ راشدہ سے بھی ہر متنفس عرب
کو ایک رقم ملتی تھی مگر قریش کو اس میں اختصاص نہیں تھا۔ اعلحضرتِ غازی نے
جن کے سب کام اعتدال اور اصلاح کی نیت سے جاری ہوتے ہیں۔ اپنے

خاندان کے ارکان اور قبیلے کے اعیان کو مدعو کر کے ارشاد فرمایا کہ بیت المال ملت افغان کا مشترک حق ہے۔ اس میں میرے خویشاوند خاص حصہ نہیں رکھتے اور نہ ہی مجھے اس میں کچھ امتیاز ہے۔ البتہ مجھ پر واجب ہے۔ کہ تمہاری سرپرستی کروں۔ اور بے بضاعت اطفال کو فارغ التحصیل ہونے تک پندرہ روپئے ماہوار دوں، ناخوان جوانوں کو عسکری تنخواہ کے علاوہ جو اور سپاہ کی طرح خدمت کے عوض بیت المال سے لیں گے۔ سات روپیہ ماہوار خود ادا کروں، ماسوا اس کے تمہارے محتاجوں کی اعانت میں کوشش کروں، مگر سب کو بیت المال سے تنخواہ ملنا ایک تو بیکاری اور سستی کا موجب ہے دوسرا ناجائز ہے۔ اس لئے آئندہ لیاقت اور استحقاق کے بغیر دودمانِ شاہی کو مواجب و مناصب نہیں دئے جائیں گے۔ یہ جلوس کے پہلے ہی سال کا واقعہ ہے ۔

بادشاہ کی قبیلے کے ساتھ عدل و فیض کا سلوک

اس کے بعد شاہی خاندان کے چھوٹے بڑے افراد کو حسب استعداد ماموریتوں پر مقرر کیا۔ تاکہ ایفاے وظیفہ کے بغیر بیت المال پر مفت بار نہ ہوں۔ اپنے چچا سردار غلام علی خاں کو مدیر نفوس بنایا۔ پھر دوسرے چچا سردار محمد عمر خاں کو ایک مہم مدیریت پر مقرر کیا۔ چونکہ افغانستان میں سب کو بہت کام کرنا پڑتا ہے۔

جو گرما میں روزانہ آٹھ گھنٹے تک طول کھینچ جاتا ہے۔ اِس لئے بعض شہزادے جو پہلے زحمت کے عادی نہیں تھے البتہ گھبرائے، مگر سب نہیں کیونکہ آخران کی رگوں میں بھی افغانی خون ہے۔ اور اپنی خودداری کے سوا جو اس عہد میں صرف کام سے ہے، ذاتِ شاہانہ کی مثال ہر وقت غیرت دلاتی ہے۔ سردار محمد کبیر خاں چھوٹے بھائی کو پہلے ڈاک خانوں کا مدیر اور جب وہاں تجربہ حاصل کر چکے تو مدیرِ مستقل طبیہ بنایا ہے۔ جو وزارت کے مساوی ہے۔ برادر بزرگ سردار حیات اللہ خاں کو پہلے وزیرِ معارف اور پھر وزیرِ عدلیہ مقرر کیا۔ علاوہ بریں ان کے ساتھ ہمیشہ ادب سے پیش آتے۔ اور ملاقات کے لئے اکثر اُن کے ہاں جاتے ہیں +

اورخان جس نے سلاطینِ عثمانی میں پہلے سکّہ چلایا اپنے بڑے بھائی علاءالدین کے ساتھ، جس نے یورپ میں پہلے نظامِ فوج بنایا، محبّت اور عزت برتتا تھا جس کی یاد کو امان اللہ خاں نے تازہ کیا ہے۔ سردار عنایت اللہ خاں کی تعظیم میں بادشاہی کرسی سے سروقد اٹھنا اور چند قدم آگے بڑھ کر اُن کو احترام سے پاس بٹھانا اور دائما خاطر و مدارا کرنا وہ شیوۂ صدق وصفا ہے۔ جو علے الرغمِ اعدا، افغانستان کے شانۂ آزرم و امان کو

مشید و مستحکم کئے ہے۔ اعلیحضرت غازی اپنے بڑے بھائیوں کی تکریم اور چھوٹوں کی تربیت میں اتنی صمیمیت اور استقامت سے کوشاں ہیں کہ اس بارے میں اکثر ترکی سلطانوں سے اختلاف رکھتے ہیں۔ کیونکہ افغان بادشاہ کا عقیدہ حقانیت پر ہے اور اس کے زور سے حکومت کرتے ہیں۔ اور اقتضائے حق یہ ہے کہ بقدر استحقاق سب کے حقوق ادا کئے جائیں۔ چنانچہ علاوہ مالی اور معنوی امداد و اعانت کے اپنے رشتہ داروں کی شادی و ماتم میں ایسی شمولیت کرتے ہیں۔ جو غمخواری اور ہمدردی کی عوام و خواص میں بہترین مثال بن گئی ہے۔ اپنے اقارب کی مراعات و پاس خاطر کے باوجود، دربار میں عدالت اور مساوات حکم فرما ہے۔ وزرا جو ترتیب درجات میں بلند تر ہیں، کوئی کسی قبیلے سے ہوں، اونچے بیٹھتے ہیں۔ قوانین کی تعمیل سب پر علی السویہ واجب ہے ؛

مہاجرین

سخاوت کے بارے میں مہاجرین کی امداد کا ذکر مناسب ہے۔ عین المال سے پندرہ ہزار جریب زمین عطا کی تاکہ اس سے متاثر ہو کر ملت جدا مناصرت کرے۔ نقد جنس اور اراضی جو بیت المال سے ہندی اور سرحدی مہاجروں کو دی گئی قیمت میں ایک کروڑ روپیہ کو پہنچتی ہے۔ جب افغانستان

کے عسکری، عرفانی اور عمرانی مصارف ملحوظ خاطر کئے جائیں۔ اور خیر الامور
کی اوسط کو بھی مدنظر رکھا جائے۔ تو مبلغ مزبور سے تجاوز ایک طرف
افراط اور دوسری جانب تفریط ہو جائیگا۔
شریعت میں طلبۂ علم اور مجاہدین کی اعانت مساوی طور پر مؤکد ہے بناءً
علیہ نواتِ ہمایونی نے معارف اور عساکر دونو طرف متوجہ ہوکر بذلِ مال کیا اور
چونکہ مدادِ متعلم کو خون شہید پر ترجیح دی گئی ہے، زیادہ امداد معارف کو پہنچائی
گئی۔ بدوِ امر میں قصرِ شہر آرا کو مع اُس کے بیش بہا سامان کے مدرسۂ حبیبیہ
کے سپرد کر کے بعض سیاحوں کو جو اُس کے برج پر چڑھتے تھے جہاں ادارۂ
مکتب واقع تھا۔ یہ کہنے کا موقع دیا کہ اِس سے زیادہ عالیشان اور نفیس مقام
شاید ہی دنیا میں کسی درسگاہ کو نصیب ہو! مہتاب باغ کی وسیع اور متین
عمارت کو مکتب حربیہ کے حوالے کیا۔ پھر جوں جوں تعلیم پھیلتی گئی شاہی
محلات کو تخلیہ کرتے گئے۔ کیونکہ کم از کم رفعت وسعت اور زیبائش میں
ان سے بڑھ کر موزون جگہ مکاتب کے لئے فوراً مہیا نہیں ہوسکتی تھی۔
مکتب امانیہ کے لئے اور مکتب امانی کے واسطے جو واحد مدعا کے لئے
جو اُن کے نام سے ظاہر ہے، جدا جدا فرانسوی اور جرمنی اساتذہ کے

ادارے میں تاسیس ہوئے۔ بڑے بڑے بادشاہی محل خالی کئے گئے۔
اِن مکتبوں کو جاری ہوئے اب نو سال ہو گئے۔ اس لئے عرفانی مقتضیات
کے موافق نئی عمارتیں تیار ہو گئی ہیں۔

مکتب امانی جدید تعمیر میں منتقل ہو گیا ہے۔ جو بڑے احتشام و اہتمام
سے بنائی گئی ہے۔ اِس کے متصل بڑی عظیم الشان مسجد تیار ہوئی ہے۔
جہاں علاوہ خطبۂ افتتاحیہ پڑھنے کے رات کو اعلیحضرت نے نفیس نفیس
ناخوانوں کی جماعتوں کو خود سبق پڑھانا شروع کیا۔ شاہانہ جدوجہد کا کیا
ٹھکانا ہے کہ با وصف ملوکانہ مشغولیتوں کے، تعلیم کے سہل طریقے
بھی اختراع کرتے ہیں پھر ان کی تدریس میں خود مصروف ہوتے ہیں،
اور مکتبوں اور مسجدوں کے نقشے درست کرنے کے علاوہ معماروں کو
ہر وقت تاکیدیں کر کے وہ کام جو برسوں میں انجام کو پہنچتے، اپنی موثر
توجہات سے مہینوں میں ختم کروا دیتے ہیں۔

وہ باپ دادا کی حرم سرائے جہاں مسلح پہرہ رہتا کوئی اور نزدیک نہ
پھٹک سکتا تھا، چونکہ بہت وسیع و منیع محلات پر مشتمل تھی شخصی تعیش
سے نکال کر حکومت کے دوائر کو تفویض کی۔ بلند دیواریں گرا کر اُس کے

باغیچوں کو مرقع عام بنا دیا۔ اور اب وہاں چند وزارتیں اپنا وظیفہ ادا کرتی ہیں۔ کوٹھی باغیچہ جو اپنے نقش و نگار کی وجہ سے ایک تصویر اور نفاست کی پتلی ہے وزارت معارف کو دی گئی تاکہ وہاں میوزیم قائم کیا جائے اور اب اس میں افغانی تاریخی اشیا کے علاوہ جو موجودہ پادشاہی خاندان کا باعث فخر و مباہات ہیں، افغانستان کی اسلامی اور قرون اولی کی تاریخ کے آثار عتیقہ رکھے گئے ہیں اور آئے دن کی حضریات سے عجیب و غریب اضافہ ہو رہا ہے۔

اِن چند مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلیحضرت ذاتی اور خصوصی لذتوں اور راحتوں کو ملّت پر نثار کرتے ہیں۔ اور اس ایثار سے یہ ثبوت دیتے ہیں کہ ملّت اور دولت کے امور میں تفریق روا نہیں رکھتے۔ جو جمہوری حکومتوں کا خاصہ ہے۔ روس میں زاروں کے قصور اور سرمایہ داروں کے محلّات سب حکومت کے قبضے میں آکر دارالفنون میوزیم اور سرکاری و عمومی دوائر بن گئے۔ مگر اس تغیر سے سخت خنپڑ رہا ہے۔ کیونکہ ان کے سابق مالک وطن میں یا باہر، حسرت اور انتقام کی نظر سے اس غصب کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ افغانستان میں یہ تبدلات بادشاہ کی اپنی

اوشاعتِ ... [illegible]

دلی فیاضی سے ظہور میں آئے ہیں۔ اِس لئے وہ تفرقہ جو دوسرے حد سے زیادہ آزاد ممالک میں نمودار ہوا۔ یہاں وحدت اور اس عقیدت سے مبدل ہوگیا جو جاپانیوں کو اپنے بادشاہ کے ساتھ گویا ازل سے چلی آئی ہے۔

سب سے بڑی عمارت جو امیر سراج الملّت والدّین نے اپنی عمر میں بنوائی قصر دلکشا ہے۔ جو اب دولت ملّت اور اسلامی جشنوں کیلئے کشادہ ہے۔ اگر جمال پاشا مغفور اور انور پاشا مرحوم کی رسمِ تعزیت وہاں ادا کی گئی تو فتح سمرنا کی تبریک و تہنیت بھی وہیں بجالائی گئی۔ چونکہ اب عیدوں کے دربار اسی میں ہوتے ہیں۔ اِس لئے دو لمبی چوڑی شاہی عمارات سلام خانہ خاص و سلام خانۂ عام ایک مکتب رشیدیہٴ استقلال کو دی گئیں۔ کیونکہ اس میں اعلیحضرت غازی نے اعلانِ استقلال کیا تھا' اور دوسری میں سنما جاری کیا۔ اور صحتۂ تمثیل بنایا۔ تاکہ لوگ دنیا کی ترقی کا تماشا دیکھیں اور اخلاقی و ملّی قصّوں سے ہوش اور جوش میں آئیں۔

اب تو پغمان میں کافی عمارتیں تیار ہوگئی ہیں۔ پہلے پہل سب قصو

و محلات سرکاری و رسمی کاموں میں لائے جاتے تھے۔ اور ذاتِ شاہانہ ایک محل میں مع خاندانِ شاہی کے ایسی تنگ جگہ میں رہتے تھے جہاں ایک متوسط درجے کا آدمی تنگ آجاتا۔ مگر آپ خوش دلی سے ذکر کرتے تھے کہ شاہ خانم کے صندوق برآمدے میں پڑے ہیں ؂

ایک سال پغمان میں جو شتائیہ کے اعتبار سے بڑی پُر فضا وادی ہے، مع وزارتوں کے تشریف لے گئے تاکہ برفوں سے دور سرگرمی سے کام کرسکیں۔ آپ مع سردار عنایت اللہ خاں اور سردار محمّد کبیر خاں کے عائلوں کے صرف سات کمروں میں رہتے تھے۔ اور باقی حکومت کے کاموں کے لئے علیحدہ کر دئے گئے تھے ؂

اسی سفر میں جو البتہ سینکڑوں بادشاہوں نے طے کیا ہے ودرہ "آنکھوں اور بن آنکھوں" کی کہانی دُہرائی جاتی ہے۔ اعلیحضرت نے معلوم کر کے کہ کابل سے پشاور کی طرف یہ رستہ سب سے زیادہ قطع کوتاہ ہے۔ فوراً حکم دیا کہ ایک مکمل پختہ سڑک تیار کی جائے جو اب بہت سی بن چکی ہے ؂

سخاوت اور ایثار کے ذکر سے پہلے زہد کا بیان تھا۔ جو عیش و

عشرت اور خوراک و پوشاک کے سامان کی قلت پر قناعت کرنا ہے۔ بشرطیکہ کثرت اور فراوانی پر اقتدار ہو۔ ورنہ ع

گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

ہر کم ہمت اور سست آدمی قانع اور زاہد ہو سکتا ہے۔ مِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ۔ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ۔ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ[1]۔ اسی بڑی بھاری فضیلت کے حصول کے لئے وہ اقدامات جو اپنی ملت کی تعالی و تقدم کے لئے اعلیحضرت نے جاری کر رکھے ہیں کہاں رغبت و فرصت دیتے ہیں کہ ذاتی آسائش و آرائش کا خیال کریں۔ بوٹ کا تلا پھٹ کر جدا ہو رہا تھا مگر نیا بدلنے کی پروا نہیں تھی۔ مجبرانہ شباب میں لباس سے بے اعتنائی موجب تعجب ہے۔ اس طرف اشارہ کر کے ایک متعلم نے سالانہ جشن مکتب میں یہ اشعار پڑھے تھے ؎

کہ دیدہ است درین یکہزار سال اخیر؟ | کہ پادشاہ کند جامہ چوں گدا ز پلاس

---

[1] ان میں کوئی اپنے پر ظالم ہے۔ کوئی میانہ رو ہے۔ کوئی خوبیوں ہیں بڑھنے والا ہے۔ یہی بڑی بزرگی ہے ؎

بچشم حیرت خود دیدہ ام من اے دوم! | کہ پارہ بود زبس کہنگیش جیب لباس
شہاد و چیز نگہبانِ ملت وطن ست | جز آں آنچہ بگویند وہم دان قیاس
نخست عسکر و دوم معارف است یقیں | کہ خصم جہل نیارد بسجدِ ملک مساس
زبسکہ فہم و ذکائے تو ہر دو را کافی ست | ازیں معاملہ ام نیست ہیچ ترس و ہراس
ازیں ملیحہ مشو غرہ و ہنوز بکوش | بکارِ ملت خود صرف کن قوا و حواس

یہ انتباہ سُن کر اعلیحضرت نے حسبِ قاعدہ ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔ اور بقرارِ محاورہ فرمایا "بچشم" اور حضار کو مخاطب کر کے کہا کہ طلب علم ہی ایسی نصیحت کی محرک ہو سکتی ہے۔

یہی پٹھان بادشاہ درباروں اور رسمی موقعوں پر شاندار اور مکلل لباس میں جلوہ افروز ہوتا ہے۔ اور ایسی آن بان اور زیب و زینت کا تظاہر تجسم کرتا ہے کہ معلوم نہیں ملبوس کی وجہ سے یا ملبس کی وجاہت سے نظر خیرہ پڑتی اور آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ باغ بابر میں جو عمومی میلوں کے لئے وقف اور آراستہ کیا گیا ہے۔ شہسوار افغان ترکی ٹوپی میں نمودار ہوا۔ جو اپنوں اور بیگانوں کی نگاہ میں ایسی پھبتی تھی کہ کسی نے آپ کو خلافت کے لئے موزوں بنایا بلکہ اس کی تحریک بھی کرنی چاہی۔ حالانکہ اعلیحضرت غازی

صرف قوت اسلامی کا ایک کرشمہ دکھاتے تھے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کوئی مدّعا نہیں تھا۔ اسی طرح دولِ اسلامی کے ساتھ انعقاد معاہدہ کے وقت عام مجمع میں سیاہ پگڑی باندھ کر آئے جو افاغنہ کی ایک علامت ہے۔ اسی رنگ کی دستار کے ساتھ باقی افغانی لباس چکمن اور چپلی ہیں سمت مشرقی وغیرہ کے پٹھانوں کو ایسا مفتون و مجنون بنا دیتے ہیں کہ وہ غیروں کی کوتاہ بین عقل اور انکی دیوانگی کے الزام سے "افغان بادشاہ کے ایسا پر سر دینے سے جی نہیں چراتے

ک، مِر نه دائی لونتوب راهیری کمائی ہے

افلاطوں غندی یه ممرومر گمراه

افلاطون حکیم تھا پر صراط مستقیم پر سے نہ گذرا۔ اسی طرح اگر موجودہ عاقلوں کی حکمت پر سرحدی افغان روش پکڑیں تو اپنی آزادی سے چاہیئے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ پھر ان کی ذلّت کی زندگی گمراہی کی مرگ ہے۔ جس سے بچنے کے لئے وہ معزز پاگل ہی بہتر ہیں ؂

افغان بادشاہ کی اپنی ملّت کے ساتھ شیفتگی ہے جو ان کو ترکی، ازبکی، "ترکمانی" اور افغانی البسہ میں آشکارا کرتی ہے، اور ملّت کی اپنے بادشاہ کے ساتھ فریفتگی ہے۔ جس کو آپ کی ہر وضع اور شان بھاتی ہے،

خواہ بادشاہی لباس میں ہوں۔ مع مرصعوں تمغوں اور نشانوں کے، خواہ فوجی
ملّی اور معمولی پوشاک میں ہوں، یا لمبی ڈاڑھی کے ساتھ بھیس بدلے ہوں،
چونکہ مقصد رعایا کا تفقدِ احوال ہے خواہ کسی حال میں ہوں، ملّت حریت
کی رُوح پھونکنے والے کو، اپنی روح وروال پہچانتی ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدت را مے شناسم

⁂

حسنات و سیاہ نہ وی بین سقت

آسٹریا کے ایک بادشاہ نے اپنی سلطنت کے آغاز میں عزم بالجزم کیا کہ جب تک اپنے ملک کو قوی اور ممتاز نہ بنالوں عورتوں کی صحبت سے کلّی پرہیز کرونگا۔ پس شہر سے باہر خیمے گاڑ کر اہل دربار کو بھی گھروں میں جانے سے روک دیا۔ ایک سال یہی ثبات رہا۔ جب فرانس سے جنس لطیف کا ایک وفد آیا تو اُن کو شہر میں ٹھیرایا اور پیغاموں کے ذریعے مراودہ جاری ہوا۔ جب اُس سے مطلب براری نہ ہوئی۔ تو بعض اعیان کو اُن کے پاس بھیجا اور کچھ خود درپردہ چلے گئے۔ بادشاہ کے حضور میں اہل سفارت کی خوبیوں کا چرچا ہونے لگا۔ ع

بسا ایں دولت از گفتار خیزد

تھوڑی مدت کے بعد شہر کے اندر پھر زن و مرد اکٹھے بارگاہ ملوکانہ میں عیش و عشرت کرتے نظر آنے لگے ✦

بادشاہ آرتھر کا افسانہ بھی اِس سے کم سبق آموز نہیں۔ جب نے ہدوانفا

حد سے زیادہ بشری طاقت سے بڑھ کر محکم کیا گیا تو گرد بیز ہی سے بلکہ ملکہ اور سپہ سالار سے فضیحت شروع ہوئی۔ تا آنکہ بینین نے کہا ع

گرہ سخت خود بخود گسلد

ہر چند اعلیحضرت غازی محنت و مشقت کو اپنا لازمہ قرار دیکر دوسروں سے بھی ایسی ہی فوق العادہ خدمات کے متوقع ہیں۔ لیکن قانون فطرت کو مقدم اور مسلّم جان کر اپنے اور دوسروں کے تفریح و تفرج کے سامان مہیا کر کے خلاف طبیعت عمل پیرا نہ ہوئے حسنات میں ثابت قدم رہ کر بلکہ سبقت لے جا کر ملت کو بھی اس میں شائق اور سابق بنایا۔ مگر ساتھ ہی چمن حضوری اور چار باغ میں روشن سیر گاہوں کا اہتمام کیا اور مستورات کے لئے شہر کے اندر ایک وسیع چار دیواری والے باغ میں نزہت کی جگہ مقرر کی۔ اور عیدوں پر بعض دن باغ بابر کو ستر کے اہتمام کے ساتھ اُن کے لئے مخصوص کیا۔

حکمائے یونان اعتدالِ مزاج کو محال قرار دیتے ہیں۔ اور ایک رومانی حکیم کہتا ہے کہ کسی عادت میں افراط آسان ہے! اس کا ترک مشکل لیکن زیادہ مشکل اُس کا اعتدال میں قائم رکھنا ہے۔ جو ذواتِ کبار دینی

مدنی یا فنی امور میں موفقانہ اصلاحات کرتے ہیں وہ طبع اور عمل میں معتدل و متوسط ہوتے ہیں۔ قصد السبیل سے منحرف اور جادۂ جائز پر گامزن نہیں ہوتے ؂

جب اعلیحضرت نے اریکہ آرا ہوتے ہی ایسی مجددانہ تشبثات شروع کیں جن میں شبانہ روز فعالیت مطلوب تھی تو جو اشخاص آپ کو شہزادگی کے زمانے میں پورا انہیں پہچانتے تھے، عہد سابق کے تلخ تجربے سے قیاس کر کے سر ہلاتے تھے کہ ثبات اور پایداری جو ترقی اور کامگاری کے لیئے لازم ہے ایک زمانے کے بعد معلوم ہو گی۔ اب برسوں کے بعد جو ذاتِ شہریاری کی استقامت اور جراری، انتظام و انصرام، عرفان و عمران، اور وطن و ملت کی حفاظتِ خود مختاری میں روز افزوں مشاہدے میں آئی۔ تو معترضوں اور مخالفوں کے دل میں بھی شائبۂ شبہ نہ رہا۔ بلکہ آئے دن نئی نئی اُمیدیں باندھنے لگے ؂

علاوہ ان صفات کے جسے شیکسپیئر نے شایانِ شانِ شاہانہ سمجھا ہے۔ یعنی عدل، صدق، عفّت، ثبات، جود، استقامت، رحم، تواضع، حقانیت، تحمل، شجاعت اور صبر، افغان بادشاہ چند فضائل اور بھی رکھتے

شاہانِ مشرق کا شعار

ہیں، ایثار، حریت، مساوات، مواخات، دشمنیت اور نیت۔ جن کی وجہ سے صالح روشن فکر اور بہادر افغان آپ کی اطاعت میں عقیدت دلی سے مواظبت برتتے ہیں۔ اور اپنے مال و جان کے تدفیے کو شاہانہ قدوم غیرت لزوم پر اپنی سعادتِ جاوداں سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے امان اللہ خاں کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ ورنہ عمر کے لحاظ سے تیسرے شہزادے تھے اور اُن کے چچا نائب السلطنت بھی موجود تھے۔ جن کی چند روزہ امارت نے فروغ نہ پایا ؎

بصدق کوش کہ خورشید زاید از طلعت
کہ از دروغ سیاہ روئے گشت صبح نخست

ان میں اور کسی دوسرے میں وہ شمائل نہیں تھیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ سردار نصر اللہ خاں نے استقلال کے بلند خیال کو دل میں نہ لاکر اسی سایۂ حمایت کو غنیمت جان لیا اور اس کا اعلان کر دیا تھا اور دوسروں نے بھی اس کو قبول کر لیا تھا۔ مگر ملّتِ افغان بڑی باریک بین اور طبعاً آزاد ہے۔ مدتوں بیگانے کی پرچھائیں دیکھ کر گھبرا رہی تھی۔ سب کی آنکھیں شہزادہ عین الدولہ پر لگ رہی تھیں، مگر افغانستان چونکہ مستقل نہیں تھا۔ باہر کے لوگوں کو

اس کے اندرونی حالات معلوم نہیں ہوتے تھے یا جس عینک سے وہ دیکھتے تھے وہ اورکسی کو پیش کرتی تھی ۞

بادشاہی کے لئے امتحان و انتخاب

جب شاہجہان نے راجہ جسرتھ کی طرح یہ ارادہ کیا کہ کسی کو یووراج یا ولیعہد مقرر کرکے اپنی باقی عمر خلوت و عبادت میں بسر کرے تو سعد اللہ خاں آصف الدولہ کو شہزادوں کے امتحان پر مامور کیا۔ دارا شجاع اور مراد نے ایک دوسرے سے سبقت لیجا کر وزیر کی رضا جوئی اور تملق میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ مگر تیسرے شہزادے اورنگ زیب نے اپنے نفس پر اعتماد کرکے پورے استغنا سے کام لیا تو آصف الدولہ نے مدبرانہ دوراندیشی سے اسی کو منتخب کیا۔ جب شاہجہان نے خودرائی کی رانی کیکئی سے دیکر رامچندر جیسے پسندیدہ اوصاف ہونہار شہزادے کو رد کیا۔ تو وزیر نے احتجاج کرکے اس انتخاب سے سبکدوشی کا فرمان حاصل کرلیا۔ جب عالمگیر نے کشت وخون کے بعد تخت طاؤس پر قدم رکھا تو پہلے آصف الدولہ کو بلا کر سب فتنہ و فساد کا ذمہ وار ٹھیرایا کہ اُس نے سلطنت کے مستحق کو نہیں پہچانا تھا۔ اُس نے فرمان دکھا کر بریت پائی ۞

سعد اللہ خاں افغان تھا۔ اور ضرب المثل کی رُو سے تماشابین کو چالیس

وزیروں کی سی عقل ہوتی ہے۔ افغان اپنے مشاہدے تجربے اور فراست
سے سمجھ گئے تھے کہ بادشاہی کا استحقاق کسے ہے۔ اور انجام کار غلبہ اسی کو
ہوگا۔ کارزار کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ اور بغیر جھگڑے اور مجادلے کے
سب نے اعلیحضرت غازی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے مجتمعاً بیعت کر لی۔

اس جلوس کی یاد میں ہر سال ایک عالیشان جشن ہوتا ہے۔ جو اگرچہ
عین سرما میں واقع ہوا ہے مگر سب لوگ گرمجوشی سے اسے مناتے ہیں۔
چونکہ یہ اشعار اس عہد کا سچا خاکہ کھینچتے ہیں۔ اس لئے تخت نشینی کے
تذکار پر درج کرتا ہوں ؎

عہد امان کے چند اشعار

رعیت افغاں امین از فشار است — سراپا امان خدا شہریار است

فتادہ اگر در زمستاں جلوسش — زعدل شہ ما خزاں ہم بہار است

چہ سوز و چہ عسر و چہ زجر دریں عہد — بساز و بہ یسر و باجر دوچار است

چو زائل ز اشجار شد سایۂ غیر — نضارت بہر برگ باغ آشکار است

حمیت بر آورد نعم البدل را — کہ اینک حمایت ز پروردگار است

درو زان امر دول ملک افغاں — بتمکین و جبروت کوہ وقار است

بگلزار حریت و رفعت حق — ہمہ قوم ما نخل و سرو شعار است

بشادابئ این چمن شاه شیدا — شریک سرورش نوائے ہزار است

بمیدانِ ترفیع و ترفیہ ملت — ز شاہانِ سابق مسابق سوار است

شہان اند تنہا بتن ہا مسلط — بدل ہا ہم این شاہ ذی اقتدار است

حقوقِ رعایا باحسان ادا کرد — وگرنہ بہر حال با اختیار است

باپروے عزم و ثبات و کمالش — ترقی و اعزاز و عظمت شکار است

گل و دُر علم و فن از جود شاہی — بدامانِ جیب صغار و کبار است

جوانانِ مرہونِ عرفان شہ را — بفرزندئ معنویش افتخار است

دماغ و دلِ عالمِ عاملِ حُر — براہ وطن ہمچو برق و بخار است

بخدماتِ شاہ و غیورانِ غازی — سرو مالِ ملت برغبت نثار است

بعلم و عمل باد معمور عمرت — کہ مبنی بعلم و عمل اعتبار است

بر آ و نما جلوہ از شرق در غرب
کہ نظارہ آفاق در انتظار است

قیدیوں کے ساتھ سلوک اور اصلاحِ محبس

ملازموں سے درگذر اور ان کی وفاداری

ماموں رشید خدام کی خطاؤں سے اتنا درگذر کرتا کہ زبانِ گستاخی دراز کرتے تو جواب دیتا کہ تمہاری بدخلقی سے اپنی خوش خلقی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ عفوِ جرائم میں اتنی لذت محسوس کرتا کہ اسے گمان ہوتا گویا سارا اجر دنیا میں حاصل ہو کر عقبےٰ کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔

اعلیٰحضرتِ غازی ان معاملات میں جو اُن کے اپنے وجود کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں روزمرہ خدمتگاروں کی کوتاہیوں پر اغماض کرتے ہیں بلکہ کبھی آپ کی بردباری اُن کے تغافل و تکاسل پر حیرت انگیز ہوتی ہے۔ جنہوں نے گذشتہ عہدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اِس حلمِ ہمایونی کو نعمتِ عظمیٰ جانتے ہیں۔ اور بارہا موقع شکران پاتے ہیں۔ یہی وہ شیوہ ہے جس سے خادمانِ حضور تہ دل سے مخلص مداح اور جاں نثار بن کر اس فرانسوی مقولے کی تردید کرتے ہیں جس کی رُو سے پیش خدمت اپنے مخدوم بطل کی صمیمی تعظیم بجا نہیں لاسکتا۔

معمولی قصوروں کو معاف کرنا اور عالی نظری سے اُن کی پروا نہ
کرنا یا شفقت سے ان کی اصلاح کے درپے ہونا البتہ نوکروں کو
اپنے ساتھ وابستہ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مگر اُن میں وفا اور راستی
پیدا کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ سعد اللہ خاں جس کا ذکر ابھی آچکا ہے
ایک دن نماز کے بعد جو دُعا مانگنے لگا تو اس کا اختتام نہ دیکھ کر ایک
لنگوٹیے یار نے جو پاس بیٹھا تھا کہا کہ غریبی سے وزیری کے درجے کو
پہنچے اب کیا بادشاہی کی تمنّا کرتے ہو۔ تو جواب دیا کہ وفادار نوکر نہیں ملتا
اس کی التجا کر رہا تھا۔ اس کے لئے شاید اس صدق و صفا کی ضرورت
ہے۔ جو ندرۃً ذواتِ عظام کو بھی نصیب ہوتی ہے۔ اور جس کے مقناطیسی
اثر سے سچے لوگ نہ صرف دوست بلکہ چاکر بن جاتے ہیں۔ سب سے بڑی
مثال اس مسئلے میں جناب محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہے۔ آپ کے
اصحاب کرام کی گرویدگی کے علاوہ " ایک خادم اس خیال سے بیقرار ہو کر
رونے لگا۔ کہ دنیا میں تو مجھے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت نصیب
ہے۔ عقبیٰ میں جہاں خالقِ تعالیٰ کے لقا کے سوا تمام زمانے کے
بڑے بڑے اشخاص بلکہ اُمتیں آپ سے ملنے کی خواہاں ہونگی تو مجھے

یہ نعمت وہاں کیسے میسر ہوگی۔ یہ شانِ نزول ہے اس آیت کا وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ الخ[ل] ....

شہزادگی کے زمانے سے اعلیٰحضرت قیدیوں کے رہا کرنے میں التذاذ عفو پاتے تھے۔ چونکہ ان میں سے اکثر جرم کی میعاد سے زیادہ محبوس رہتے تھے۔ بلکہ کسی شبہ پر ماخوذ ہو کر بلا اثباتِ خطا مدتوں پڑے گلتے سڑتے تھے۔ تو اُن کو آزاد کر کے انعام دیتے اور سردیوں میں پوستینیں بخشتے تھے۔ اسی ترحم کو عہد بادشاہی میں بڑے پیمانے پر جاری کر کے ہزاروں کو رہائی عطا فرمائی تو کچھ لوگوں کو گمان ہوا کہ یہ عنایات نئی سلطنت میں محض استمالتِ قلوب کے لئے ہو رہی ہیں۔ مگر وہ بیخبر تھے کیونکہ اعلیٰحضرت تحقیقات کر کے صرف بیگناہوں کو چھوڑتے تھے۔ اور البتہ اُن کی تعداد مع ایسے مجرموں کے جو اپنے گناہ سے کہیں زیادہ سزا بھگت چکے تھے، بہت زیادہ تھی۔ دوسرے بدستور قید میں رکھے جاتے بلکہ اسی اثنا میں سات آدمیوں پہ ڈاکے اور قتل کے ثبوت جو

[ل] جو خدا اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر نعمت ہوئی ہے ۔....

بہم پہنچے تو اُن کو توپ سے اُڑانے کا حکم دیا گیا - اب یہ مجازات بہت نادر الوقوع ہے ؛

پہلے عہد میں اس طرح کی سزائیں دی جاتیں مگر مجرموں پر اثر نہیں پڑتا تھا یا منعکس ہوتا - اور وہ انتقام سے الد الخصام کی طرح اشد اقدام کرتے - اِس لئے کوئی رات نہیں گذرتی تھی جو شہر میں چوروں سے فریاد کی صدا بلند نہیں ہوتی تھی - دلاور دزد و چراغ بکف رات کو روز روشن بنائے پچاس ساٹھ کی تعداد میں پایہ تخت پر داخل ہو کر ایک مشہور آدمی کو اس کے گھر میں گولی سے مار کر رفو چکر ہو گئے - سینکڑوں قطاع الطریق سوداگری کے اموال کو اونٹوں پر لدا پہاڑوں پر لے غائب ہو جاتے تھے - باہر کے شاہی محلات میں شبخوں ڈال کر ڈاکو گراں بہا متاع ہاتھ میں لا کر اور اس طرح آراستہ ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنے نام کا خطبہ پڑھواتے تھے - معصوم بچے گلی کوچوں میں ذبح کئے جاتے تھے - اِن سیہ کاریوں کی کالی رات میں افغانوں کی قسمت کا چاند چڑھا اور اُس کے عدل و علو سے ظلمت کے آثار محو ہو گئے ؛

پہلے سال جنایت پرورده مجرموں کے قلع و قمع کے لئے توپ

کی سزا استعمال کی گئی - دوسرے برس سے مجازات کے لئے اور اقسام اعدام پر عمل کیا گیا۔ چھٹے سال ایک سخت بیباکانہ قتل کے وقوع پر اس کی طرف مراجعت کی گئی - بعد ازاں اب تک دوسرے ممالک کی طرح سزائیں دیجاتی ہیں - علیٰ ہذا القیاس اور طرح کی عقوبتیں جو حاکم کی یا فرو ختگی مزاج پر منحصر تھیں۔ قلمرو افغانستان سے یک قلم منعدم ہو گئیں - وضع قانون کے وقت اعلیحضرت فرماتے تھے کہ آغا اپنے گھر سے کسی کے ساتھ خفا ہو کر غصے میں باہر نکلتا ہے - اور مدعی یا مدعا علیہ کو جو بھی پیش ہو۔ لکڑی چھڑی لات، مکے وغیرہ سے پٹوا کر نیم جاں کر دیتا ہے - استحصال کی غرض سے بھی یہ سزا دی جاتی تھی - اب یہ حیثیت قانوناً ممنوع ہے - اور کوئی بھی کسی کو بدنی مجازات نہیں دے سکتا - الّا ان جرموں کے لئے جن میں شریعت نے دُرّے کی حد مقرر کی ہے - مہذب طریقے سے اس کا اطلاق ہوتا ہے - فرانس وغیرہ میں یہ موقوف ہے - مگر بعض مجرم سوائے اس کے اور کسی طرح کی مجازات کی جو اہلیت ہی نہ رکھتے ہوں تو اُن کے لئے چارہ کیا ہے - افغانستان میں انہی خاص صورتوں پر اس کا اعادہ ہوتا ہے - دفعۃً حاکم و محکوم فرشتے نہیں بن سکتے - شیطان کے سواروں

پیادوں، مکروں فریبوں کو قیامت تک مہلت دی گئی ہے۔ اَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ[ا] ؎

ایک غزوے کے جریان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعض شتربانوں کو جو کفار مکہ کی طرف جارہے تھے۔ پکڑ کر اُن سے دشمن کا حال دریافت کرنا چاہا۔ جب انھوں نے بیخبری کا اظہار کیا تو شکنجے میں کھینچکر اُن سے کچھ باتیں معلوم کیں۔ جب مخبر صادقؐ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ سچ کہنے پر اُن کو عذاب دیا اور جھوٹ کہنے پر اُن کو رہا کیا ؎

ذاتِ شاہانہ نے استنطاق بالجبر کے سب ذریعوں کو جو گذشتہ سلطنتوں میں مختلف اشکال میں استعمال کئے جاتے تھے قطعیاً متروک کردیا۔ اگرچہ امریکہ میں مزدوروں پر اور جاپان میں سیاسی مجرموں پر اب تک قرونِ وسطیٰ کی یہ عقوبتیں عائد کی جاتی ہیں ؎

[illegible]

پہلے پہل وہ مجرم جو قین فانہ میں تیل داغ وغیرہ کے متعود تھے۔ اِن عذابوں کے رفع ہونے سے کچھ دلیر ہوئے۔ مگر تھوڑے ہی عرصے میں جب اُن کے بیانات سے صغرا و کبرا بن کر انہی کے اظہار سے اِن کے

[ا] ان پر سواروں اور پیادوں کے ساتھ لشکر کشی کر ؎

اقرار کا نتیجہ نکلا - تو خطا کار کیفر کردار کو پہنچنے لگے - اور بہت سے بے گناہ رستگار ہوئے - جو عذابِ ادنیٰ سے بچنے کیلئے کئی بیخبر لوگوں کو مع اپنے عذاب اکبر کے منہ میں دیتے تھے - علاوہ براں یہ آلات استنطاقیہ ایک بڑا ذریعہ ارتشا کا تھا جو شاہانہ فکرِ رسا سے الغا ہو گیا ؛

بیشک امیر سراج الملّت والدّین کا نام سیاہ چاہ کو زندانوں کی فہرست سے نکالنے کے سبب تاریخ میں روشن ہو گا - مگر اس سے بدتر مصیبتیں باقی تھیں

---

۱ قین وخانہ - زمین میں ایک پھٹا ہوا کیلا گاڑ کر پاؤں کا تلا اُس کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا پھر پھٹی ہوئی جگہ میں اور میخ رکھ کر ہتھوڑا مارا جاتا - اگر ملزم اقرار نہ کرتا تو متواتر ضربوں سے ناخنوں کے نیچے سے فصد کی طرح کئی رگوں سے خون کی دھاریں نکل پڑتیں ؛

تیل داغ - کڑھائی میں جب تیل کھولنے لگتا تو جھاڑو کو اُس میں ڈبو کر ننگے بدن پر چھینٹے ڈالے جاتے - مطلب حاصل نہ ہوتا تو کئی دفعہ بلکہ کئی دن ان عقابوں کا اعادہ کیا جاتا - انگیٹھی سر پر رکھدی جاتی جس سے فوراً کھال اُتر جاتی - ہر روز پانچسو بلکہ ہزار چھڑیاں لگوائی جاتیں - ماؤف مقامات پر دوبارہ زخم سے جو درد ہوتا اُس کا تصوّر کیا جا سکتا ہے - اخیر میں بجلی کی مشین کا بھی استعمال شروع کیا گیا تھا - جس کی جدت نے چند سے ہیبت ڈالی تھی - مگر ثابت قدم مرتے دم تک اقبال نہیں کرتے تھے - خلیفہ عباسی کے دربان نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو عقابین کی سزا کے احتمال سے یہی نصیحت کی تھی اور کابل میں قائل کو خر اور منکر کو نر کہتے تھے ؛

مثلاً قیدیوں کو مع زنجیر اور بیڑیوں کے، ایک شہتیر میں پاؤں ڈالے لٹکائے
رکھنا، جس میں حلقہ دار میخیں گڑی ہوتیں اور دو میخوں کے درمیان ایک قیدی
کے پاؤں رکھ کر لوہے کی سیخ ان حلقوں میں ڈالدی جاتی۔ ہر وقت ہتکڑی کا
پڑے رہنا، ذرا خیال میں لائیے کہ طہارت میں مانع ہے!

علاوہ براں قیدخانہ اپنے سخت اور نرم عذابوں کے ساتھ رشوت کا ایک
کھلا دروازہ تھا۔ جہاں سے بے تحاشا روپیہ آتا تھا۔ جب ایک شخص تاریک
اور نمناک حجرے میں پسوؤں اور کھٹملوں کا شکار ہوتا۔ اور کھانے کے لئے
کچی اور مٹی بھری سوکھی روٹی پاتا تو سر کی خاطر زر سے گذر جاتا۔ اور گھر بیچ کر
بھی اپنی تھوڑی بہت آسائش خریدتا۔ اس کے متعلق ضرب المثل تھی کہ عاقل خود
رشوت دیتا ہے۔ ع

وگرنہ ستمگر بزور بستاند

ہم لوگ افغانستان میں قید تھے کیونکہ تعلیم اور اصلاح کے لئے
"جاں نثارانِ ملت" کی ایک جمعیت تشکیل ہوئی تھی۔ جس کے چند اعضا
(۱۳۲۶ ہجری)
توپ سے اڑائے گئے۔ ان کے بھائی بند جن کو ہمارے ساتھ کوئی راہ
و رسم نہیں تھی۔ نیز محبوس ہوئے۔ ان میں سے ایک لوہے کے بوجھ

میں دبا ہؤا آدھی رات کو اُٹھ کر خواب میں بے محابا پڑھنے لگا ؎

بندیٔ را بس بود زد و لانۂ ‏ ‏ ‏ ‏ این ہمہ زنجیر در زنجیر چیست؟

اس کی تعبیر اگرچہ بضع سنین کے بعد نکلی مگر کیسی سچی نکلی۔ اب بندیوں کے ان کے جرم کے مطابق ایک ہی پاؤں میں بیڑی ہوتی ہے اور مجرم کے رشتہ داروں کو بالکل اذیّت نہیں دی جاتی۔ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ جن خیالات اور جذبات کی وجہ سے ہم گیارہ برس قید میں رہے۔ اُن سے بدرجہا اعلٰے وافضل ذات ہمایونی نے میدان عمل میں ابراز کر دکھائے۔ ہمارے محبس کی سرگذشت اتنی طویل ہے کہ اُس کے لئے ایک جدا مجلد درکار ہے۔ جو دلچسپی، عبرت اور عجیب و غریب واقعات سے خالی نہیں ہوگی۔ میں سودا کے ایک شعر پر ہنسا کرتا تھا ؎

آزادگی بگنج اسیری ہمی رسد ‏ ‏ ‏ ‏ در گوشۂ قفس خطر و خوف دام نیست

جو خوف و خطر ہم پر طاری رہتے تھے اُن کے بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ کبھی یہ حالت ہوتی تھی ؎

تیرے ستم قفس میں بھی صیّاد کم نہیں
اب آب و دانہ دنیا بھی تو نے بھلا دیا

دس سال کے بعد بجائے اس کے کہ اتنی مدت کافی سزا خیال کی جائے، رات دن ہتکڑی ڈلوا دی جو پھانسی کا مقدمہ ہوتا ہے۔ اگر خود شہید نہ ہوتے تو ہم ہو جاتے۔ اعلیحضرت غازی نے میری عرض پر اس بندی خانے کو جہاں اخیر میں ہم محبوس تھے، درست کروا کے، مکتب میں مبدل کر دیا۔ اور خود عام محبس میں مکتب تاسیس کیا گیا۔ جہاں علاوہ مدرسے کی پڑھائی کے صنعت کی تعلیم بھی دیجاتی ہے۔ یہ میری عاجزانہ کوشش تھی، باقی امور محبس میں بہت سی اصلاحات عمل میں لائی گئیں، نظام نامہ مرتّب ہوُا۔ اور ممالک متمدنہ کی طرح توقیف اور حبس کے قاعدے جاری کئے گئے ۞

———۱-۵-۱———

جلوسِ برکت شوکت مانوس

ایک نظر اس وقت پر بھی ڈالنی مناسب ہے۔ جب امان اللہ خاں تخت پر بیٹھے۔ اہالی کی معنوی خوشحالی کے ساتھ ظاہری فارغ بالی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دفعۃً غلّے اور دوسری اشیا کا نرخ گھٹ گیا۔ گوشت جو لوگوں کی خاص خوراک ہے اور حکومت کی بیجا بندشوں کی وجہ سے کئی کئی دن ہاتھ نہیں لگتا تھا۔ فراوانی سے ملنے لگا۔ گھی جو سرکاری رعایتوں کے سبب سوائے مستوفی الممالک کی دولت سرائے کے اور کسی جگہ اور وہاں بھی ہر کسی کو نہیں ملتا تھا۔ گویا عصائے موسوی یا چوبِ طلسمی سے ایسا منفجر ہؤا کہ بنیوں، بقالوں کی دکانوں میں ڈھیروں پڑا دکھائی دینے لگا۔ ایسی

ل حوت کا مہینہ جو فروری کا اخیر ہوتا ہے کبھی اتنا سرد رہتا ہے کہ گھی وغیرہ نہیں پگھلتا۔ کابل میں ضرب المثل ہے کہ حوت اگر حوتی کند موش را درقتی یا دستِ خفتی کند چیتھی ہندی ہے جہاں چوہیا کیلئے پناہ برف سے زیادہ مہلک ہو سکتی ہے۔ پھر بھی سردی کی شدت سے وہاں چھپتی ہے کابلی فارسی میں پانچسو سے زیادہ ہندی لفظ مروج ہیں جن کو میں نے الگ کتاب میں جمع کیا ہے۔ اتنے ہی ترکی کلمات ہیں جو زیادہ تر قاف کے حرف سے پہچانے جاتے ہیں ؂

کثرت سے برف پڑی جسے لوگ قدیم زمانے کی برکات سمجھتے تھے۔ کیونکہ ضرب المثل سونے سے برف کی چاندی کو بہتر قرار دیتی ہے۔ اگر پہاڑوں پر برف نہ ہو تو دریاؤں اور نہروں کا پانی کہاں سے بہے۔ پرانی کہانیاں دُہرائی جانے لگیں کہ ارزانی کا انحصار بادشاہ کی نیت پر ہے ؛

باوجودیکہ انقلاب رُوس نے اس طرف کی تجارت کو مختل اور معطل کردیا تھا۔ اور ہندوستان کی جانب سے بھی جنگ استقلال نے صادرات و واردات کو بند کردیا۔ تِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا۔ گرانی اور پریشانی کا اندیشہ لاحق ہوسکتا تھا۔ لیکن کسی مال ومتاع میں کوئی بھی قلت ظاہر نہیں ہوئی۔ بلکہ خرید و فروخت کا بازار بیش از پیش رونق و فروغ سے گرم رہا ؛

گھر میں روزن اگر اس ارادے سے نکالا جائے کہ اذان کی آواز یا مظلوم کی صدا آئے تو عبادت یا اعانت کے لئے باہر جانا ممکن ہو، معاً ہوا اور ضیا خود بخود آجائینگی۔ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً [۱]۔ اِس حکم کی تعمیل بدیں غرض کی گئی کہ ملت غیر کے یوغ سے سبکدوش اور دولت مستقل ہو۔ جب اعلیحضرت نے اِس پر منتہورانہ ہمّت

---

[۱] ان کفار کے ساتھ جو تم سے نزدیک ہیں لڑائی کرو اور تم میں درشتی پائی جائے ؛

وحمیت سے عمل کیا تو ضمناً اور فوائد بھی مرتّب ہو گئے ۔ جو بذاتِ خود بہت مہم و مقدم تھے ؎

سلطانِ غزنوی کی وفات پر اُس کے بیٹوں میں لڑائی ہوتی ہے اور جنبک ایک اندھا نہیں ہوتا' دوسرا اطمینان سے حکومت اور جہانگیری نہیں کر سکتا ۔ ہمایوں اور کامران کے درمیان کابل چار خونریز جنگوں کا مقتل و مصرع بنتا ہے ۔ پانچویں لڑائی میں ہمایوں کامران بن کر اس بھائی کو نابینا اور مکے کی طرف روانہ کرتا ہے ۔ شہید باپ کی نعش کے سامنے بایزید یلدرم تاج اپنے سر پر نہیں رکھتا ۔ جب تک دوسرے بہادر بھائی کو بھی شہید نہیں کر ڈالتا ۔ بھائیوں کے محاربات کی وجہ سے استنبول اِس طرح ہاتھ سے نکلنے کو تھا کہ تسلّطِ تیموری سے نہ نکلا تھا ۔ تا کہ ایک بھائی دوسروں کو مقتول کر کے سلطنتِ عثمانی کا بانیٔ ثانی بنتا ہے ۔ ترکی سلاطین سے مغلیہ بادشاہوں کی طرف کیوں جائیں ۔ تیمور شاہ کے بعد بھائی بھائی کا تنازع تھا جس نے افغانستان کو سکھوں اور انگریزوں کا جولانگاہ بنا دیا ۔ اِس کے بعد امیر کبیر کو اپنے بھائیوں کے ساتھ اور اس کے بیٹوں کو ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان دیکھئے ۔ جب تک

بادشاہ کے بعد شہزادوں میں تخت کے لئے تنازع

کشت و خون سب کو ہلاک اور فرار اور ایک کو غالب قرار نہیں دیتا۔ ملک میں آرام و امن پائدار نہیں ہوتا۔ بیشک امیر ضیاء الملت و الدین کے بعد دو بھائیوں میں مفاہمہ ہو گیا۔ مگر ایسا تشبث عمل میں نہ لایا گیا جس سے ملک دوسری دولت کی ما دونی سے نکل کر دول کے زمرے میں شمار ہونے لگتا۔ اگر سردار نصر اللہ خاں کو جیسا کہ سردار عنایت اللہ خاں نے امیر تسلیم کر لیا تھا۔ اس مراسلے کے مطابق جو دولتِ مافوق کو پہلی حالت برقرار رکھنے کے متعلق لکھا تھا، تخت نصیب ہو جاتا تو افغانستان اسی حماتِ مخذولانہ میں مصروع ہوتا۔ اسی خطرے سے شہزادہ امان اللہ خاں نے اپنی مانند کسی کو حر جوانمرد اور خادم دین و ملت نہ دیکھ کر اولو العزمی کی کمر اس طرح باندھی کہ تاریخی خانہ جنگی میں ایک قطرہ خون ٹپکانے کے بغیر، بر و بحر میں کامیابی اور شہرت حاصل کی۔

اصحابِ کبارؓ کی مجلس میں جب مَنْ اَشْجَعُ الْعَرَب کا سوال اُٹھا تو اسد اللہ الغالبؓ نے کسر نفسی سے اپنے حق میں حصار کا اظہار مسترد کر کے صدیق اکبرؓ کو اس کا مستحق قرار دیا۔ اور اس تفضیل کی یہ دلیل پیش کی کہ جب غزوۂ احد میں صحابہؓ بالنوبت شریک کارزار اور محافظ وجود مسعود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تھے، تو آپ سراج منیر کے گرد پروانہ وار

طوف کر کے جب ہر طرف سے تامین کر لیتے تو صف کفار پر حملۂ قتالانہ کرتے اور پھر محافظت کے لئے حاضر ہو جاتے۔ عین زمان میں دو اہم کام کرنے کی فضیلت دورِ خلافت میں یوں بارز ہوئی کہ باوجود مسیلمہ کذاب وغیرہ کی مدافعت کے لئے ہزاروں مبارز کی ضرورت کے، اس لشکر کو جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہر سوق فرمایا تھا، واپس نہ بلایا، بلکہ مسلمانوں کی توجہات کو منافرت سے اکھاڑ کر تسخیرِ جہان پر لگایا۔

اعلےٰ حضرت غازی نے ایک طرف تحقیقات کے بعد جس کے آخری دن متواتر سات گھنٹے ایک زبردست قانونی وکیل کی طرح جرح و قدح کے ساتھ مسلسل و مربوط تقریر کی، اپنے شہید باپ کے قاتلوں کو حبس دوام اور اعدام تک کی سزائیں دیں، دوسری جانب تدبیر و تالیف سے سمت مشرقی کے خودسر عساکر کے ہیجان کو فرو کیا۔ پھر داخلی ادعا اور اختلال کو زیرِ نظر حراست رکھ کر ملک کے اکناف میں لشکر کشی کی۔ جو کامگاری اور مظفریت نصیب ہوئی۔ قریبی تاریخ کے ملاحظے سے بے نظیر ہے۔

انگریزوں کے ساتھ پہلے بھی لڑائیاں ہو چکی ہیں۔ جن میں قندھار

تابِ مقاومت نہ لاکر حملہ آوروں کو اور تعرض کی جسارت دیتا تھا۔ سمت جنوبی دارالسلطنت کے محاصرے کے لئے راہ کوتاہ ثابت ہوتی تھی۔ جلال آباد کو آسانی سے چھاؤنی بنا کر اطمینان سے کابل کو اپنے قبضے میں لاتے تھے، اِس کے بعد انگریزوں کو مشکلوں کا سامنا ہوتا تھا۔ جو اب کے اوّل مرحلے میں پیش آیا۔ حالانکہ بڑی یورپی لڑائی کی منصوبیت نے سامانِ حرب اور معنویات میں ایسی افزونی کر دی تھی کہ دنیا نے اُن کے ساتھ متفق ہو کر حیرت سے کہا۔ کہ جوان امیر برطانیہ کے تکبر اور جبروت کے سامنے کیوں اتراتا ہے۔ اس کی خامیٔ نوجوانی بلکہ دیوانگی کو ابھی کابل میں چل کر ٹھیک کر دینگے۔ لیکن جلدی معلوم ہونے کو تھا کہ اس دفعہ ایک پختہ عقل اور مدبّر جوان سے پالا پڑا ہے۔ تاریخ کے خلاف ٹھل پر افغانی گلہ باری ہوئی۔ جس سے ایک جہان متوقع حیرت کے خلاف متحیر ہو گیا۔ قندھار مصئون اور اُس کی سرحد بن غازیوں سے مشحون رہیں۔ بالتحقیق ڈکہ انگریزی تصرف میں چلا گیا۔ لیکن کیوں وہاں سے پیش قدمی جلال آباد کے قبضے تک نہ پہنچی۔ بلکہ اخیر میں وہاں سے بھی لوٹنا پڑا۔ وہ محاذ جو چمن سے چترال تک ممتد تھی۔ اور جس پر سے

وہ فوجیں اُمنڈ رہی تھیں۔ جنہوں نے جرمنی اور ترکی کو کچل ڈالا تھا، کابل میں ایک قوت اس کا دفاع کر رہی تھی۔ اور امان اللہ خاں کا ترو تازہ دماغ جہاں درماندہ خارجی مقابلے کے لئے مکتفی تھا، کیونکہ یہی ایک عذر پیش کر سکتے ہیں، وہاں داخلی مفاسد کا بھی عین اسی وقت استیصال کر رہا تھا، جس کا ذکر اب ہو گا ؎

فتنہ پردازوں کی بیخکنی اور اصلاح و تقدم

جس وقت اعلیحضرت غازی اپنے استقلال کو بحال رکھنے کیلئے انگریزوں جیسی قوی اور غالب قوم کے ساتھ جنگ آزما ہو رہے تھے۔ تو بس یہی ان کی خارجی فعالیت کی حد نہیں تھی۔ بلکہ افغانی نمایندے روس کے راستے یورپ میں اُن کی خود مختاری کا اعلان کر رہے تھے۔ اور بعض ازبکوں اور ترکمانوں کے ممالک میں اپنے رسوخ اور نفوذ کا سکہ جما رہے تھے۔ ان جمعیتوں کا ادارہ بھی باوجود بعد مسافہ کے ذات شاہانہ کے ہاتھ میں تھا۔ اور ہمیشہ اُن کو برمحل ہدایات سے موفقیت کا موقع بخشتے تھے۔ عجیب بات ہے کہ جس قوت کے ساتھ پہاڑوں میں مقابلہ تھا اسی کے ساتھ صحراؤں میں بھی مقاومت کرنی پڑی!

رُوس خانہ جنگیوں میں اتنا مصروف تھا کہ دور دراز علاقوں میں اسے حکومت کی نہیں سوجھتی تھی۔ اِس لئے وہاں کے باشندوں کو افغانوں نے سنبھالا اور اعلیحضرت غازی کے فرمانوں سے اُن کے مشکل مسائل فیصلہ

ہوتے رہے - اور انگریزوں کی وہاں بھی نہ چل سکی - باوجود ان مشغولیتوں کے جن کی وسعت تقریباً نصف دنیا پر حاوی تھی، ذاتِ شاہانہ نے افغانستان میں جدید تشکیلات بھی قائم کر دی تھیں - اور اُن کی رُو سے اگر فوق العادہ سفیر مقرر ہو کر باہر گئے تھے تو وزیر اور مدیر نئے فرائض اور وظائف کے ساتھ ملک کے اندر کام کر رہے تھے - باوصف اس انہماک کے آپ کی امعانِ نظر نے ایسے اُمور کی سراغ رسانی کی جس سے بے خبری نہ صرف حیاتِ بادشاہ بلکہ ملت کی زندگانیٔ جاودانی کے لئے مہلک ہوتی ۔

ڈکنس نے ہر زمانے کو اچھا اور بُرا، بہار اور خزاں، اور خوشنما و ناگوار بتایا ہے - کیونکہ اِس جہان اضداد آباد میں بعضوں کے لئے عدل و اصلاح شہد ہے - تو دوسروں کے کام میں وہی زہر ہے - لاجرم اعلیٰحضرت غازی کا عہدِ ہدایت عہد ایک شر زمۂ اشرار کے لئے سمِ ہلاہل ہُوا - اہل تصوف نے قرون و اعصار کو مظاہر صفاتِ خداوندی قرار دیا ہے - اگر ایک زمانے میں غضب اور اضلال کی صفت غالب ہوتی ہے تو دوسرے وقت رحمت اور ہدایت ظلموں اور گمراہیوں کو دُور کر کے عدل و عرفان کو شائع کرتی ہے - یہی سلسلۂ متناوبۂ عسر و یسر، سوز و ساز، اور زجر و اجر، مختلف

ہزار آرتجمبر ۱۳۰۱ء

بادشاہوں بلکہ حاکموں کے وجود میں بھی پایا جاتا ہے، اور گذشتہ و موجودہ حکومتیں اپنے متعدد ادوار میں "سختی و نرمی" اور درشتی و ملائمی کی معارض ہیں۔

دورۂ امانیہ میں معائب و مصائب کا ازالہ ہو کر عرفان و عمران کے چشمے پھوٹ نکلے! ایک عجیب و غریب قدرتِ کردگار ہر جگہ آشکار ہے۔ اگر کوئی انسان عظیم الشان بنے تو اُس کے جسم اور قوٰی کو عظمت کی استعداد کس نے بخشی؟ اگر آدمی اپنی کوشش سے بزرگی پاتا ہے اور بے شک پاتا ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ اس کے وجود کی نعمتِ عظمٰی اس کی کونسی سعی کے بدلے میں ملی؟ البتہ مشیتِ ایزدی یہی ہے کہ یُوتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ۔ جب ایک شخص میں اہلیت اور صلاحیت ہوتی ہے تو اس کو مواقع اور فرصتیں پیش آتی ہیں۔ اور بعض صورتوں میں قضا و قدر اس کا ساتھ دیتی ہے۔ امیر سراج الملت و الدین کا چراغ گل ہوتے ہی ایک مشہور شیخ شریعت جو سابق عہد میں مداہنت اور تاویلات سے عیاشی کو دینی رنگ دینے میں ماہر تھا تپ محرقہ سے فوراً رخصت ہو گیا۔ ایک معروف پیر طریقت جس نے پہلی سلطنت کو اپنے مقدس سلسلے میں ایسے

قضا و قدر کی مدد

جکڑے رکھا کہ مقاماتِ مقدسہ پر کفر آ چھایا۔ اور مسلمان افغان اپنی جگہ سے
ہل نہ سکے، بیخبرانہ بیماری سے دفعتہً رحلت کر گیا۔ یہ تو قضا و قدر کے
حوالے ہوئے۔ جس میں انسانی دخل بالکل نہیں تھا۔ ایک تیسرا شخص۔ جو
فی الواقع افغانستان کا وزیر اعظم تھا اور اسی جیسے مدبر کے متعلق فرانسوی
لوئی نے کہا تھا کہ میرا چانسلر ہے تو بدمعاش مگر میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا،
پہلے تو جلال آباد میں سپاہیوں کے ہتھے چڑھا اور جتنے ظلم و ستم اُس نے
ملت پر ڈھائے تھے اُس کی گردن پر واقعی سوار ہو کر اُس پہ ڈالے گئے

ے

کہ ندیدی لانقش در پے اثر　　کے نکو کردی و کے کردی تو شر
حاجتت ناید بعقبیٰ آمدن　　گر مراقب باشی و گیری رسن

اس کو اعلیحضرتِ غازی نے ایک درخت کے ساتھ پھانسی دینے کا حکم دیا
جس کے سامنے اُس نے شاہی خاندان کے ایک بے گناہ جوان کو اقدامِ
سلطنت کی تہمت لگوا کر مروایا تھا۔ یہ ایک خونِ ناحق تھا منجملہ اُس کے
بے شمار گناہوں کے، جن کی پاداش میں اُس کے وہ عالیشان محلات
جو دولت کے روپیوں کی اینٹوں اور خونِ رعیت کے گارے سے

بنائے گئے تھے، ضبط ہو کر رفاہ عام اور حکومت کے مفید کاموں میں وقف کئے گئے۔

اِن عبرتوں سے متاثر ہو کر اکثر فساد پیشہ لوگ حقانی دیدیے اور غلبے کے سامنے سرنگوں ہو کر نادم و تائب یا اقلاً زمانہ سازی کر کے حق پرست اور باطن پرور ہو گئے۔ اور تطبیق قول کے لحاظ سے کہ مبادا معرضِ نفاق بنیں فعلاً بھی اعمالِ صالحہ و نافعہ میں مصروف ہو گئے یا اور اُن کے بعض پختہ مقسد یا ذاتی مفتن رہ گئے۔ جنہوں نے صدق و صفا کے سورج ہی کو بے نور کرنے کا منصوبہ باندھا اور جو مقصد یر طانی طیارہ شاہی حرم سرائے میں بم گرا کر حاصل نہ کر سکا۔ اُنہوں نے افغانی بندوق سے کرنے کا ارادہ کیا۔ جب اِس جمعیت کی اطلاع بیدار اور ہوشیار بادشاہ کو ملی۔ تو بغیر ذرا سی گھبراہٹ کے مختلف مخبروں کو جو ایک دُوسرے سے بے خبر تھے، تحقیق اور تصدیق کے لئے مقرر کیا۔ ایک شخص کو سازش مذکور میں شریک کر دیا۔ جب اس کی خبریں اور دوسرے جاسوسوں کی اطلاعات باہم مطابقت کھانے لگیں۔ تو ایک رات اعلیحضرت نے اثنائے اختلاط میں فرمایا کہ کل فلاں طرف ہوا خوری کے لئے جاؤنگا۔ چنانچہ اسی طرف

یعنی پغمان کو تشریف لے گئے۔ مگر امین العسس اور ایک فوجی افسر کو مع چند سپاہیوں کے تبدیلِ لباس میں پہلے بھیج دیا۔ جنھوں نے آٹھ آدمیوں کو مع بندوقوں کے تھوڑے سے مقابلے کے بعد گرفتار کر لیا ؛

یہ شخص چند دن قید میں رہ کر استنطاق کے بعد حضور میں پیش ہوئے۔ اعلیٰحضرت نے اعیانِ دربار اور دوسرے شرفا کے سامنے جو بہت سی تعداد میں حاضر تھے۔ دردانگیز الفاظ میں فرمایا کہ "میرے قتل کا ارادہ اس حالت میں سزاوار تھا۔ جب میں نے کسی پر ظلم کیا ہوتا، دینی امور میں غفلت کی ہوتی، یا دنیا کے عیش میں پھنسا ہوتا۔ مجھ سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی جس سے کسی لڑکے یا لڑکی یا اُن کے والدین کو شکایت کا موقع ملتا"۔ حکایت کی ادامت سے قبل اس تلمیح کی توضیح لازم ہے :-

اعلیٰحضرت عفت و عصمت کے اعتبار سے نہ صرف بادشاہوں میں بلکہ صلحا میں اسوۂ حسنہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ ایک افغان سردار نے جو کشمیر میں بادشاہی کرتا تھا مسجد کی تاسیس کی تقریب پر ہزاروں حاضرین کو مخاطب کیا کہ جو عمر بھر عفیف رہا ہو۔ وہ میرے ساتھ آکر سنگِ بنا رکھے۔ صرف ایک ہندی افغان نکلا۔ خلقت کی گنہگاری کا یہ عالم ہے کہ حضرت مسیحؑ

نے جب ایسا ہی سوال کیا تھا تو کوئی بھی ہجوم حضار میں سے کھڑا نہ رہا شرمندگی چھپانے کے لئے سب غائب ہو گئے۔ ذاتِ شاہانہ خوبیوں سے آراستہ، ایسا نمونہ پیش کرتے ہیں کہ اینٹمنی کی طرح فطرت کو اُن کی انسانیت پر گواہ لا سکتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے مبارک زمانے سے سلطان ابراہیم پارسا کے غزنوی عہد تک، اور احمد شاہ کے وقت سے اب تک کیا بادشاہوں میں کوئی مثال ہے۔ جس نے کثرتِ ازواج کی معقول اور معمول مخالفت کی ہو؟ ذاتِ شاہانہ نے اپنا یگانہ نمونہ اس بارے میں پیش کر کے آئین و تلقین سے ملّت کو بھی اس کی تقلید کی تاکید کی ہے۔ اِنْ لَمْ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً[1] کے ساتھ دوسری آیت کو پڑھا جائے۔ وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا[2]..... اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی اہلیہ ہو اور عدل ہرگز نہیں کر سکو گے۔ تو صریحاً یہی فیصلہ ہوتا ہے کہ عام اجازت زیادہ عورتوں کی نہیں رہتی۔ اِس لئے خاص حالت میں رخصت کی ضرورت پڑی جس کو ذاتِ شاہانہ نے قانون میں واضح کیا کہ اگر ایک سے اولاد

---

[1] اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی عورت ہو ۔

[2] ہرگز عدل نہیں کر سکو گے .... ۔

نہ ہوتی ہو یا اور کوئی معقول وجہ ہو تو دوسری زوجہ کے لئے شوہر اپنے عدل کی استعداد کے گواہ اور ضامن دے۔ ایسے بہت سے قوانین جو حقیقۃً شرع کی تقویت اور مسلمانوں کی رفاہیت کے لئے بعض علمائے متنور کی تطبیقات سے وضع کئے گئے تھے، دوسرے علمائے دین کی مخالفت کا مورد بنے۔

کچھ مُلّاؤں نے خوست میں بغاوت کا جھنڈا گاڑ دیا۔ باغیوں کو باہر سے بھی تحریک اور مدد پہنچنے لگی۔ معاملہ بہت نازک تھا۔ کیونکہ اعلیحضرت آوانِ شہزادگی سے سمتِ جنوبی کے افغانوں پر خاص نظرِ عنایت رکھتے تھے اب اُن کو قتل کرنا کیسے گوارا کرتے، اِس لئے باوجود اِن کے حملوں اور خونریزیوں کے اپنے افسروں کو متواتر ہدایات دیتے رہے کہ صلح کی کوشش اور اُن کو مارنے سے پرہیز کی جائے۔ جب ہزاروں جانیں طرفین سے تلف ہوئے بغیر نہ رہیں اور باغیوں نے بہت غلبہ حاصل کرلیا، تو اعلیحضرتِ غازی نے جو فی الواقع اس محاربے کے سپہ سالار تھے۔ اور ٹیلیفون کے ذریعے احکام دیتے تھے، چاروں طرف سے ان کو محصور کرنے کا ارادہ جاری کیا۔ ان مراحل میں بعض اوقات پریشانی

سمتِ جنوبی کی بغاوت

ابتری کے درجے کو پہنچ جاتی تھی۔ اور ذاتِ شاہانہ کو مشورے دئے جاتے
تھے کہ ایک سلطنت کے مختلف حصّوں میں مختلف قانون ہوتے ہیں۔
اس سمت کیلئے جو ایک جداگانہ ولایت ہے۔ اگر قانون میں ترمیم کرکے بغاوت
فرو کر دیجائے تو ممکن اور مناسب ہے۔ مگر "ایک بام اور دو ہوا" ایک
ملّت اور دو شریعت" آپ کے تدبّر سے دور تھیں۔ آپ یہی اصرار
فرماتے رہے کہ یہ قانون اور بے قانونی کی لڑائی ہے۔ اس میں مسامحت
آیندہ کے لئے وخیم ہوگی۔ بہتر ہو کہ قطعی طور پر ایک دفعہ فیصلہ ہو۔
دوسری بات جو اعلیحضرت نے پسند نہ کی پرانی طرز تھی۔ جس کے موافق
باغی لڑ رہے تھے۔ اور اکثر ولایات سے ملّت انہی طریقوں کے مطابق ان کا
مقابلہ کرنا چاہتی تھی، مگر ذاتِ شاہانہ نے اُن کی کمک کو قبول کیا۔ مگر
نظامی افسروں اور عسکری لباس کے ساتھ میدانِ جنگ میں اُن کو بھیجا
اور فوجی ضابطے کو جو اس عصر میں رائج ہے۔ بہرحال قائم اور محکم رکھا آخر
قانون اور قاعدے کی فتح ہوئی *

جب باغیوں کا پورا محاصرہ کیا گیا۔ تو بعض مفرور ہوسکے۔ باقی مقتول
منقاد اور گرفتار ہوئے۔ ان کے مُلّا پکڑے گئے۔ اور عام مجلس میں بُلا کر

اُن کو قائل کیا کہ جہالت کی وجہ سے قانون کی مخالفت کرتے تھے۔ جو
سراسر شریعت کے مرادف تھا۔ پھر اتنی سخت لڑائی کے بعد صرف پندرہ
آدمیوں کو گولی سے مارنے کا حکم دیا۔ کچھ مدّت سمتِ جنوبی میں قانون حربی
نافذ رہا تا کہ اعلیحضرت ولایات کی تفتیش کے دورے میں وہاں بھی تشریف
لے گئے۔ اور سب لوگوں کو چند دن دربار میں بُلا کر مختلف قوانین کا جس کی
وجہ سے جنگ چھڑی تھی، درس دیتے رہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص
بھی نہ رہا جو اپنی نادانی پر نالاں اور اعلیحضرت کی اصلاحات کا ثناخواں
نہ ہوا ہو۔ مکتب مستورات کی لڑکیوں نے جو اس مجلس میں بلائی گئی تھیں
ملّاؤں اور خانوں کے سامنے دینی اور تاریخی مسائل بیان کئے۔ جس سے
سب پشیمان حیران اور شادماں ہوئے کیونکہ تعلیم نسواں بھی اسباب
جنگ میں سے تھی۔ اب شور مچانے لگے کہ ہم بھی اپنے علاقوں میں
مکاتبِ مستورات جاری کرینگے۔ مگر ذاتِ شاہانہ نے معلّمات کی قلّت کے
عذر پر اُن کی تمنّا کو ملتوی کیا۔ مگر علاوہ موجودہ مکاتبِ ذکور کے پچاس
اور مکتب تاسیس کرنے کا حکم دیا۔ جو اب جاری ہوگئے ہیں +

اعلیحضرت نے اس لڑائی کو علم کی جہل پر فتح قرار دیا۔ اور اس کی

توضیح مینار کے کتبے میں کی گئی جو یادگار میں بنایا گیا۔ یہ واقعۂ سمت جنوبی وہ مرحلۂ ہائلہ تھا جو متجدد حکومتوں کے در پیش آتا ہے۔ اس کا بیان بہت عظیم بالشّان اَور جدا ہونا چاہیئے، مَیں نے شروع میں اشارہ کیا تھا کہ ایک قدیم مؤرخ کے قول پر بڑی بڑی فتوحات سے انسان کی عظمت معلوم نہیں ہوتی۔ اِس لیئے مَیں نے زیادہ روزمرہ کے حالات لیئے ہیں۔ اتنا کہدینا لازم ہے کہ جب آدمی تجدد کی قابلیت رکھتا ہو جو بہت بڑی بشری خیر خواہی ہے اَور مصلح حقیقی ہو تو لطف الٰہی اُس کے شامل حال ہوتا ہے۔ چنانچہ اِسی بغاوت کے دَوران میں ایک وقت ایسا آگیا تھا کہ سارا افغانستان گویا آتش فشاں بن جائیگا۔ آگ ہر طرف برسنے کو اور زمین جھٹکا کھانے کو تھی جس سے ابھی مہلک طور پر زیر و زبر ہو جاتی کہ جیسا کسی کو باوجود علم الزلزلہ کے متخصّص ہونے کے مطلق نہیں ہوتا کہ بھونچال سے کیوں دھرتی نہ اُلٹ گئی، بغاوت عین غلبے میں فرو ہو کر کامل امن و سکون قائم ہو گیا!!!

جس وقت یہ لڑائی بڑے زور شور سے جاری تھی تو ذاتِ شاہانہ نے تمام افغانستان کے علما اَور وکلا کو مدعو کر کے ایک بڑی بھاری مجلس

منعقد کی جس کی کارروائی ایک علیحدہ کتاب میں شائع ہو چکی ہے۔ اِس لئے مختصراً ذکر کرنا مناسب ہے۔ کہ آپ دس دن متواتر ہزاروں آدمیوں کے سامنے کھڑے ہو کر برابر سات گھنٹے روزانہ سب قانون کو پڑھتے تھے اور تمام حضار کو بحث اور تنقید کا موقع دے کر پھر خود تردید کرتے تھے۔ یہ منظر افغانستان میں تو بے مثل تھا بلکہ برعکس تھا۔ کیونکہ اعلحضرت کے باپ دادا ایسے مجمعوں میں سوائے اِس کے کہ مجملاً اپنے احکام تعمیل کے لئے سنوا دیں کسی کو جرح و قدح کا نہ موقع دیتے تھے نہ کوئی جرأت ہی کر سکتا تھا، دوسرے ملکوں میں بھی اس کی تاریخی نظیر کم ملے گی۔ ایک خود مختار بادشاہ اپنی ملّت کے مبعوثین اور خوانین کو صبح سے لے کر شام تک لیکچر دیتا ہے اور جو غلط فہمیاں جاہل ملّاؤں اور خود غرض لوگوں نے پھیلا رکھی تھیں۔ ایک ایک کرکے سب کو دُور کرتا ہے۔ اگرچہ عین اسی وقت گھمسان کی لڑائی جاری ہے۔ مگر ناصیۂ ہمایونی پر آثار و افکار ظاہر نہیں ہونے پاتے۔ ایک وسیع شامیانے کے نیچے کمال حشمت کے ساتھ بادشاہی دربار ہو رہا ہے۔ جہاں ذاتِ خسروانہ بتمامت سلامت طبع نطق فرما رہے ہیں۔ اور نکاتِ آئینی کو ایسی

براہین سے وضاحت دے رہے ہیں۔ جن کو علے الرغم ملاؤں کی تاویلوں کے، سامعین کا اپنا تجربہ مصدّق پاتا ہے۔ کچھ میں دورا یسا کشت و خون ہو رہا ہے۔ جس میں فریقین اعلیحضرت کے اپنے دو بازو ہیں۔ اور اس کا افسوس خاص خاص موقعوں پر کرتے ہیں۔ مگر عام طور پر بادشاہی تیور سے غم و غصے کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی۔

یہ آپ کی طبیعت کا ایک خاصہ ہے کہ اپنے احکام منوانے میں بہ نسبت سختی کے نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ ایک دفعہ فرماتے تھے کہ مجھے ایک جمہوری غازی نے یہ نصیحت کی ہے کہ قوت سے استفادہ کرکے ملک میں تجدد کی اشاعت کرنی چاہیئے مگر میں چاہتا ہوں کہ ملت کو معترف اور قائل کرکے ان کی اپنی رضامندی سے اصلاحات کی ترویج ہو۔ راقم سامع افشائے تعجب کئے بغیر نہ رہ سکا کہ رئیس جمہوری کو عمومی خوشنودی ملحوظ ہونی چاہیئے۔ اور مطلق العنان بادشاہ کسی فردِ ملّت کی پروا نہیں کیا کرتا۔ یہ معاملہ برعکس ہے البتہ افغانستان کی غیر مترقبہ سعادت اور فوق العادہ رشادت کا باعث ہے۔ فی التحقیقت رعیّت کی خوش بختی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ بادشاہ ایک طرف

اصلاح میں نرمی اور اطمینان

محاربے کا انتظام کرتا ہے اَور جب میدانِ جنگ سے خونریزیوں کی خبریں آتی ہیں تو اُن سے کچھ بھی متاثر نہ ہو کر ملّت کے تنویر افکار میں مصروف ہے تاکہ اُن کی اصلاحات کو جابرانہ خیال نہ کریں ؛

عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوجی معائنہ فرمارہے تھے کہ مخبر نے آپ کے کان میں اطلاع دی۔ جبلہ ایہم پچاس ہزار غسانی سواروں کے ساتھ سرحد عرب میں داخل ہوُا ہے۔ خلیفۃ المومنین کے چہرے پر کوئی تغیّر ظاہر نہ ہوُا۔ اور بدستور اپنے کام میں لگے رہے۔ حالانکہ اتنا بڑا عربِ متنصرہ کا سردار اگر موافقت کے ارادے سے وارد ہوُا تھا تو مسرّت، ورنہ اندیشے کا اظہار بے اختیار ہوتا۔ اِسی طرح جب وہ مسلمان بن کر آیا اور مرتد ہو کر بھاگ گیا تو بھی فتوّت اور غیورانہ استغنا سے سلوک کیا ؛ اگرچہ جاپان کی طرح مسلمانوں میں سمورائی تربیت کا کوئی اہتمام نہیں۔ مگر اسلام کی تسلیم ذواتِ عظام کو ایک بلند درجے کی مردانگی و مروّت بخشدیتی ہے۔ اور وہ خطرات سے اضطراب میں نہ پڑ کر اپنے فیاضانہ فرائض کی دُھن میں لگے رہتے ہیں ؛

اِس سے پہلے عصمت کا ذکر تھا۔ اعلیحضرت نے شروع سلطنت

میں حرم سرائے سے تمام لونڈیوں کو آزاد کر کے نکال دیا۔ پھر فرمان واجب الاذعان صادر کیا کہ کسی کے ہاں مسلمان باندیاں نہ رہیں۔ اور اگر ان کے ساتھ کوئی نکاح کی خواہش کرے تو پہلے اُن کو آزاد کر کے اپنے گھر سے باہر بھیجدے بعد ازاں اُن کی رضا اور اُن کے حقوق ادا کر کے ازدواج میں لائے۔ اِس شاہانہ حکم کی تعمیل سے نورستان ہزارہ جات سیستان وغیرہ میں بہت سے گھر از سرِ نو آباد ان و شاد ان ہوئے۔ جوانوں کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ ایک بڑھیا کو روتی ہوئی سُنا جو فرطِ سرور میں یہ کہتی تھی کہ ایسے بادشاہ کی موٹر کے سامنے لیٹ کر قربان ہو جاؤں گی۔ جس نے مجھے آزادی بخشی۔ اعلیحضرت ہمیشہ اِن بیکسوں اور مصیبت زدوں کی تالیف و تسخیرِ قلوب میں ساعی رہتے ہیں جن کی دعا پر ع

اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

ذاتِ شاہانہ کی اِس نیت اور خصلت کی وجہ سے وہ احرار اور جوانانِ آزاد جو بادشاہوں کے سامنے نہیں جھکا کرتے، اعلیحضرت کے حلقہ بگوش بن گئے۔

گہ بلطف آزادۂ را بندہ ساز ؎

گہ باحسان بندۂ آزاد کن

پھر اس سازش کی خبر لیتے ہیں۔ اعلیحضرت نے مجرموں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آرام و راحت کو ترک کر کے رات دن ملّت کی رفاہ و آسائش کی فکر میں رہتا تھا۔ اِس لئے اپنی جان کو تہلکہ میں ڈالا۔ زحمات و آفات کا مقابلہ کر کے وطن کے لئے وہ نعمتِ عظمیٰ حاصل کی۔ جو مدتوں سے میسّر نہیں تھی۔ اعلام کیا جو شخص صلاح کی صلاح دے۔ موجب ممنونیت ہو گی۔ اگر کوئی نقص میری حکومت میں نظر آتا تھا۔ تو کیوں مجھے اس پر مطلع نہ کیا۔ ایسی حالت میں جب ملّت غزا میں داخل ہے اور مَیں بھی اس کے ساتھ شامل ہوں، ایسی جمعیت کیوں قائم کی۔ جس سے اعدائے دین کی شماتت اور فتنہ و فساد کی ہنگامہ آرائی ہوتی۔ اس وقت بھری تقریر میں میری طرف دیکھ کر تبسّم سے فرمانے لگے کہ تم نے بھی ایک مجلس تشکیل کی تھی۔ مَیں نے عرض کی کہ وہ آپ جیسے بادشاہ کی متابعت اور جان نثاری کے لئے تھی اور یہ بر علیہ ہے ٭

ملزم سر جھکائے کھڑے اور ہر ایک بات کا جو ذاتِ شاہانہ پوچھتے۔ اثبات میں جواب دیتے۔ نہایت پشیمانی سے اپنے سارے قصوروں کا اعتراف اور سب قاتلانہ تجویزوں کا اقرار کرتے جاتے تھے۔ بعض کے

اعضا سے بھی بزبانِ حال گناہ کا اقبال ہوتا تھا۔ کوئی بھی کسی طرح کا عذر یا حیلہ نہیں تراشتا تھا۔ گویا قیامت صغرا برپا تھی۔ یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ[1] جب یہ لوگ شامِ غریباں کے وقت توپ سے اُڑائے گئے تو اہالیٔ کابل نے شکر کیا ؎

اعلیحضرت کی روز افزوں ہر دلعزیزی کا اس سے مقائسہ ہو سکتا ہے کہ اس سانحہ کے پانچ سال بعد جب پغمان میں جشن استقلال جلال اور شان کے ساتھ گرم و رواں تھا۔ تو شہر میں ناگفتہ یہ افواہ اُڑ کر مشتہر ہو کے ہول و ہراس کے منتشر ہونے کا باعث ہوئی ؎

ایک نوعِ مراقبہ جس نے غرب میں ہپنوٹزم کی شکل اختیار کی ہے شرق قدیم میں ایک صورت اُس کی یہ تھی کہ چند آدمی خلوت میں بیٹھ کر توجہ ڈالتے۔ ایک کہتا کہ بادشاہ مرض میں مبتلا ہو گیا۔ دوسرا تائید میں بولتا کہ بیماری شدت پکڑ گئی۔ باقی تدریجاً دعوے کرتے جاتے۔ کہ نزع کی نوبت پہنچ گئی۔ اُس طرف بادشاہ بھی تھوڑی دیر میں مریض ہو کر

---

[1] اس دن ان پر اُن کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں گواہی دینگے جو وہ کرتے تھے ؎

اعلیٰحضرت غازی امان اللہ

باوجود اطبّا کی فوری مساعی کے مایوس العلاج ہو جاتا تا کہ حذاقت سے کوئی نکتہ رسی کر کے عجالۃً منادی کرواتا۔ کہ بادشاہ قدم رنجہ فرمانے کو ہے بازار اور کوچے آراستہ رہیں۔ یہ اطلاع اس مجلس کی خلوت میں بھی پہنچتی اور اُن کے دل میں شُبہ پڑ کر بادشاہ کی صحت کا موجب ہوتا؛

اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ[1]۔ سرگوشی اور افواہ موہوم تاریخ عتیق سے نزدیک تر ہزاروں آدمیوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔ نادرشاہ کے فاتح سپاہی دہلی میں پھرتے تاجروں سے جو جی چاہا مفت لیتے تھے۔ کسی نشّے کے عادی نے اُن کی مستی کو دیکھ کر مدہوشانہ لہجے میں آرزو کی کہ اُن کا نشہ نادر کی مے اور لے سے ہے جواب خدا کے فضل سے کافور ہُوا! اس کی روایت جو ایک دو زبانوں سے مختلف الفاظ میں بیان ہوئی۔ تو دکانداروں نے اس خواہش سے جیسے تمنا جنتی ہے، یہ خیال کیا کہ ایرانی حملہ آور فنا ہو گیا۔ اور جب وہی

---

[1] سرگوشی صرف شیطانی کام ہے جس سے ایمانداروں کو غم ہوتا ہے اور اس سے بغیر اِذن خدا کے ضرر نہیں پُہنچتا؛

نہ رہا تو اُس کا لشکر کیوں ظلم کرتا پھرے۔ پس بہت سے مظلوموں نے ملکر چند سپاہیوں کو مار ڈالا۔ جس کے اِنتقام میں قتل عام کی ہلاکت پڑی ؎

ایک کابلی شعر اسی مضمون میں موزون ہے ؎

ندانی کہ چہ گفت ماشہ در گوش تفنگ

حرفِ سرگوشی جوانے را بکشتن مے دہد

عوام میں منقول ہے کہ شیطان مکھی کی شکل میں گلئے پر بیٹھا جس نے لات مار کر دودھ کا برتن توڑ ڈالا۔ جو دوشیزہ کے ہاتھ میں تھا۔ پھر اُس کے باپ کے دل میں وسوسہ ڈال کر کہ دودھ دوسرے قبیلے کے ایک نوجوان کے نیگ لگا ہے۔ گمانی زانی کو مروایا۔ جس سے قبائل میں لڑائی چھڑی شیاطین الانس بھی کبھی اسی طرح کی شر انگیزیاں کرتے ہیں ؎

اعلیحضرت نے قبل اس کے کہ شاید افواہ کوئی ناگوار گل کھلائے۔ آگاہ ہوکر کلی ہی کو مسل ڈالا۔ فوراً موٹر پر سوار ہوکر کابل کے بازار میں گشت لگایا اور عجیب دِلرُبا مشاہدہ فرمایا۔ ایک نے افراطِ انبساط میں ہفت میوہ سے مٹھیاں بھر کر دوسرے نے مٹھائیاں، اور ایک ہندو صراف نے روپئے شاہانہ موٹر پر نچھاور کئے۔ اور ہر طرف سے یہ آوازیں بلند ہوئیں کہ مال کے ساتھ

ہماری جان بھی بادشاہ غازی پر قربان جسے شکر کہ ہم نے زندہ دیکھا!
یہ کیف ملاحظہ کر کے اعلیحضرت نے پغمان میں اپنی ملت کے اس خالص
اور صمیمانہ جوش کا تذکرہ فرماتے ہوئے نطقِ شاہانہ میں کہا کہ میری فداکارانہ
خدمات کی تقدیر یہ ہوئی جو میری ملت کی حق شناسی اور بیداری کی دلیل
ہے۔ اعلیحضرت کو ایسی غائبانہ خیرات اور صدقات کی اطلاع نہیں ہوئی
جو اس افواہ کے ابطال پر بہت سے گھروں میں بے ریا طور پر دئے گئے
تھے۔ اور دل سے دعائیں مانگی گئی تھیں ؎

حزب الشیطان جسے اضلال اغوا و افساد کی مہلت دی گئی ہے،
صلحا اور مصلحین کی خصومت پر کمر باندھے ہے۔ ہر چند ابرار تمام بنی بشر
کے ساتھ صلح جوئی کی حسیات کو پرورش دیں مگر اشرار کی موافقت یا مراعات
کو حاصل نہیں کر سکتے۔ لہذا وہ آدمی جس کے سب ہوا خواہ ہوں منافق
ہے۔ یہ عیب ہر شخص کے لئے مذموم ہے بالخاصہ بادشاہ کے لئے جسے
مداہنت کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ صلاح و صلاح کا عزم رکھتا ہے تو استقامت
اور مقابلے کے بعد دشمنوں کو مغلوب کر لیتا ہے۔ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ[1] ؎

---

[1] ہماری فوج ہی غالب ہے ؎

ایک اور منصوبے کی تفتیش

اعلیٰحضرت نے جلوس کے پہلے سال ایک اور فتنے کو دُور کیا۔ جو آپ کی جدّت طرازی کے لئے قابل ذکر ہے۔ اطلاع پہنچی کہ چند آدمیوں نے پھر قتل کا قصد کیا ہے۔ پھر مختلف مخبروں کو تحقیق اور تصدیق کے لئے سُراغ پر لگایا۔ یقین ہونے پر ملزم گرفتار کئے گئے۔ اعلیٰحضرت نے اعیان و ارکانِ دربار کے سامنے یہ کیفیت پیش کی۔ وہیں ایک مخبر کو حاضر کیا۔ جو برقعہ اوڑھے تھا۔ تاکہ حاضرین اُس کو پہچان کر آئندہ خفیہ نویسی کے مانع نہ ہوں۔ یا وہ خود اُن سے حجاب نہ کرے۔ اس کے بیانات کے بعد خاص ملزم کے بڑے بھائی کو بلایا۔ اُس کو آتے دیکھ کر اعلیٰحضرت نے فرمایا کہ ان کے بیٹھنے کے لئے اچھی جگہ دو۔ غلط فہمی سے ان کو توقیف خانہ (حوالات) میں لے گئے۔ چاہیئے تھا کہ اپنے گھر میں رہتے اور عزت سے طلب کر لئے جاتے۔ مَیں ان کو مدت سے پہچانتا ہوں۔ نسبِ سیادت کے ساتھ ان کی ذاتی کرامت مسلّم ہے۔ وہ محفل جس میں آپ کا وجود شریف شریک ہو۔ برکت اور جذبہ حس کرتی ہے۔ چنانچہ اب وہی کیفیت محسوس ہو رہی ہے۔ اگر آپ کی زبانِ مبارک سے کوئی کلمہ نکلے۔ تو سامع پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ کیا شائبۂ امکان ہو سکتا ہے کہ ایسا

بزرگوار خلاف کوئی کام مرتکب ہو۔ جواب میں اُس نے اعتراف کیا۔ کہ مَیں نے اپنے بھائی سے بعض بیہودہ اور فضول باتیں سنی ہیں۔ مگر عفو کا خواستگار ہے۔ بعد ازاں وہ بھائی بلایا گیا اُس نے بھی ایک حد تک اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ پھر اہل مجلس سے جس میں قاضی القضات بھی داخل تھا۔ استفتا کیا گیا سب نے متفق الرّائے ہو کر فیصلہ دیا کہ مف سانہ ارادے سے قتلِ بادشاہ کے لئے جمعیت تشکیل کرتا تھا، مستوجب اعدام ہے۔ صرف ایک رکنِ شوریٰ نے اپنے امضا سے انکار کیا۔ اِس عذر پر کہ تمام حالات پر اس کا وثوق کما حقہٗ نہیں ہوا۔

شاہانِ بزنطیہ کی بابت مسطور ہے کہ ایک امر پر فیصلہ کر کے پھر اسے مجلس میں پیش کرتے تھے۔ تاکہ سب اس کی تائید میں دستخط کر دیں۔ اگر کوئی اس معاملے پر عدمِ اتفاق میں آشکار ہوتا تو کچھ مدت کے بعد غضبِ بادشاہ میں گرفتار ہوتا۔

ایڈمنڈ برک لکھتا ہے کہ ہندوستان میں قانون کے توڑنے والے۔ انگلستان میں قانون کے بنانے والے ہو جاتے ہیں۔ رات کو ایک بات کا فیصلہ کر کے دن کو پارلیمنٹ میں سے گذار لیتے ہیں۔

کیونکہ اس روپئے سے جو قانون توڑ کر لائے تھے۔ پہلے ہی سے کثرت آراء کا انتظام قانون بنانے کے لئے کر لیتے ہیں ؛

اس طرف کے حکمران تو اسی طرح کرتے آئے ہیں کہ اکابر کو مدعو کر کے ایک مسئلہ کو اُن کے محاکمے کے لئے پیش کرتے جس میں رائے شاہانہ معلوم ہوتی، بلکہ کبھی علانیہ فرما دیتے کہ اگر کوئی دوسرا مشورہ دے گا۔ تو اپنی جان پر کھیلے گا۔ اگرچہ اس تہدید کی حاجت نہیں تھی۔ کیونکہ گلستاں کس نے نہیں پڑھی ؎

خلافِ رائے سلطاں رائے جستن

بخونِ خویش باید دست شستن

بزرجمہر کی مانند بزرگ وزیر نوشیرواں جیسے عادل بادشاہ کی بابت کہتا ہے کہ پہلے وہ اپنا خیال ظاہر کرے۔ تو پھر اس کی تقویت میں کلام کروں۔ یعنی اگر وہ روزِ روشن کو رات کہے تو سورج کو چاند ثابت کر دکھاؤں ؛

قیصر ولیم زوالِ شاہی سے پہلے آزادیٔ فکر میں مشہور تھا۔ چنانچہ برطانیہ کو اپنے اتحاد کے اثبات میں وہ نقشۂ جنگ بتا دیا۔ جو جنوبی

افریقہ کی لڑائی میں کھینچ کر اُس نے رابرٹس کو دیا تھا۔ قلتِ جرمن چونکہ اس انکشاف سے ٹرانسوال بگڑا، برآشفتہ ہوئی۔ قیصر نے ریشتاغ میں اپنی سہو پر معافی چاہی۔ باوصف اس کے، ایک مصنوعی لڑائی میں جسکی ایک فوج کا سالار وہ خود تھا، مقابل لشکر میں دُوربین سے بعض نقص دیکھ کر اپنے ایک یاور (ایڈی کانگ) کو مخالف جرنیل کے پاس ہدایات دیکر بھیجا۔ جب وہ واپس نہ آیا۔ تو دوسرے کو پیچھے دوڑایا۔ دونو حریف اسیرِ جنگ ہوگئے تھے۔ قیصر اس لطافت پر بہت خوشی کرتا دکھائی دیا۔ مگر ایک سال بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ وہ جرنیل موقوف کیا گیا۔ اِسی طرح ایک افسر کے ساتھ کسی مینوور پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ تمہاری طرف فلاں نقائص تھے۔ اُس نے جواب دیا کہ لڑائی مصنوعی تھی! اس وقت تو ولیم جھینپ کر ہنسا۔ مگر بعد میں خوب خبر لی ؛

اعلیٰحضرت غازی کی حق پسندی کا موازنہ کیجئے کہ وہ جوان جس نے مجرمانِ فساد کے خلاف رائے دینے سے کنارہ کشی کی تھی۔ بیش از پیش منظور نظرِ صداقت نگرِ شاہانہ ہو کر لنڈن میں سفیر ہوا۔ اور اب وزیر ہے ؛

چونکہ اعلیٰحضرت مکتبِ مشورت کے مؤسس اور نیز معلّم ہیں۔ اور ملّت کو مدّت سے اس درس کے ساتھ سابقہ نہ تھا، امورِ مہمّہ کے مباحثے ہیں اِس تمہید کو لازم سمجھتے ہیں کہ اہلِ مجلس کو آزادیٔ رائے کی ترغیب دیں۔ بتکرار فرماتے ہیں۔ کہ اپنے خیالات کے اظہار میں کوئی شخص بادشاہ کی رعایت یا لحاظ روا نہ رکھے۔ جب مشیر اور وزیر مذاکرہ کرکے ایک نتیجے کو پہنچتے ہیں۔ تو اعلیٰحضرت اپنا خیال ظاہر کرکے پھر بحث کا موقع دیتے ہیں۔ بارہا ثابت ہُوا ہے کہ افغانستان کے معتبر اور متنوّر اصحاب کی مجالس میں بالآخر وہی رائے غالب کرتی ہے۔ جسے اعلیٰحضرت نے بیان کرکے اُس کی تردید کا کھلم کھُلا موقع دیا تھا۔ لیکن سب حضار لاجواب رہ کر خاموش ہو گئے تھے۔ شاہانہ قوائے بحثیہ ایسی مکنت و متانت کی مالک ہیں کہ مناظرے میں جس طرح کی بھی دلائل پیش ہوں ایسے طرز سے جواب دیتے ہیں۔ کہ فریقِ ثانی تہِ دل سے قائل ہو جاتا ہے۔ انجمن معارف میں، مجلسِ سیاسی میں، محفلِ قوانین میں، جس میں اعضائے خارجیہ بھی ہوتے ہیں،

اعلیٰحضرت کی اشاعتِ آزادی

ذات شاہانہ جملہ حاضرین کو قانع کر دیتے ہیں۔ دنیائے جدید کے مروجہ نظامات کی تطبیق اور اطلاق میں اپنے ملک کے موجودہ حالات پر ایسا یدِطولیٰ رکھتے ہیں۔ کہ آپ کی فائق رائے کو داخلی و خارجی ارکانِ مجالس سب تسلیم کر لیتے ہیں ؞
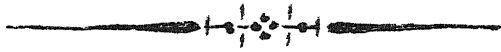
قوۂ ناطقہ اور بادشاہی امامت

وہ افکار اور تجاویز جو اعلیٰحضرت کے دل و دماغ سے نکلتی ہیں ایسی قوت تقریر سے جو معتد بہ مقدار میں ودیعتِ طبیعتِ شاہانہ ہوئی ہے، کیا وزرا اور مشیروں کے حلقۂ تنگ میں، کیا عوام و خواص کے وسیع مجمع میں، مطابق موقع و محل، ایسی فصاحت و بلاغت سے ابراز ہوتی ہیں۔ کہ مستمعین کے دلوں کو جوش فداکاری سے لبریز کر کے اُن کو اشکباری اور جاں نثاری پر آمادہ کرتی ہیں +

تاجدار باپ کی شہادت کا انبوہ اندوہ، اس پر داخلی و خارجی فتنہ و فساد کا خدشہ و اندیشہ، امان اللہ خاں کی قوتمندی اور دلاوری کو کم نہ کر سکا۔ جب اُنھوں نے پچاس ہزار افغانوں کے سامنے اعلان استقلال کرتے ہوئے ایسی تقریر فرمائی جو بلندی اور ہیبت کی رُو سے زمانۂ حال کے خطبا میں بیہمال ہے۔ شیر نیستان کی گرج دلوں کو لرزے میں ڈالتی ہے۔ غضنفرِ افغان کی آواز اس جمِ غفیر میں

استقلال اور جہاد پر تقریریں

آخری صف تک پہنچ کر طبائع کو ہیجان میں لاتی ہے۔ پھر اعلان جہاد کے موقع پر وہی صدائے شوکت انتما اسی قدر ازدحام کو میدانِ جنگ میں دعوتِ موفقانہ دینے میں کامیاب ہوئی۔ یہ صدائے رعد آسا جس کی طرزِ ادا انتقام منبعِ غزا کے ساتھ منوط تھی۔ جب اپنے صبیب کے ترشحات سے سرزمین افغانستان کو حرّیت سے شاداب کر چکی، تو امنیت کے تقاضے سے مبدّل ہو گئی۔ نشرِ علم و عرفان کی آویزہ دلاویز سے جو ستیزہ اور رزم سے رم کھا کر آرزم اور بزم کی طرف رُخ کرتی ہے ٭

پھر عیدگاہ میں جو اسلام کی بہتر.ین قرن کی مانند دولت وملّتِ متحدہ کے تصفیۂ قضایا کے لئے اجتماع اُمت کی منزل ہو گئی ہے، اعلیٰحضرت غازی نے اپنی آزاد رعیّت کو فرمایا کہ تمہاری راحت ورفاہیت کیلئے اپنے مال اور آرام کو فدا کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی ملّت پر قربان کرونگا۔ یہ کہہ کر اپنے چھ سالہ بچّے کو منبر پر اُٹھایا اور فرمایا کہ میری عمر اگرچہ چھوٹی ہے۔ مگر بادشاہ کی حیثیت میں تم کو پدرانہ نصیحت کرتا ہوں۔ کہ جگر پاروں کو اپنے سے دُور کرو۔ اپنی اولاد کو مکتبوں میں داخل کرو۔ اور ملک سے باہر بھیجو تا کہ عالم ہو کر تمہارے

عزیز وطن کی خدمت کریں۔ اور تمہارے ناموں کو صفحۂ تاریخ پر یادگار چھوڑیں۔ اے ملّت از برائے خدا، از برائے خدا، از برائے خدا، علم میں سعی کرو۔ کیونکہ دنیا اور دین کا حاصل ہونا علم سے ہے۔ ع

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

الحان الحاج سلامت سلامت بہت موثر تھی۔ لیکن اُس کی موثریت اُس وقت کمال کو پہنچی جب عملاً سالہا سال اپنے آرام و مال کو ملّت پہ نثار کرتے رہے۔ اور اپنے اسی بیٹے کو دوسری اولاد وطن کے ساتھ مساوی مرتبے میں یورپ روانہ کیا۔ اِس کے بعد ایک اور شہزادہ بھی ہوا۔ جو جرمنی جانے کے لئے اب مکتب امانی میں داخل ہو کر تیار ہو رہا ہے۔ پہلا فرانس میں ہے اور عنقریب فارغ التحصیل ہو کر لَوٹنے کو ہے۔ اگرچہ رشید شہزادوں کو علما اور ماہرانِ فنون کی صحبت میں رہ کر جو ایک منور الافکار بادشاہ کے دربار میں جمع ہو جاتے ہیں، ہر گونہ معلوماتِ مفیدہ سے کافی بہرہ حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اعلیحضرت کی مثال شاہد ہے۔ مگر اس لحاظ سے کہ طلبہ کو اپنے فرزندانِ معنوی پکارتے تھے، اُن کی جدائی کے ساتھ اپنے

یعنی فرزند کی مفارقت کو بھی لازم سمجھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا تعالےٰ
کے حکم کی تعمیل میں آمادہ تھے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ وہ بھی سلامت
رہا۔ اور آلِ ابراہیم علیہ السلام نے ایسی نعمات و برکات پائیں کہ مسلمان
سلطنت کے اوج و عروج میں بھی اُن جیسی نزولِ رحمت کی اپنے لئے
دعا کرتے تھے۔ سنتِ حنیفی کی پیروی میں یہ تسلّی بخش یقین ہونا چاہئے
کہ والدین اپنی اولاد کو فدا کرنے پر آمادہ ہوں۔ تو غیر منترقبہ ترقیات
حاصل ہونگی۔ چنانچہ افغانستان میں اُس کی تازہ مثال قائم ہوئی ؛

برطانیہ میں "بادشاہ کی انگریزی" استناد کے طور پر بیان کی جاتی
ہے۔ اور ہم بھی کلامِ ملوک کو گفتار کا بادشاہ کہتے چلے آئے ہیں۔
مگر جو استعمال زبان کا اعلیحضرت غازی فرماتے ہیں وہ شاہانِ حال و
ماضی میں شاذ ہے۔ ماسوائے رنگین بیانی کے وہ نکتے ایراد کرتے
ہیں جو بداعت اور تاثیر میں اہلِ ذوق کے کام میں نبات اور اکسیر کا
حظ بخشتے ہیں۔ اگرچہ اب سات سال سے ترکی اور ایران کے ساتھ
افغانستان کے معاہدے روز افزوں وداد و اتحاد کے ساتھ قائم
ہو چکے ہیں۔ مگر شروع میں فرمایا کہ ہمارے معاہدے انگریز اور روس

کلام ملوک ملوک الکلام

کے ساتھ افغانی شان و شرف سے منعقد ہو گئے ۔ لیکن اسلامی سلطنتوں کے ساتھ ہمارے عہد و پیمان اس لئے تحریر میں نہیں لائے گئے کہ تیرہ سو سال پہلے ہمارے میثاق کو خود خدا نے باندھا ہے ۔ اُس کی تجدید کی تسوید ہر وقت ہو سکتی ہے ۔

بدو امر میں اعلیحضرت نے سوگند کھائی تھی کہ جب تک اپنے باپ کے خونِ ناحق کا انتقام نہیں لونگا تلوار کو میان میں نہیں ڈالونگا ۔ جب تفتیش اور تحقیق کے بعد جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ، ذاتِ شاہانہ نے دن بھر کی تقریر کے بعد قتل کو ثابت کیا ۔ تو یہ کہہ کر شمشیر کو نیام میں ڈالا کہ پھر اس وقت سونتی جائے گی ۔ جب افغانستان کا استقلال معرضِ خطر میں ہو ۔ اور غلاف میں نہیں کی جائے گی ۔ مادامیکہ میری شاہ رگ کاٹی جائے ۔ یا مستقل بادشاہ کی حیثیت میں اپنی گردن بلند رکھ سکوں ۔

ہر کس نشناسندۂ راز است وگرنہ
ایں ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

سینکڑوں سال لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے سامنے جمعوں اور عیدوں کے

مضمون خطبوں کا شائع ہونا

خطبے پڑھے جاتے تھے۔ لیکن ایک عالم خطیب کا ذہن اِس طرف منتقل نہ ہوُا کہ ایک گام مرام کی طرف بڑھائے۔ اور اس اتفاقی اجتماعِ مسلماناں سے استفادہ کرکے اُن کو فائدہ پہنچائے۔ ہزاروں سالوں سے انگوٹھی کا نگین معکوس نقش سے مکاتیب و فرامین پر مہر لگاتا تھا۔ باوجود اِس کے چند سو سال سے مطبعہ عام ہوُا ہے۔ حالانکہ وہی سنگریزہ ایک بڑے پیمانے پر اور متعدد استعمال سے کتابوں کو چھاپتا ہے۔ وہی خطبے جو بکرات و مرات عربی میں قرائت ہوتے تھے یا اُن کا ایک معین حصّہ سامعین پر موت کا اضمحلال وارد کرتا تھا، شاہانہ فکر کی اختراع سے ایسے مطبوع ہو گئے کہ اُن کے ذریعے سے احضار کی زحمت کے بغیر نماز کے ضمن میں مسلمانوں کی تنویر افکار اور صلاحِ احوال ہو جاتی ہے۔ ہر جمعہ ایک نئے مضمون پر خطبہ لکھا جاتا ہے۔ مثلاً اتفاق، اتحاد، صداقت، حمیت، استقلال، استقامت، حریت، خدمتِ ملت، حبِ وطن، اطاعتِ اولی الامر، علم و فن وغیرہ پر نقل و عقل کی رُو سے آسان عبارت میں مقالہ طبع ہو کر جوامع کے تمام خطیبوں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور پھر وہی ڈاک

میں تمام ولایات کی مساجد میں توزیع کیا جاتا ہے - اِن مضامین کی اب ضخیم کتاب ہو گئی ہے - اِس کے علاوہ بعض علما اور وزرا بھی زمانے کے موافق خطبوں میں وقتاً فوقتاً موعظت کا حق ادا کرتے ہیں - اور خود ذاتِ شاہانہ تو مسجد کے علاوہ اَور کئی جگہوں میں بلاغت کی داد دینے کے لئے منبر پر چڑھتے ہیں ؀

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مسلمانوں میں ایک رخنہ پڑتا ہے جو سینکڑوں سالوں میں فراخ تر ہوتا جاتا ہے - اَور کوئی اس شیرازہ بندی کی طرف توجہ نہیں کرتا - ایک اطالوی محرر محاربات کو دول کی بے طرفی کے ساتھ منسوب کرتا ہے - اور ایک جانب یا دوسری طرف شمولیت کو صلحِ عمومی کا آخری علاج قرار دیتا ہے - جملِ صفین کربلا وغیرہ نے مسلمانوں کی ایک ایسی جمعیت پیدا کر دی - جو پہلے تو فریقین میں سے کسی کے ساتھ شریک نہیں تھی - پھر گھر میں بیٹھ کر فریقِ غالب کی مخالف بن گئی - اَور بمرورِ زمان اتنی قوی ہو گئی کہ خلافت سے پہلے ہارون رشید بھی انہی میں سے تھا - جب بادشاہی قبول کر لی تو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت نہیں

مسلمانوں میں تفرقہ شروع

کی ۔ خلیفہ خود حاضر خدمت ہوا تو التفات تک نہیں کی ۔ مریدوں نے
اُن کو امیر المومنین کا لقب دیا ۔ چونکہ دو بادشاہوں کی ایک اقلیم میں
گنجائش نہیں تھی ۔ تفرقہ ظاہر تھا ؎

علمائے کرام اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد میں جُدا نماز پڑھتے رہے
اور اگرچہ عزلت میں بہت مفید کام بھی کرتے رہے ۔ مگر سیاسی اور
اجتماعی امور میں داخل نہ ہو کر بہت سی اصلاحات کرنے سے محروم
رہے ۔ چونکہ ظاہری اعزاز و اقتدار سے دُور تھے متہم ہو کر دربار
خلافت میں طلب ہوتے ہیں ۔ الزام سے بری ہونے پر خلیفہ
متقدر فرماتا ہے ۔ اگر کوئی خواہش ہو تو بتائیے ۔ یونانی حکیم کی طرح
جواب دیتے ہیں ۔ بس یہی کہ پھر دربار میں مت بلوائیے ۔ اس استغنا
نے اتنا طُول کھینچا کہ عجیب ۔ لیکن دلفریب باتیں ایک بہترین ادیب
مؤدب نے بیان کیں ؎

جز بخردمند مفرما عمل
گرچہ عمل کار خردمند نیست

سب سے اچھا بادشاہ وہ ہے ۔ جو فقرا کی صحبت اختیار کرے ۔ اور

سب سے بُرا فقیر وہ جو سلاطین کے ساتھ نشست و برخاست کرے۔

یہ اضداد و ابعاد کیونکر باہم ملیں

ایک بڑی جماعت ایسے لوگوں کی بھی پیدا ہو گئی۔ جنہوں نے اسی میں راحت و عزت دیکھی۔ کہ گوشہ نشینی میں عنقا بن کر مشہور رہوں۔ اُن کی حقیقت کو بیدل نے واضح کیا ؎

از فیضِ نارسائی است آسودگی دریں دشت

دستم چو کوتہی کرد پائے دراز کردم

بقولِ افلاطون، اگر ایک عالم اس لئے دنیا سے علیحدہ ہو۔ کہ اس میں جاہل ترقی کرتے ہیں تو وہی جہلا عزلت گزین علما پر حکومت کرینگے، اِس لئے کیا یہی بہتر نہیں کہ علما دنیا سے الگ نہ ہو کر اپنی تدابیر سے جہلا پر حکومت کریں؟ مسلمانوں میں اس فلسفے کی زیادہ رواج نہ ہوئی۔ اور بالٹی کی حکمت کو ترجیح دیگئی۔ بادشاہوں اور مشائخ میں خلیج حائل زیادہ فاصل ہوتی گئی سلطنتوں میں امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی وجہ سے بہت عزت ہوئی۔ اور اولیا نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو افضل جانا۔ کہ قضا کو رد کیا تھا۔ امام اقدی رح

علما و اولیا کی عزلت گزینی

کی تاریخ بلند درجے سے گر گئی۔ کیونکہ اُس نے حُبِ جاہ سے دنیوی مناصب کو اشتغال کر کے عمومی تجربہ بہت حاصل کیا تھا!

ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خود سلطان محمود غزنوی حاضر ہوتا ہے، تو فرماتے ہیں۔ کہ خدا کی اطاعت سے فارغ نہ ہو کر رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سامنے شرمندہ ہوں! اولی الامر کی نوبت کیسے پہنچے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس سخن پر معترض ہوتے ہیں۔ اور تینوں کی اطاعت کو امرِ واحد قرار دیتے ہیں، پھر اپنے پیروؤں کو ملازمتِ بادشاہی سے کیوں منع کرتے ہیں؟ اِسی مخاصمت کی بنا پر مع ایک اور افغان ولی شاہ قاسم سلیمانی، قلعۂ گوالیار کی قید کو بادشاہِ مغلیہ کی متابعت سے بہتر جانتے ہیں۔ اورنگزیب نے شیخ درویش افغان کو بڑے احترام کے ساتھ جالندھر سے اپنے دربار میں بلایا۔ مگر انہوں نے مسجد میں بیٹھے یہ جواب لکھ بھیجا کہ میں شاہِ شاہاں کی بارگاہ سے اُٹھ کر ایک بادشاہ کی درگاہ میں جانا پسند نہیں کرتا۔ اس پر خوش ہو کر عالمگیر نے کئی دیہات کی بخشش کا فرمان عنایت کیا ٭

اِن حضرات کو لوگ جدا اولی الامر سمجھتے تھے۔ اور یہ سلطنت سے ایسا متنفر تھے کہ "مشغل" اور "طعام" غرض ہر بادشاہی چیز کو حرام جانتے تھے۔ لاجرم نفاق و شقاق جاری رہا۔ جو ہمیشہ کشت وخون، اور تشتت و پراگندگی کا باعث ہؤا۔ الطف اور اخلاص دل ودماغ، ان ازمنۂ دیرینہ میں مدنیت اور سیاست مملکت سے دُور رہے۔ اور نظم و نسق اُن کے فیوض سے خالی رہا۔ بالجملہ دین دنیا سے جُدا ہو گیا، گویا رُوح بدن سے سوا ہو گئی۔ یہ حال خیر القرون میں نہ تھا۔

اعلیحضرت غازی نے اسی کے مطابق وہ اقدام کیا جس کی نظیر تاریخ اسلام میں مفقود ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عید کے خطبے میں منبر سے ارشاد کیا کہ میں نے صرف اپنے حق کا استردا کیا ہے۔ اس سے مراد ہے۔ دنیا اور دین کی امامت، جو حسناتِ دنیا و آخرت کے حصول کے لئے بادشاہ کے وجود میں مجتمع، اور بادشاہ کو ان دونوں کی راہبری کے لئے استعداد اور قابلیت ہونی چاہئیے۔ امور دنیا جس کا متاع قلیل ہے۔ بادشاہ کے ہاتھ میں، اسبابِ فلاح عقبیٰ

جو دنیا اور آخرت دونو کے لئے ضروری ہیں، ایسے اشخاص کے
تصرف میں جو تابع و محکوم ہیں، ایک مضحکہ ہے! ورنہ زندگانی جاودانی اور
اخلاقی معاملات کی، جس پر دنیوی ترقیات کا انحصار ہے، اہانت ہے۔
اگر اہل آخرت یعنی علماء و اولیا سرکشی کر کے اوامر حاکم و متبوع کو نہ مانیں
تو فتنے کا آغاز ہوتا ہے جس سے نجات ابدی بھی تزلزل میں پڑتی
ہے۔ ایک اہنمائے اُمّت کا نخستیں فرض امر بالمعروف ہے۔ آیا
ایک گوشہ گیر شخص جو اسلاف کی معلومات سے اتنا مملو ہے۔ جتنا عالم
کے جریانات حاضرہ سے نہی، اُمّت کی رفاہ و تعالی کے مصالح میں
حکم کر سکتا ہے؟ اُس ذات سے بہتر جو مرتفع مقام پر متمکن حیات کے
نشیب و فراز کو ہر پہلو سے مشاہدہ کرتا ہے، ابرار و اشرار کے احوال
پر ہر طرف سے واقفیت کے مواقع اسے حاصل ہیں۔ اس کے
ہر فعل میں توقیر ہے۔ اور ہر قول میں تاثیر۔ اُس کی حشمت اور سپاہ
نواہی اور فواحش سے باز رکھنے کے لئے وعظ ممانعت اور نہی
عن المنکر کی امداد کو تیار ہے ؏

اعلیحضرت غازی نے عید کے خطبے میں فرمایا کہ ایک ملک کے

امرت سلطنت غرض سیاست ذاتی

مسلمان علاوہ اس رابطے کے جو باہم رکھتے ہیں۔ دوسرے ممالک کے
مسلمانوں کے ساتھ بھی مواخات کا وظیفہ بجالانے پر مامور ہیں۔ اور
ہمارے اور ان کے درمیان اغیار حائل ہیں۔ جن پر سے گذرنا ملکۂ
سیاسیات کا طالب ہے۔ اور اس کا اہل ایک لائق اور صالح بادشاہ
کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہ خیالات اس درد کی وجہ سے ظاہر
ہوتے ہیں۔ جو ذاتِ شاہانہ کو دنیا بھر کے مسلمانوں کی حالت زار پر
محسوس ہوتا ہے۔ اور اس لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں۔ کہ
ان میں اخوت اور اس ذریعے سے اتفاق کے نتائج کا ان کو افادہ
ہو۔ آپ نفع رسانی کے اعتبار سے خیر الناس کا مصداق ہیں۔ اور
اگر کسی اسلامی ملک میں اسارت کا کانٹا کھٹکتا ہے۔ تو وہ اُن کے
دل میں چبھتا ہے۔ اس بارے میں خود غرضی سے آپ بہت مافوق
ہیں۔ اور تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی جگہ ہوں، آزادی اور مساوات
کی برتری میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس تجویز سے ثابت ہوجائیگا
جو بڑی عالی نظری سے شروع کی۔ اگرچہ دوسروں کی کوتاہی سے
انجام کو نہ پہنچی۔

اعلیٰحضرت غازی نے ایسا بدیع تشبث کیا جس کی مثال پھر تاریخ
اسلام میں دکھائی نہیں دیتی ۔ کیونکہ پرلے درجے کا ایثار اِس میں
مطلوب تھا۔ مختلف اسلامی ممالک میں اتفاق اور اتحاد قائم اور
مستحکم کرنے کے لئے ترکی ایران اور بخارا کے بادشاہوں کے
نام بھی اپنے ساتھ خطبے میں منضم کئے ۔ اور جب افغانی منابر سے
تمام ملک میں دوسرے اسلامی سلاطین کے اسمائے گرامی بھی لئے
جاتے ۔ تو اُن کی حرمت اور اُن کی رعایا کی محبت بھی مقتدیوں کے
دل میں جاگزیں ہوتی تھی ۔ چند سال افغانستان میں یہ رسم ادا ہوئی۔
اور اگرچہ انقلاب نے ان بادشاہوں کو رہنے نہ دیا۔ کیونکہ ان میں
سلطنت کی لیاقت نہ تھی۔ مگر وہ رسم اپنا اثر چھوڑ گئی ۔ مطلب اسلامی
ملل کے ساتھ الفت و اخوت تھا، جو افغانوں کے دلوں میں
سماگئی ۔

اعلیٰحضرت غازی نہ صرف دوسری اسلامی ملتوں کو افاغنہ
کے ساتھ مربوط کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اُن کو آپس میں بھی متحد رکھنے
کی سعی جمیل کرتے ہیں ۔ اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ کوشش بلیغ

خطبے میں دوسرے سلاطین و بادشاہوں کے نام کا ضم کرنا

دوسرے ممالک اسلامی میں بھی اتحاد کرانا

ہو۔ شہرت یا منت گزاری کا اس میں شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسی سال ترکی اور ایران میں لڑائی جاری ہونے کو تھی۔ بلکہ چھڑ گئی تھی۔ مگر اعلیحضرتِ غازی کی خاموش اور مستقیم جد و جہد سے مصالحت کی صورت قائم ہو گئی ❊

❊

دماغی اور عملی وسعت اور مساوات

اعلیحضرت کا دل و دماغ، قوا و حواس کی صحت و سلامت، اور افکار و مدرکات کی کیفیت و کمیّت کے علاوہ، ایسے متنوع اور متعدد خواص کا مالک ہے۔ کہ اس کا مقابلہ عظما کے سیر کے حوالے سے خوب طرح کیا جا سکتا ہے۔ بقول ابن خلدون وافر معلومات کے ساتھ اسی انداز سے انتظامی قوت کم ہو جاتی ہے۔ ھکذا یونانی حکما طلبہ کو تجارت کے اشتغال سے منع کرتے تھے۔ اور چونکہ تحصیلِ علم عمر بھر جاری رہتی تھی۔ اس لئے علما صرفت میں کوئی واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ باوجود اس کے اسلام نے ایسی نئی قوت کا اضافہ کیا کہ بہت سے مسلمان علوم و اعمال میں جامع کمال ہو گئے۔ بعض تو اس قدر فوق العادہ علویت کو نائل ہوئے کہ اُن کی طرف نگاہ اُٹھاتے ہوئے دستارِ فضیلت گرنے کو مائل ہوتی ہے۔ مثلاً ابن زہر جبکہ وزارتِ عظمیٰ کے ہمہ اوقات گیر وظائف کو بوجہ احسن ایفا کرتا تھا۔ تو معاً

اعلیٰحضرت کا جامع الکمالات علمی و عملی ہونا

حکمت اور طب میں ایسے تلامذہ کو درس دیتا۔ جو اندلس سے باہر یورپ کے اساتذہ بنے۔ محققین اس کے دماغ کو ارسطو سے اٹھائیس حصے زیادہ وسیع و دقیق قرار دیتے ہیں، امام اعظمؒ اور غوث اعظمؒ جو فقہ اور تصوف میں مجتہدانہ توغّل کرتے تھے۔ ایسی سوداگری میں بھی مشغول ہو سکتے تھے۔ جو چین تک سے منافع لاتی تھی۔ علیٰ ہذا القیاس خواجہ احرار جب لاکھوں آدمیوں کو شریعت و طریقت میں راہ توحید و توفیق دکھا سکتے تھے تو لاکھوں بھیڑوں کی مالداری بھی کر سکتے تھے۔ جن کو ایک ایک لاکھ کے گلّے مختلف رنگوں کے اعتبار سے منقسم ہوتے تھے۔ ایسی امثال غیر مسلم تاریخ میں نہیں پائی جاتیں۔ اور مسلمانوں میں بھی حکمائے الٰہی کے بغیر بادشاہوں میں نادر ہیں۔

اعلیٰحضرت غازی نے ابتدائے سلطنت سے اب تک باوجود اشتغالات داخلی و خارجی تقریباً ایک سو قوانین کی کتابیں تالیف و تصنیف کی ہیں۔ اور ہزاروں ابلاغات علاوہ ہیں جو آپ کے ایما اور مطالعہ اور اصلاح سے طبع اور نشر ہوئے۔ قانون کی کتاب کا کوئی فقرہ پڑھا نہیں گیا۔ جو شہریاری دقّت نظر سے نہ گذرا ہو۔

اور الفاظ و معانی میں متبدل نہ ہوا ہو۔ سب نظام نامے آپ کی
تصحیح بلکہ تجویز سے مرتب ہوئے۔ اور اُن کا سلسلہ جاری ہے ۔

علوم و فنون میں الطف و اشرف قانون ہے۔ ابوحنیفہؒ ابوسینا
سے بڑھ جاتے۔ مگر اُنھوں نے قصداً طب کو ترک کیا۔ اور بلند تر علم
میں سب سے فضیلت لے گئے۔ فقہ و قانون کے متعلق اہلِ علم و فن،
ادارہ و حکومت، اور تمام خلقت کے انفرادی و اجتماعی عدل و آسائش
کا تضمن و ذمہ ہے۔ بالحاصل قانون کو علوم و فنون کا بادشاہ کہہ سکتے
ہیں، چنانچہ بادشاہ اپنے پایۂ ارفع اور علاقۂ اوسع کے حیث سے
دولت کو جمیع دوائر اور ملت کے کافہ طبقات سے بہ نسبت دوسروں
کے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ اور بروایت بعضے انگریزی میں کلمۂ کِنگ
یعنی بادشاہ علم سے مشتق ہے، اسی کے شایانِ شان ہے۔ کہ
قوانین و نظامات کی ترتیب و تشکیل کو سب سے اعلےٰ و اولےٰ
سرانجام دے ۔

اعلیحضرت غازی نے راسخ مسلمان کی حیثیت سے شریعت کے
اتباع میں اس کی موافقت و مطابقت کا لحاظ رکھ کر مملکت کے

قواعد و ضوابط کو تدوین و نافذ کیا۔ اگرچہ اصل و اساس میں ثابت و قائم ہے۔ لیکن یہ مجموعۂ قوانین فروع و تضاعیف میں تابع تغیرات ہے۔ جو اقتضائے وقت اور احوالِ رعیت کے لحاظ سے اگر تبدیل نہ ہو تو تکالیف اور شکایات کا مورث ہوتا ہے۔ لہٰذا ان توجہات اور گرانمایہ اوقات کے علاوہ جس سے ذاتِ ہمایونی نے برسوں شبانہ روز زحمات سے نظام ناموں کی تسوید اور اشاعت میں موفقیت حاصل کی ہے۔ مزید التفات اور پیش بینی مطلوب ہے۔ تاکہ ضرورت کے مطابق اور مطالبۂ معدلت کے موافق، مناسب اصلاح و ترمیم ہوتی رہے۔

جب ان سب اصلاحات اور تحریکات کا مرکز اور بانی صرف ذاتِ شہریاری کو دیکھتے ہیں۔ تو حیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی ایک قانون بخششِ شاہان شاذ ہے۔ چہ جائے کہ اس کی اجرائیات کے متمادی ملاحظے کی ندرت اس پر اضافہ ہو! پھر اسے سب سے پہلے اپنی ذات پر بھی عائد کریں۔

تفرقہ فیما بین سلاطین و ائمۂ دین ایک کرم تھا۔ جو شجرۂ سلطنت کے

احتشام اور سربلندی کے باوجود، اُس کی جڑ کو کھا رہا تھا۔ اور آخر اس کو سُکھا کے رہا۔ اس کے پہلو میں دوسرے درخت سرسبز ہو کر اُونچے ہوئے۔ اُن کا سایہ آس پاس پڑا۔ اور اُس کے نیچے جو پودے اس خشک درخت کی رہی سہی جڑوں سے نکل کر بڑھے نہ تو آزادی سے سر نکال سکے اور نہ ہی پھلے پھولے۔ آیتِ اطاعتِ خدا و رسول و اولی الامر کی تعمیل کو بادشاہ و شاہ پرست اکراہ اور تلوار کے زور سے کرواتے تھے، مگر اس کا دوسرا حصہ فرو گذاشت کیا جاتا تھا۔ اگر تمہارے درمیان تنازع ہو تو حکم اور ہو۔ اگر کوئی عالم یا ولی تفسیر کرتا کہ اگر بادشاہ اور رعایا میں کسی چیز پر اتفاق رائے نہ ہو تو خدا و رسولؐ کی طرف رجوع ہو، یہ اظہار اس کے عزل یا قتل کا موجب ہوتا۔ چودھویں صدی محمدیؐ ایک عجیب منظر پیش کرتی ہے۔ جس کی نظیر تاریخ میں نظر نہ آ کر گمان ہوتا ہے۔ ع

آنچہ مے بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب

شجرۂ طیبہ پھر اس استواری کو پہنچنے کے قریب ہوتا ہے جب اس کی اصل ثابت اور فرع آسمان میں ہو۔ اور ہر آن ثمرات بخشے۔

ماسوائے عمومی معاملات کے جن میں اعلیحضرت متنازع مسائل کو خدا اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ارجاع دیتے ہیں، خصوصی جھگڑوں میں بھی یہی حالت ہے۔ ایک ادنے فردِ رعیت آپ پر دعوے کرتا ہے۔ ولایتِ کابل کے محکمے میں جاتے ہیں! اور مدعی کے برابر بیٹھ کر سب سوالات کا ادب سے جواب دیتے ہیں، اور یہ بھی تنبیہ کرتے ہیں کہ بادشاہی لحاظ سے صرفِ نظر کر کے فیصلہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ چونکہ قوانین اور عدالت کے نظام کو آپ نے مرتّب و متشکل کیا ہے۔ اِس لئے اس کا اطلاق اپنے پر سب سے مقدّم رکھتے ہیں۔ اور اپنے قریبی عزیزوں اور بزرگوں کو بھی اس کا تابع بناتے ہیں۔ اگرچہ ان پر حبس ہی کا حکم کیوں نہ لگے ؂

اعطا اور ابائے عدم قانون کے نتائج

اِن مجادلات و مقاتلات کا سبب جس نے ترکی اور ایران کو زیر و زبر کیا تھا، اور بخارا کو تو خاک ہی میں ملا دیا، اور غیروں کو اختلال کا موقع دے کر ترقیات کے موانع پیش کئے، جس کے غیاب نے جاپان کو ایک قوی و معظم دولت بنا دیا، اس کیلئے

اعطا اور دوسروں کے لئے ایا ئے قانون تھا۔ یہ مرحلہ سب ہی
اقوام کو طے کرنا پڑتا ہے۔ فرانس میں مستبد حکام اور قانون طلبوں
کا لہو بہ کر دنیا بھر میں انقلاب کو مشہور کرتا ہے۔ برطانیہ میں لاکھوں
آدمی تہ تیغ ہوتے ہیں: تا کہ سینکڑوں سالوں کے بعد داخلی آزادئ
ملت نصیب ہوتی ہے۔ اس وقت سے جب ایک بادشاہ تاج اُتار
پھینکتا ہے کہ میرا امتیازی اقتدار نہ رہا تو یہ بھی لے لو، اس زمانے
تک جب دوسرا جان سے مارا جاتا ہے، کس قدر کشت وخون ہوتا
ہے۔ جو انگریزی حقوق ہیں وہ نعمت علی الرّغم بادشاہ، اُس کے
اختیارات سے سلب کی جاتی ہے، جو اعلیحضرت غازی نے اپنے
عمیم کرم سے بلا شائبۂ جبر و اکراہ، مفت و رائگان بخشدی نظام نامۂ
اساسی میں درج ہے:۔ کوئی شخص امر شرعی اور نظامات مقننہ
کے بغیر تحتِ توقیف نہیں لیا جا سکتا۔ اور اس پر مجازات جاری
نہیں ہو سکتی ؀

وامیر ے اسلام میں ہر گونہ علم و فن کی ترقیات اور اُن کے
مؤیّدات کا معترف ہے۔ اور ہمارے زوال کا باعث بادشاہوں کی

بے لگامی کو قرار دیتا ہے، جنہوں نے مطلق العنانی سے تن پروری میں پڑ کر رعیت کی داد نہ دی۔ عدل و مساوات مسلمانوں سے رخصت ہو کر مغرب میں جا بسی۔ نظامی ایک کافر شہزادے کے محکوم بجزا ہونے پر بیان کرتا ہے۔

کجا آں عدل و آں انصاف سازی — کہ با فرزند ابناں رفت بازی

سیاست بیں کہ میکردند از پیش — نہ با بیگانہ با دُر دانہ خویش

کنوں گر خونِ صد مسکیں بریزند — ز بندِ یک قراضہ بر نخیزند

جہاں زاتش پرستی شد چناں گرم — کہ بادا زیں مُسلمانی ترا شرم

مسلمانیم ما او گبر نام است — گزیں گیری مسلمانی کدام است

اعلیحضرتِ غازی نے یہ منقلب حال مشاہدہ کر کے کہ علم و عدل سے غرب روشن اور استبداد و جہل سے شرق تاریک ہے، اسلامی غیرت اور ملی حمیت سے جو شاہی شخصیت کی نقیض ہے، ایثار نفسیت نثار سے ایسا خورشید طالع و شائع کیا جو عام و خاص پر یکساں چمکتا ہے اور بعض متمدن ممالک کی طرح شاہی خاندان اور اکابر کو متمیز نہیں جانتا۔ اِس سے پہلے افغانستان میں بھی یہ تفاوت آشکارا تھا۔ سرداروں اور خوانین کی خطاؤں سے درگذر اور صرفِ نظر کی جاتی۔

اگر سیاست تقاضا کرتی تو چاندی کی نازک بیڑیاں پہنائی جاتیں۔ جنہیں قیدی حسب خواہش اُتار بھی سکتا۔ یہ فرق مبنی تھا اس خیال پر کہ باوجود بارش کے مساویانہ لطائف کے، باغ میں لالہ اور شورہ بوم میں خس ہے۔ ایک کو پرورش اور آبیاری کی ضرورت پڑتی، اور دوسرے کو صرصر بھی برباد نہیں کر سکتی۔ ایک توران کے بادشاہ کی نسبت منقول ہے کہ اسیر ہو کر قتل کا محکوم ہوُا۔ صرف ایک میلا کپڑا اپنے پر ڈلنے سے جان بحق ہو گیا۔

باوجود اس قسم کی روایات کے اعلیحضرت نے پوری مساوات اور کامل عدل سے کام لے کر قانون کے سامنے کسی کو کوئی امتیاز نہیں دیا۔ اعلیحضرت کے اقارب میں سے ایک بہت عزیز اور مکرم شخص کسی قانونی خطا کے ارتکاب پر منضبط تحقیقات کے بعد جب جرم ثابت ہوُا تو قید میں بھیجا گیا۔ یہ پہلا واقعہ تھا جس سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اعلیحضرت غازی عدل و مساوات میں مطلق کوئی فرق نہیں کرتے۔ مگر ابھی اگر کچھ شک رہ گیا تھا۔ تو دوسرے واقعے سے قطعیاً رفع ہو گیا۔ ایک اَور بزرگوار جو متعدد وزرا کا بمنزلۂ قبلہ اور

بعض اعاظمِ ملّت کا مرتبۂ کعبہ اور خود ذاتِ شاہانہ کا بمقامِ نانا، سابق اور حاضر سلطنتوں میں بعہدۂ نائب الحکومہ سرفراز تھا۔ اسی منصب کی حالت میں ایک عمل پر جو خلاف ورزئ قانون تھا۔ تحتِ محاکمہ لایا گیا۔ اور قاعدۃً شورے میں پیش ہونے کے لئے ہرات سے بلایا گیا۔ اثباتِ جرم پر حسب جزائے حبس ملی۔ تو اعلیحضرتِ غازی نے عفوِ شاہانہ کا بھی مورد قرار نہیں دیا۔ تاکہ یہ شبہ بھی نہ رہے کہ حقوقِ خاص بادشاہی عزیزوں اور بزرگوں کے لئے ہیں، بوڑھا معزز اور محترم مجرم قید خانے میں ڈالا گیا۔

اِن مثالوں سے ایسی عبرت ہوئی کہ وہ سردار اور اعیانِ دولت و ملّت جو اِس طرح کی مجازات سے بلند سمجھے جاتے تھے۔ دفعۃً دراز دستی سے باز آ گئے۔ اور سب کو طوعاً یا کرہاً اطاعتِ قانون کا ہر وقت خیال ہو گیا۔ خلیفۂ اول کا ارشاد پورا ہوا کہ ظالم کو مظلوم اور ضعیف کو قوی کے مساوی بناؤنگا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے تھے کہ مَیں نے کسی کو فریب نہیں دیا۔ اور نہ کسی سے فریب کھایا۔ اِس لئے ہوشمندی اور بیداری لازم ہے

تاکہ صلاحیّت سے کسی پر تعدی نہ ہو۔ اور سلاحیت سے کوئی جبر نہ کر سکے۔ ع

مردِ آخر بیں مبارک بندہ ایست

اِن باتوں کے متعلّق پھر پہلے سال کی طرف رُخ کرتے ہیں ۞

—— ۰<✲>۰ ——

خلوت میں جلوت بلند نظری اور کفایت شعاری

اعلیحضرت رات کو محل کے ایک کمرے کے گوشے میں خفیہ اطلاعات پڑھ رہے ہیں۔ لفافوں کی تعداد میز پر ساٹھ ستر ہوگی۔ جب تک سب کو مطالعہ نہ کرلیں، اُٹھیں گے نہیں۔ چونکہ نئی سلطنت ہے۔ لامحالہ اندیشے اور تشویش کی خبریں بھی ہونگی۔ مگر کبھی اُس کا اثر ظاہر ہونے نہیں پاتا۔ ٹیلیفون میں استفسار اور استنطاق بھی کرتے ہیں۔ کبھی مزید تدقیق کے لیے بعض اشخاص کو بلاتے ہیں۔ جو رقعے میں حاضر ہوتے ہیں، اور تخلیئے میں اُن کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔ کنج خانہ میں بیٹھنے کا یہی سبب ہے۔ جس کے دوسرے کونے میں مصاحب وغیرہ بھی موجود ہیں۔ اُن میں سے ایک دو یکے بعد دیگرے اُٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں۔ لیکن ایسی خاموشی سے کہ حضور بادشاہی کا تقاضا ہے۔ اور دبے پاؤں نکل کر برآمدے میں جا کھڑے ہوتے ہیں۔ اعلیحضرت ایک طویل تحریر کے پڑھنے میں مستغرق سر اُٹھائے

بغیر کہتے ہیں کہ فلاں اور فلاں اُٹھ کر باہر گئے۔ اور باتیں کر رہے ہیں۔
آپ کے لہجے سے مسرّت مترشح ہوتی ہے۔ کیونکہ خدام عظام جو آہستہ
آہستہ باہر گفتگو کر رہے ہیں۔ اور اُن کی آواز تیسرے کو سُنائی نہیں دیتی'
آپس میں دوستی رکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں رفقائے صمیم و حمیم کے
منازل ایسے بلند دکھائے گئے ہیں؛ جیسے دنیا میں ستارے۔ لحن اور
چہرے سے ایک حد تک دلی کیفیت پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔
آواز بن سنے اور سیما بن دیکھے' اشخاص کی تشخیص اور اُن کی ظاہری
ومعنوی حرکات و سکنات پر علم آوری البتہ فوق العادہ فراست اور
ذہانت ہے۔

غزوۂ احد میں جب ہنگامۂ کارزار مسلمانوں کے خلاف گرم تھا۔
جناب اسد اللہ الغالب رضؓ نے سخت پیاس محسوس کر کے پانی طلب کیا۔
شہد لایا گیا۔ چکھتے ہی فرمایا کہ طائف کا ہے۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ
علیہ و آلہ وسلم چیونٹی کی آہٹ سُن لیتے تھے۔ حالانکہ آپ کا دماغ
تفکّر اور تدبّر سے کبھی فارغ نہیں ہوتا تھا۔ بزرگوں کے حواس کمال
لطافت سے ہر طرف متوجہ رہ کر کبھی خطا نہیں کرتے۔ بلکہ بیم و ہراس

کے اندازے سے قوی ہو کر حسبِ موقع ایسی تدبیر سوچتے ہیں جو اَوروں کے لئے معمّٰی اور اُمز ہوتی ہے۔ تیمور پوبہ جارہا چند قدم آگے ایک گہری غار دیکھتا ہے۔ ایک دو لمحے میں گر کر چکنا چور ہو جاتا اگر فوراً تلوار نکال کر گھوڑے کا سر نہ اڑا دیتا۔ ایک مصوّر بلند عمارت پر نقش کر کے اس کا معائنہ کرتے اُلٹے پاؤں پیچھے کو ہٹتا ہے۔ تختے پر سے نیچے گر کر ہلاک ہو جاتا، اگر اُس کا شاگرد رشید دفعۃً آگاہ نہ کر دیتا۔ اُس نے تصویر پر فوراً رنگ چھڑکا جس سے نقّاش غصّے میں آگے بڑھا۔

جب اعلیٰحضرت اس خفیہ مطالعے میں مصروف تھے اعیانِ دربار آہستہ آواز میں ایک اخبار کا مذاکرہ کرتے تھے جس میں اکیس کروڑ روپیہ انگریزوں کا موجودہ محاربۂ افغانستان میں صرف ہونے کا ذکر تھا۔ ذاتِ شاہانہ نے ٹیلیفون میں خزانہ دار سے کچھ پوچھا۔ اس کے بعد ارتھما میٹر سے جو میز پر پڑا ہوتا ہے۔ حساب لگا کر اہلِ مجلس کو بتایا کہ لڑائی ختم ہونے پر ساٹھ لاکھ روپیہ پہلے سے زیادہ وزارتِ حربیہ کے پاس موجود تھا۔ اعانۂ جہاد بھی اِس میں شامل تھا۔ جو ملّت نے

جمع‌از زبیر محفوظ روزنِ خوکسار

کھلے دل سے ادا کیا تھا۔ اور اس میں جبر کجا کوئی خاص ترغیب بھی نہیں تھی ٭

اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ اور ایک کروڑ یک مشت کی جو استقلال کی قیمت ٹھیرائی گئی تھی، پروانہ کی۔ حضرت مسیحؑ کو دنیا کی سلطنت کی کلید پیش کی گئی۔ مگر اُن کی نظر آسمان کی بادشاہی پر لگی ہوئی تھی۔ جو اِس جہان پر بھی حاوی ہے۔ سلطان محمود نے روپیوں کے ڈھیر پر لات ماری اور "لات" فروشی سے بھاگا۔ پس "ضرب یمین" نے سومنات سے، اس سے زیادہ ثروت ہاتھ لگائی ٭

جب اعلیحضرت مع خدامِ جان نثار سربکف استقلال کی محافظت میں مشغول تھے تو ہر جائز حیلے اور وسیلے سے وہ خزانہ جو ضیاء الملّت والدّین نے معمور چھوڑا، اور اعلیحضرت نے اُسے خالی پایا تھا، پھر بھرپور ہو گیا۔ سابق عہد میں جو اخراجات زاید اور غیر مفید تھے اور بے شمار کے دائرے سے بعید تھے، بعضے بیک قلم اور دوسرے بتدریج موقوف کیے گئے۔ حرم سرائے میں سینکڑوں لونڈیاں خوراک پوشاک اور زیورات میں شیرانہ حصہ دار تھیں۔ کئی دن یہ قابل دید منظر

جاری رہا۔ جب والدین اور بھائی بند برسوں کی فراق زدہ لڑکیوں اور بہنوں کو سراچۂ علیا سے معمولی سواریوں پر لئے جاتے تھے جو اُن کے لئے موٹر سے زیادہ راحت بخش تھیں۔ اِس تحریر یہ رقبۂ مومنہ سے طرفین کو مالی اور معنوی فوائد پہنچے ٭

پہلے بادشاہوں کے اِردگرد، خاص غلام بچے، حضوری غلام بچے، سروس، ہیر سپور، رکابی پروانے وغیرہ، جھنڈوں کے جھنڈ، البسۂ فاخرہ میں بڑی بڑی تنخواہوں پر متعین رہتے تھے۔ ان میں سے چیدہ اہل و صالح اشخاص کو خدمات پر رکھ کر دوسروں کو ملکِ خدا میں چھوڑ دیا تاکہ اکتسابِ نافع سے اپنا پیٹ آپ پالیں۔ اِس تحلیلِ حشم سے بادشاہی شان میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ البتہ خزانے اور ثروتِ ملّت میں افزونی ہو گئی ٭

دارالسلطنۃ وغیرہ کے تمام مشین خانوں میں اسلحہ سازی اور دارالضرب سے لے کر پشمینہ بافی اور بوٹ دوزی تک ہزاروں فضول مزدور برطرف کئے گئے۔ پھر طرفہ یہ کہ سابق کی نسبت حاصلات مضاعف ہو گئیں۔ کیونکہ ہر کام کی نگرانی ہوئی۔ اور سارے عملے

نے فعالیت اختیار کی ۔

خوئے شاہاں در رعیت جا کند
چرخ اخضر خاک را اخضر کند

گذشتہ عہود میں بہت سامان اور متاع تحویل خانوں میں اکٹھا ہو گیا تھا۔ جس کی قیمت سے اُن کی نگہداشت مہنگی پڑتی تھی۔ غیر ضروری اشیا کو بکوا کر لوگوں کو ماعون سے نفع پہنچایا۔ اور انگریزی مثل پر عمل ہوا کہ استعمال سے کسی چیز کا خراب ہو جانا بہتر ہے نہ کہ زنگار سے +

اعلیحضرت فرماتے تھے کہ سابق عہد میں اگرچہ مزدوروں کو اُجرت کم ملتی تھی۔ بلکہ ملتی ہی نہیں تھی، پھر بھی عمارتوں اور سڑکوں پر بے اندازہ روپیہ صرف ہوتا تھا۔ ایام شہزادگی میں آپ نے قصرِ علین العمارت بنوایا۔ جس میں اب ایک اسلامی سفیر کا قیام ہے۔ کیونکہ دونوں کے ساتھ آپ کو خاص اُلفت ہے۔ اُس کی تعمیر میں آپ بے اجورہ کام کرا سکتے تھے۔ مگر رواج کے خلاف ہر شام مزدوری ادا کر دیتے تھے۔ بادشاہی کے ابتدا ہی میں اعلیحضرت نے بیگار کو قطعیاً ممنوع و موقوف کر دیا۔ جس سے ادنےٰ طبقاتِ رعایا کو خوش حال و فارغبال بنا کے بیت المال

معنوی کو بھر دیا ؎

بہت سی سرکاری املاک ہر ولایت میں عبث پڑی تھیں۔ یا طعمۂ حرام ہو رہی تھیں۔ اُن کی آمدنی اتنی تھی کہ جیب فروش کو پہنچیں تو مالیات اس سے زیادہ وصول ہونے لگے۔ اور خریداروں نے اتنا فائدہ اُٹھایا کہ قیمت کی اقساط آسانی سے ادا کرتے رہے۔ جس سے دولت کو متواتر اور معتد بہا منفعت پہنچی ؎

لہ بیربر نے مغل بادشاہ کو چند باتیں کہی تھیں۔ جن میں ایک یہ تھی کہ زمین اپنی وہی ہے جو آنکھوں کے سامنے ہو۔ اور روپیہ اپنا وہ ہے جو پاس ہو۔ اور عورت وہ جو ساتھ ہو۔ چونکہ بادشاہ کی املاک اور خزانہ اور حرم سرائے وسعت کے سبب ضرور ہے کہ دور ہو، بھیس بدل کر آزمانے کے لئے نکلا۔ جہاں کہیں اراضی اور مکانات ویران پڑے تھے، سرکاری تھے (یہی حالت افغانستان میں تھی) حکائت کو مجبوراً ختم کرنے کے لئے بیان ہوتا ہے کہ واپسی پر کوتوال کے ہاں ایک حرم کی رہنے والی کو دیکھا جس نے بادشاہ اور وزیر کو پہچان کر ان کے درپردہ قتل کا قصد کیا۔ جلاد کو روپیہ دے کر جان بچائی۔ جس سے تینوں باتیں پوری ہوئیں ؎

اقتصادیات کے نکات و مقایسات

سابق الذکر کفایت شعاریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ اعلیحضرت نے
پہلے سال سب عمارتوں اور اُن کی تزئینات کو متروک یا ملتوی کردیا۔
باغوں اور سڑکوں کے نوکر چاکر کم کئے گئے۔ ولایات میں حکام کے
نام فرامین صادر ہوئے۔ کہ درباری ضیافتوں کو بند کردیں۔ ہزاروں
چنگے بھلے اشراف جو سرکار سے مفت نقد و جنس کثیر المقدار
تنخواہیں کھاتے تھے۔ ہمیشہ کے لئے اس بادشاہی حکم سے متاثر
ہوئے۔ جس کی رُو سے کسی کو بدونِ خدمت اجرت نہیں مل سکتی ❊

بیت القراء بھی موقوف کیا گیا۔ جس پر سالانہ ستّر ہزار روپیہ صرف
آتا تھا۔ لوگوں کے نزدیک یہ درس گاہ مقدس تھی۔ اس لئے ایک
طرح کی حسرت واقع ہوئی۔ اور احتمال ہے کہ ناظرین میں سے بعض
اب بھی اسے حیرت سے تلقی کریں۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ اس رقم کا
زیادہ حصّہ ضائع ہوتا تھا۔ چنانچہ اصلاح یوں ہوئی کہ نابینا محتاج

دولت کی مدد سے قرآن حفظ کریں۔ اور باقی اپنے خرچ پر مخیر ہیں۔ اس طرح صرف تین ہزار روپئے درکار رہوئے۔ قرآن مجید کے حفظ کرنے پر اس کا سمجھنا مقدم ہے۔ اور اس کے سمجھنے کے لئے صرف و نحو لازم ہے۔ سمجھنے سے زیادہ اس کا سمجھانا افضل ہے اور اُس کے سمجھانے کے لئے اکثر علوم و فنون سے واقفیت ضرور ہے لہٰذا بیت الحفاظ کی مانند موسسات صرف عوام کے نزدیک مقبول ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس عصر میں قاری اور حافظ مفید نہیں ہیں[ل]۔ جب تک کہ اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ نہ ہوں۔ اِسی لئے اعلیحضرت نے باوجودیکہ شروع میں کوئی دفتر ادارہ محکمہ شفاخانہ وغیرہ نہ چھوڑا جس میں مصارف کی تقلیل نہ کی ہو، سوائے معارف کے جو پہلے سال

ل بعض کی دلچسپی کے لئے یہ ذاتی ذکر کرتا ہوں کہ میں نے علیگڈھ کالج میں ایک آیت روزانہ حفظ کرنی شروع کی۔ جس کا تکرار نماز میں کر لیتا۔ اور اس حساب سے چالیس برس کی عمر میں حافظ ہو جاتا (ساتھ ہی ایم۔ اے میں عربی بھی پڑھتا تھا) کابل میں آیا تو دس سیپارے تقریباً یاد تھے مگر مجھ سے میں تیس سال کی عمر میں باقی بیس حفظ کر لئے۔ تین ہزار کے قریب کتابیں بھی پڑھیں۔ مگر شائقینِ مطالعہ کو ایسا موقع نصیب نہ ہوا ؂

اپنے حال پر رہی۔ دوسرے سال دو چند اور اسی طرح ہر سال بڑھتے بڑھتے اَب سو حصّے زیادہ ہوگئی۔ باقی سب وزارتوں میں کم و بیش تخفیف کی گئی تھی۔ یہاں تک کہ خزانہ جویارانِ دخل کے نہ ہونے اور دجاۂ خرچ کے بہنے سے خشک ہورہا تھا۔ تھوڑی مدت کی اقتصادی مساعیات سے پھر سیراب ہوگیا۔

پیشتر بیان ہؤا کہ اعلیحضرت نے تدوینِ قانون میں کتنا حصّہ لیا۔ اُس کے ساتھ ہی تجارت کے فروغ دینے میں کوشش جاری رکھی۔ عین المال سے خرچ کرکے دکانیں بنوائیں۔ زمینوں کی ترقی اور سوداگری میں اقدام کیا۔ جس سے نہ صرف اپنے اقربا اور غربا کی معاونت کا ذریعہ استخراج کیا۔ بلکہ عموم ملّت کے سامنے ایک قابلِ تقلید نمونہ پیش کیا۔ ملّت کے ایک فرد کے طور پر تجارت اور صنعت کی شرکتوں میں شامل ہوکر دوسروں کو جلب منفعت کی عملی ترغیب دی۔

تجارتی شرکتوں کو فروغ دینا

جیسا کہ "شریکوں کی ہنڈیا چوراہے میں ٹوٹتی" سُنی گئی ہے انگریز بھی کہا کرتے تھے کہ "مشترک سرمایہ کی جمعیتوں کا جسم نہیں جیسے دنیا

میں لات ماری جائے۔ اور روح نہیں جس پر عقبیٰ میں لعنت کی جائے" اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ[1] کی استثنا قلیل بیان ہوئی ہے۔ جب تمام جہان میں شرکت اور خلطت کے ظاہری اور روحانی موانع موجود ہیں۔ اور فی زماننا اقوام کے ازلی تنازع میں تغلب بلکہ بقاے محض قوت پر اور قوت ثروت پر منحصر ہے" اور منفرد تجارت کا مسابقہ دنیا کے مجموعی سرمایہ داروں کے ساتھ لمبی تگ و دو میں لامحالہ خسارے کا موجب ہوتا، اعلیحضرت نے مستقیمانہ توجہات سے اس مسئلہ میں اشتغال کیا۔ سوداگروں کو اپنے مقاہمات اور مساہمات سے آخر قائل کر لیا۔ جو سابق عہد کے مارگزیدہ اب رسّی سے ڈرتے تھے ذات شاہانہ نے اپنی نصیحتوں اور عملی کارروائیوں سے ثابت کر دیا کہ گذشتہ بادشاہی کی ناکام شرکت جہال سحرہ اور یہ عصاے موسوی ہے جس سے مالی اور ملی منافع حاصل ہونگے وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی[2] جیسا کہ یورپ دیرینہ ازمنہ سے متمتع ہو رہا ہے۔ متعدد شرکتیں

---

[1] اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔ سوائے ایمانداروں اور صالح لوگوں کے اور وہ تھوڑے ہیں +

[2] میرے لئے اس میں اور بھی ضروریات ہیں +

محکم اساس پر قائم ہوگئیں۔ اور افغانستان کی تجارت کا جدید دور شروع ہوا ۔

پہلے تجارت کا محصول نقد نہیں لیا جاتا تھا۔ اس لئے سوداگروں کے ذمے بڑی بڑی رقمیں برسوں باقی رہ جاتی تھیں اور بعض تلف ہو جاتیں۔ اقتصادی بے خبری سے تادیہ نقد پر تجار نے شکایت کی۔ مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد سب مطمئن ہو گئے۔ باوجود روسی تجارت میں اختلال کے ہر سال محصولات میں معقول ازدیاد ہونے لگی۔ خود اعلیٰحضرت ہر سال دائرہ گمرک میں تشریف لے جاتے اور سوداگری کی اصلاحات و ترقیات پر نطق فرماتے۔ مدبر اور بڑے تاجروں کو تمغے انعامات اور خلعتیں بخش کر دولت اور ملت کے ارکانِ تجارت کی حوصلہ افزائی کرتے۔ وزارت تجارت منفرد اور مجتمع سوداگری کے امور میں انتظام و انصرام کر رہی ہے اور اعلیٰحضرت بھی رہنمائی فرما رہے ہیں ۔

ایک دفعہ شہر نشین اور کوچی تاجروں کو اپنے حضور میں بلا کر مختلف مضامین پر بحث کر رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ تم ہندوستان

محصولات افغانستان

میں بعض تجار کو دیکھتے ہو۔ جن کی ثروت تمہارے بادشاہ سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن وہ عزت جو تم میں ہر ایک کو حاصل ہے۔ کیا ان میں سب سے زیادہ متمول کو نصیب ہے؟ تم آزاد ہو۔ اور تمہاری آزادی کا دارو مدار استقلال پر ہے۔ اور اس کی محافظت محصولات سے ہوتی ہے۔ جس کی زیادتی تمہاری ہمت اور مجاہدت پر موقوف ہے، اگر سستی کرو گے تم خود بھی کم نفع پاؤ گے اور دولت کو کم فائدہ پہنچاؤ گے۔ اور خیانت کا خمیازہ اول اور آخر تمہیں کو بھگتنا پڑے گا۔ تم اموال کے ساتھ جہاد کر رہے ہو۔ اور تمہارے دوسرے بھائی انفس کے ساتھ۔ اور البتہ اس سے بڑھ کر فعلِ ثواب نہیں ہو سکتا ۔

اِن شفاہی مواعظ کے سوا اعلیحضرت اشتہاروں کے ذریعے بہت سی نصائح ابلاغ کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک اعلان میں جس کا عنوان "لان القرض مقراض المحبۃ"[1] تھا۔ تاجروں اور خریداروں کو قرض دینے لینے سے ممانعت کی۔ اور تہدیداً بیان کیا کہ آئندہ

---

[1] بِاَیُّہٖ لَآ تَصَرَّفُ دَنُہٗ بِجَبَّہٗ ۔

خرید و فروخت کے قرض کے دعووں کی شنوائی محکموں میں نہیں ہو گی۔ ذات شاہانہ ایسے معاملات میں اتنا اشتیاق رکھتے ہیں کہ جب یہ اشتہار آپ کی تصویب کے لئے تقسیم ہوا تو تامّل کے بعد فرمایا کہ کوچی سوداگر ہزارہ جات وغیرہ میں اپنا مال ایک موسم میں مستعار دیتے ہیں! اور دوسرے میں اُس کا مبادلہ لیتے ہیں، اُن کو قرض کے بارے میں مستثنیٰ رکھا جائے۔

اِس کے علاوہ اعلیحضرت نے جرائد اور اعلانات کے ذریعے سے بہت سی مفید ہدایات فرمائی ہیں۔ اور یہ علیحدہ رسالوں کی صورت میں بھی شائع ہو گئی ہیں۔ مثلاً شادی، بیاہ، ماتم وغیرہ کی رواجیں بہت سے مسرفانہ اخراجات کا باعث ہوتی تھیں۔ اور اُن کی پابندی گھرانوں کے گھرانوں کو قرض کے بوجھ کے نیچے دب کر دوبارہ اُٹھنے اور سینے نہیں دیتی تھی۔ اعلیحضرت نے تدبیر اور مشاورت سے ایسے نظامات مرتّب کیے جن کی تعمیل ملّت کی آبادانی اور شادمانی کا موجب ہوئی۔ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اگر یہ اصلاحات رائج کی جائیں۔ تو فضول خرچی کی تباہی سے بچا کر مسلمانوں کی بہبودی کا مورث ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اسی طرح کی بیہودہ اور مضر رسمیں ہر ملک و قوم میں زور پکڑ گئی ہیں۔ مگر اُن کی

شادی بیاہ وغیرہ کی رسوم اور اخراجات میں اصلاح

ترمیم اور اصلاح کے لئے قوت مفقود ہے۔ خواہ متحدانہ ہو یا واحد ✤

اعلیحضرت بمنزلۂ سرورِ دولت و سردار ملت، دونوں کی صلاح و فلاح کے لیئے بلا تفریق، مساعئ جمیلہ عمل میں لاتے ہیں۔ چونکہ اس مشاہدے اور تجربے سے، مذاکرے اور استشارے کے ذریعے، یا بھیس بدلنے اور مخبروں کے واسطے سے، دونو کے من وعن اور نشیب و فراز پر کما ینبغی علم آوری کرتے ہیں، شاہانہ کوششیں بلیغ اور بار آور ہوئی ہیں۔ کابل کے نکتہ سنج کہتے ہیں کہ امیر مرحوم بادشاہ تھا۔ اور امیر شہید شہزادہ، کیونکہ ایک نے روزگار کی پستی و بلندی کو دیکھا، برے اور بھلے کو آزمایا تھا، اور پھر اپنے نیروئے بازو سے تاج و تخت کا مالک بنا، دوسرا بلا تحمّل زحمات اور بدوں ابتلائے نیک و زشت سلطنت کا وارث ہوا۔ آباء و اجداد کے موازنے سے اعلیحضرت غازی کو من حیث استقلال و خود مختاری ایسا بادشاہ کہہ سکتے ہیں۔ جس کی تمنا یورپ کے ادیبوں نے "یوٹوپیا" میں کی ہے، اور دنیا کے معلّمِ ثانی، ابو نصر فارابی نے اس کی دولت کو بہترین حکومت قرار دیا ہے، کیونکہ اس کے ارادے سراسر ملت کی خیر و اعتلا کے لئے ہیں۔ اور اُن میں

خود بادشاہ

قصور و خطا نہیں - اُن کے نفوذ میں تاخیر مانع نہیں - جو بلند جمہوریتوں
کو بھی مباحثوں میں پیش آتی ہے - اعلیحضرت غازی نے بادشاہی
اور مستقل بادشاہی اپنی عالی ہمتی اور ذاتی قوت سے حاصل کی - اور
ان کو اپنی حریت اور شخصیت کے بارے میں کسی فرد یا جمعیت کا خوف
نہیں - چنانچہ چوتھے سال کے جشن استقلال میں جدید ترقیات کو بے کھٹکے
ذروۂ کمال پر پہنچانے کی بابت فرمایا کہ میں کرۂ ارض سے بھی نہیں ڈرتا -
اعلیحضرت کے احسانات اپنی ملت پر اور معاہدات دول کے ساتھ
کسی خوف و رجا پر مبنی نہیں ہیں بلکہ آپ کا مفکورۂ عالیہ شروع ہی
سے اکرام پر اقدام کرنا ہے - وَمَا لِاَحَدٍ عِندَہٗ مِن نِّعْمَۃٍ تُجْزٰی ٭ وَلَا
نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا [۱] ٭

اعلیحضرت غازی شہزادہ بھی ہیں - مگر آپ کی شہزادگی کس طرح گذری
جس کی ایک مثال اور پیش کی جاتی ہے - دفتر کے اصول اور مالیات
کے وصول کرنے کی تعلیم سابق عہد میں ایک دو ترکوں نے شروع کی

---

[۱] اس پر کوئی احسان نہیں ہوا جس کا بدلہ دے رہا ہے ٭ ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے
ہیں نہ شکریہ مانگتے ہیں ٭

تھی۔ مگر اُس کے تعلیم یافتہ جوان اُس وقت کے کارداروں کی مخالفت
اور حکومت کی بے پروائی سے بے کار پھرتے تھے۔ اُن میں سے
ایک کو چن کر آپ نے مقرر کیا تاکہ خانگی دخل و خرچ کے دفتر کو
نئے طریقے سے درست کرے۔ اس اثنا میں یہ ضروری طرز محاسبات
آپ نے بھی خوب سمجھ لی اور تجربہ بھی کر لیا۔ پہلے ہی برس جب کہ
افغانستان کا سیاسی مطلع ابھی تیرہ و تار داخلی و خارجی سیاسی بادلوں
سے صاف نہیں ہوا تھا۔ مالیات اور دفاتر کے مشکل و منظم معاملے کو
جدید اُصول سے سہل اور روشن کر دیا۔ رقوم و سیاق کے ٹیڑھے
بکھیڑوں میں لاکھوں کھوئے ہوئے روپئے اعداد و جداول کے
خانوں میں دستیاب ہو گئے۔ رعیت کی آسانی اور آبادانی کے
علاوہ بیت المال کی معمولی و موفوری کا دروازہ کھل گیا۔ جو حکومت
کے اور صیغوں کے مابین بمثابۂ معدہ ہے کہ پہلے خود بھرتا ہے۔ پھر
دوسرے اعضا کو تقویت دیتا ہے۔ پہلے اس میں مالیہ مختلف اجناس
کی صورت میں تداخل کرتا تھا۔ اب نقد کی سادہ غذا نعم البدل قرار دی گئی۔
جس کی ابتدا پہلے کابل کے علاقے سے کی گئی۔ کیونکہ لوگ ہر نئی چیز

سے خواہ کتنی ہی کارآمد ہوں اول اعراض کیا کرتے ہیں - اِس لئے جیسا
کہ اعلیٰحضرت کے اکثر مہم کاموں کا قاعدہ ہے - تدریج برتی گئی ہے

حق نہ قادر بود بر خلقِ فلک   در بیک لحظہ بکن بے ہیچ شک
پس چرا شش روز آں را کشید   کُلُّ یَوْمٍ اَلْفُ عَامٍ اے مستفید؟

جب دارالسلطنت کے زمینداروں کو جنس سے نقد میں سہولت اور
اصولِ دفتری کے نئے طریقے میں بہت آرام اور فائدہ ہوا - تو اُن کی
نسیمِ مُسرت سے دوسری ولایات کی کشت زاریں بھی لہلہانے لگیں -
اسی تعلیم یافتہ جوان کے ادارے میں جس نے یہ کام کامیابی سے
سرانجام دیا، ایک مکتب بھی افتتاح کیا گیا تھا - جس میں دفاتر کے
منتخب کاتب داخل کئے گئے تھے - ایک سال کے اندر محنت سے
تعلیم حاصل کر کے دفتروں اور مالیات کے وصُول کرنے پر مامور
ہوئے - اگرچہ سابق اہل کار اب بھی مخالف تھے - مگر ذاتِ شاہانہ
چونکہ خود طلبہ کا امتحان لیتے، اُن کو انعامات دیتے اور اداروں پہ
مقرر کرتے تھے - اِس لئے سب مزاحمت دُور ہو کر چند ہی سالوں
میں یہ مفید کام رونق پکڑ گیا - اور اب مالیات محصُولات اور محاسبات

تمام دفتروں میں متمدن ممالک کی طرح جاری ہیں۔ چونکہ اس مسئلے نے افغانستان میں داخلی ترقی کے ایک مہم بلکہ اہم مرحلے کو طے کیا ہے اس لئے چند شعر اُس کے متعلق درج کرتا ہوں:-

ملت بداد و دولت بستد چسان نفہمد — چون نیست بین میزان یک حرف ہم نہانی

داند ازین ترازو حق و حساب ہر دو — ملت بداد مالی دولت بداد جانی

تصویر مالیہ شد جدول بنقشہ ہائش — در نفع اقتصادی بردہ سبق زمانی

از بہر علم دفتر یک مکتب متین را — شاہ حقوق بخش ملت شد ست بانی

باغے ست بار آور مملو ز نونہالاں

زر بر خوری ازینہا ہر جا کہ مے نشانی

اعلیحضرت غازی نے مامورین مالیہ پر عطف توجہ فرما کر ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کو امتیاز بخشا۔ اس طرح کہ سمت شمالی کی تفتیش میں دائرہ مالیہ کو خود جا کر دیکھا اور جب سارے انتظام کو اچھے اسلوب میں پایا تو تحسین و آفرین سے یاد فرمایا۔ سمت مشرقی میں انھی مامورین سے مالیات کا امتحان لیا۔ اور کامیابوں کو ہزاروں روپئے انعام

دیباچہ

اعلیحضرت کی التفات دوسرے شعبوں کی طرح زراعت پر بھی ہے۔ اگر ایک طرف ماہروں کو اس کی ترقی کے لئے جلب کرتے ہیں۔ اور مکتب زراعت میں جرمنی اور فرانسوی متخصّصین کو استخدام کیا ہے، تو دوسری جانب خود ایسے مواضع ملاحظہ فرماتے ہیں جہاں غرس اشجار، حفر انہار، اور خاص فصلوں کا انتظام ہو سکے۔ اس دُھن میں لگے رہتے ہیں کہ کس طرح جبال عریاں کو سبز جامہ پہنایا جائے۔ ایک دفعہ یہ دیکھنے کے لئے کہ دریا میں کہاں بند لگایا جائے۔ دن بھر بغیر کھانا تناول کئے۔ تقریباً چالیس میل گھومتے رہے کابل کے نواح میں ایک قوی ہیکل بند مدّت سے تیار ہو گیا ہے سلطان محمود کا بند جو سینکڑوں سالوں سے منہدم چلا آ رہا تھا۔ اب پھر غزنی کی سیرابی کا باعث بن گیا ہے ؛

ایک بار خشک سالی میں اعلیحضرت نے خاص اہتمام سے مشین خانوں کے مزدوروں اور کسانوں کو لے کر، ڈھول اور بانسری سے جو رزم اور بزم میں افغانوں کو جمع کرتی اور جوش دلاتی ہے، دریا کے خشک

مجرے کو کھدوا ڈالا۔ اور اس سے اتنی نہریں جاری ہوگئیں جو فصلوں کے لئے کافی تھیں۔ ذاتِ شاہانہ بھی لوگوں کے ساتھ کام کرنے میں شریک ہوتے تھے۔ جس سے البتہ دو چند جلدی اور زیادتی کے ساتھ کام ہوتا تھا، ایک تو بادشاہی شمولیت کے افتخار سے، دوسرا ایک یورپی محاورے کے اعتبار سے، کہ جب مالک اپنے مزدوروں کو کہے کہ آؤ تو دگنی حاصلات ہوتی ہیں۔ بہ نسبت اس کے کہ ان کو کہے کام کے لئے جاؤ۔

اعلیحضرت نے زمینداروں اور کسانوں کی ہمدردی کے لئے عجیب و غریب طریقے اختیار کئے ہیں۔ جن میں سے ایک قابل ذکر ہے۔ برفیں پگھل چکی ہیں اور قدیم رسم کے مطابق نئے ہل چلانے کے موقع پر میلے کی تقریب ہے۔ دارالامان میں ہزاروں آدمی جمع ہیں۔ مگر تلاش کی نظر بھی کسی متنفس کو سوائے دہقانی کپڑوں کے اور کسی چیز میں ملبس نہیں پاتی۔ شکل صورت سے پہچانے جاتے ہیں۔ کہ مدیر نائب الحکومہ وزیر اور سردار ہیں۔ مگر سر سے لے کر پاؤں تک سب ایک ادنےٰ مزارع کے لباس میں ہیں۔ حیوانات اور نباتات کی

دہقانی لباس میں وزیروں کا

نمائش میں انتظامات اور انعامات تقسیم کرنے والے اور لینے والے سب ایک ہی پوشاک میں ہیں۔ ایک جگہ بہت سے اڈے اکٹھے بیٹھے ہیں۔ اور ان میں سے ایک کھڑا بلند آواز سے کچھ بول رہا ہے جس کے فنی کلمات سے قیاس ہوتا ہے کہ مکتب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اُس کو سُننے کے لئے لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے اور ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ مگر چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی پیچھے ہٹ کر معذرت مانگتا ہے۔ تو اعلیحضرت غازی مسکرا کر اُسے تسلّی دیتے ہیں۔ جُوتا بغیر جراب کے پہنتے ہیں۔ سر پر بدون کلاہ پگڑی ہے۔ سب لباس کھدّر کا ہے۔ کمر کے گرد چند گز لمبا کپڑا لپیٹے ہیں۔ اور اس میں مع کسانی اوزاروں کے پیش قبض گڑا ہے۔ جو دہقانی قاعدہ ہے۔

اعلیحضرت ان عارضی نمائشوں کے علاوہ اپنی رعایا کے سب کاموں میں بے ریا مشارکت کرتے ہیں۔ خطرے سے بھی نہیں ڈرتے۔ اگرچہ عقلمند بہادروں کے نزدیک خوف نجات کا باعث نہیں ہوتا۔ پھر بھی ایک امیر کے ہیضہ سے وفات پانے کے سبب دوسرے

اس وبا کے دوران میں کبھی شہر میں قدم تک نہیں رکھتے تھے اعلیٰحضرت غازی
ایک دو روز کے بعد بازاروں میں گشت لگاتے دکانداروں سے ان کی
خیریت کا حال دریافت فرماتے تھے ۔

ایک مشہور اندلس کا بادشاہ رعایا کے آرام کے لئے برسوں میں
پل بنواتا ہے مگر لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے عیش کے لئے تعمیر
کیا ہے ۔ تاکہ وہاں سے گذر کر شکارگاہ پہنچ سکے ۔ یہ سن کر قصد کرتا
ہے کہ مدت العمر اس پل پر سے نہ گذرے ۔ اگرچہ خلق کی زبان سے
فرشتہ سیرت انسان کو بھی چھٹکارا نہیں ۔ پھر بھی تہمت کے مواقع سے
اجتناب مسنون ہے ۔ اعلیٰحضرت غازی ایسے ایثار کو بارہا ثابت کر چکے
ہیں ۔

گلباغ کو صبح اس کے تالاب کے عام سیر و تماشا کے لئے متعین کیا
تھا ۔ خشک سالی میں حکم دیا کہ اگر تالاب میں پانی کا جمع ہونا کھیتی کو ضرر پہنچائے
تو لوگ اس نظارے سے صرف نظر کریں ۔ انہی دنوں آپ قصر چہل ستون
میں مقیم تھے ۔ اور پاؤں میں درد تھا ۔ آدھی رات کو غوغا رے کی آواز سن کر
بے تحاشا باہر نکلے ۔ اور اس خلوت کے اندھیرے میں غصے سے فرمانے

لگے کہ گرد نواح میں فصلیں خشک پڑی ہیں۔ سب پانی ان کے لئے درکار ہے۔ فوّارہ بالکل بند کیا جائے۔

جب قحط ذرا شدید ہوا تو اعلیحضرت نمازِ استسقا کے لئے ربّ السّما کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور ہزاروں آدمیوں کے درمیان مناجات کی جس کا ایک فقرہ اخوتِ اسلامی کی حلاوت سے قند مکرّر ہے :-

الٰہی! بروئے آب شمشیرِ مصطفےٰ کمال پاشا غازی بارانِ رحمت نازل فرما۔ اور دعاؤں کے ساتھ یہ شہانہ دبدبہ باوجود عجز و انکسار کے ایک دبدبہ رکھتا تھا ؎

ما مرغ پر شکستۂ گلزار عالمیم
پرواز ما بسوئے چمن بے خرام نیست

اس وسیع میدان میں ہزاروں افغانوں کے ساتھ اتنے ہی تُرک دعا مانگتے نظر آنے لگے خشوع و خضوع کے ساتھ ہمت اور معاونت کے فرشتے گویا فضا میں پر پھڑ پھڑانے لگے۔

ایک ولی اللہ نے حجاجِ ظالم کی مقبول دعا سُن کر فرمایا کہ اُس کی شطارت سے اندیشہ ہوتا ہے کہ درگاہِ بے نیازی میں مقبول ہو جائے گی۔ اِس

نمازِ استسقائی دعا

بادشاہ کی شیریں ندا جو عدل ورافت بھرے دل سے نکلتی ہے کیونکر مستجاب نہ ہوتی۔ مگر کُلّ اَمرٍ مَرھُونٌ بِاَوْقَاتِھَا۔ ارزانی اور فراوانی میسّر ہوئی۔ اور اب اِس قحط کے بعد سات سال گذرے جو آسمان نے دریاؤں اور نہروں کو رواں، اور کشتوں اور گلشنوں کو خنداں بنا رکھا ہے۔ لیکن اس سے قبل ایک دو مرحلے طے کرنے پڑے۔ جو حقیقی مدبّروں کے اعمال کے دو پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں ؁

صلوٰۃ استسقا سے واہمہ نے قوت پکڑی کہ البتہ خشک سالی اتنی سخت ہوگئی ہے، کہ اس کی شدت کو بادشاہ نے بھی محسُوس کیا۔ پس غلّوں کے نرخ بڑھ گئے۔ اور مزید مہنگ کے انتظار میں مضافات سے بھی گیہوں وغیرہ رُک گئے۔ اعلیحضرت نے اگرخارج کے سرفانہ امتعہ اور داخل کے مفید اسباب پر ورود اور صدور کے محصُول بڑھا رکھے تھے تو اندرونی تجارت کو ایسی آزادی عطا کی تھی جو سوداگروں کو پہلے نصیب نہیں تھی۔ سرکاری نرخوں سے اگر رعایا کی آسودگی مطلوب تھی تو دکانداروں کو ضرر پہنچتا تھا۔ وہ شرح نرخ کو مطابقت وموجودیت کے

قحط میں عدل اور رحم کی عمدہ مثال

توازن کے خلاف دیکھ کر دکان بند کر دیتے تو لوگ مہنگے سودے کی بجائے کچھ بھی نہیں خرید سکتے تھے۔ پھر اُن کی گوشمالی اس طرح کی جاتی کہ اُن کے کان میں میخ گاڑ دی جاتی۔ اِن آفتوں کو اعلیحضرت نے دُور کر دیا تھا۔ اب یہ علاج کیا کہ عین المال کے سرمائے سے دکانیں کھول دیں۔ تاکہ کم بضاعت خریداروں کو سستی چیزیں دستیاب ہوں۔ اس سے اُن کو بہت فائدہ اور آسائش ہوئی۔ مگر اس سے پھر مستطیع خریداروں کو نقصان پہنچا۔ کیونکہ عام دکانداروں نے جب مشتریوں کی قلت دیکھی تو اپنا مال تلافی کے خیال سے کچھ مہنگا کر دیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد یہ مصنوعی رُکاوٹیں دُور ہوگئیں اور باہر سے بھی اشیا وارد ہونے لگیں، غرض خشک سالی بغیر کسی غیر معمولی تکلیف کے گذر گئی۔

بعض پھولوں کے ساتھ کانٹے ہوتے ہیں۔ اور گل کی بدبوئی کے بغیر کوئی گل بھی خوشبوئی نہیں دیتا۔ انسانی امور اسی قسم کے نقیضین سے بھرے ہیں۔ ایمان کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ اگر آدمی ایک سوراخ سے ڈسا جائے تو پھر وہاں ہاتھ نہ ڈالے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ خیر و شر میں تمیز کرنے کی قابلیت ہو۔ امام جعفر

ہندوستان کے اسلامی ادارے کا دستاویزی ایجاز

صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دو خوبیوں میں سے بہتر کو انتخاب اور دو برائیوں میں سے بدتر سے اجتناب کیا جا سکے! انسان کے معاملات میں نیکی و بدی، اور نفع و ضرر اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن ایسے متصل اور باہم آمیختہ ہیں کہ ان کا انفصال اور امتیاز آسان نہیں۔ خون ریزی اور فساد انگیزی دونوں بری چیزیں ہیں۔ مگر جب چارہ نہ ہو تو فتنہ چونکہ قتل سے اشد ہے۔ اور اس سے بہت سے قتلوں کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے اس سے اجتناب مرجح ہے ؛

دو قبیلوں میں لڑائی تھی۔ جن میں سے ایک مسلمانوں کا حلیف تھا جس کے بعض افراد کو دوسرے قید کر کے لے گئے۔ مسلمانوں نے اُن کے چند آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ تاکہ حلیفوں کی رہائی صورت باندھے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس اسیروں نے فریاد کی۔ اور جب سُنی نہ گئی تو یہ بھی کہا کہ ہم مسلمان ہو جاتے ہیں۔ مگر جواب ملا کہ ایمان مصیبت سے پہلے قبول ہو سکتا ہے۔ جہانبانوں کے لئے یہ تدابیر ناگزیر ہیں ؛

اعلیحضرت غازی کو انہی طریقوں پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے! اور آپ کے بڑے اور چھوٹے کام اسی قبیل کے ہیں۔ اس شیوے پر کوتاہ اندیشوں

نئے شہر کی آبادی

کا اعتراض ہوتا ہے۔ اور عاقلوں کے نزدیک ہنر اور زیور ہے۔ جو بادشاہوں کو زیب دیتا ہے۔ اور کسی حکومت کو اس سے چارہ نہیں۔ ایک مثال لیجئے۔ تنبیہ ایک گاؤں تھا جس کے باشندوں سے گھر اور اراضی چھینی گئی تاکہ اُس کی جگہ پر دار الامان آباد ہو۔ جو ایک بلدہ طیبہ ہے۔ اور اُس کی آبادی ایک قریئے کی خرابی سے بسا اہم ہے۔ باوجود اس کے اعلیحضرت نے اِن لوگوں کے دلوں پر اگر زحمت سے زخمی ہوئے تھے تو مراحم کی مرہم رکھی۔ ان کی اراضی کے عوض جہاں کہیں بھی انہوں نے پسند کی دس کی بجائے گیارہ جریب عطا فرمائی۔ اسی طرح شہر وغیرہ میں جو سرکاری گھر اُنہوں نے پسند کئے دئیے گئے۔ اُن کے لڑکوں کو انعامات عطا کر کے مکتب حربیہ میں داخل کیا۔ اور وہاں سے تعلیم یافتہ ہو کر اب وہ عسکر میں افسر ہیں ؛

نئے شہر کی آبادی

نیا شہر چونکہ تدریجاً عمران پذیر ہو رہا ہے۔ کابل کے لئے اسی طرح کی ایک اور تجویز سوچی جس سے آناً فاناً ایک جدید اور متمدن شہر کی طرح نمودار ہونے لگا۔ باہر کے گھر بلند دیواروں سے محصور تھے جن کے اندر کوٹھیاں اور باغیچے تھے۔ جو صرف اُن کے مالکوں کو تو حظ بخشتے مگر

فضا کو تنگ اور بدرنگ کر رکھا تھا۔ دیواروں کے گرانے کے حکم سے
خوشنما محلات اور دلربا گلشن و چمن عام نگاہوں کے سامنے آموجود ہوئے
اہالی کی سیر و نزہت کے مواقع کی نضارت اور کشادگی کے علاوہ، شہر
کی تمکین اور جدت مضاعف ہو گئی۔ سرکار اور رعیت کو چند ہزار روپیے
کے نقصان سے، لاکھوں روپیوں کے مکانات اور باغات دفعۃً گویا بلند
اور سرسبز ہو گئے۔ مالی فائدے کے ماورا، وقت کی کفایت اتنی
ہوئی کہ سالہا سال میں ایسے مقامات اور مناظر اس درجے کی آراستگی
اور اتمام کو نہ پہنچتے ٭

پھر خیرین سے بہتر کا انتخاب اور شرّین سے بدتر کا اجتناب
عقدہ پیدا کرکے ایک چیز کو جو دولت کے لئے مضر ہے ملّت کے لئے
مفید پاتا ہے۔ اور سیاسی حکما کو مخمصے میں ڈالتا ہے۔ مثلاً شراب
افیون وغیرہ اگرچہ اُن کے مآثم اور بدنی اضرار مسلّم ہیں۔ لیکن چونکہ
مالی منافع دولت کو بہت عائد ہوتے ہیں۔ اِس لئے برطانیہ اپنے
ملک اور ہندوستان وغیرہ سے اسے ممنوع نہ کر سکی۔ برعکس اس کے
چین اور امریکہ نے بالآخر ملّت کے نقص کو دولت سے جُدا نہ جانکر

قطعی ممانعت کر دی۔ یہی حال قمار کا ہے۔ جو اس زمانے میں لاٹری وغیرہ کی صورت میں آشکار ہو کر لوگوں کو پسینے کی کمائی کے سیدھے راستے سے گمراہ کر کے غفلت اور قسمت پر متوکل بناتا ہے۔ نشے اور جوئے کے فوائد کو تسلیم کر کے حقیقت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ روس میں شراب کو کاملاً منع کیا گیا تھا مگر لوگ چونکہ عادی تھے۔ اس لئے در پردہ خود تیار کر کے پیتے تھے اور اس میں کیمیاوی بے خبری سے بہ نسبت سرکاری نگرانی سے بنی ہوئی شراب کے زیادہ مضرت تھی۔ لہٰذا بدتر سے بچنے کے لئے بد کی اجازت دی گئی۔ ہندوستان میں ایک اسلامی ریاست بھی یہی خیال رکھتی ہے۔ مگر یہ سیاست عالی نہیں۔ حکومت اگر اسے مضر سمجھتی ہے تو عدم نظات سے مضر تر بناتی ہے۔ حکومت کا اس کے نقصان کو جاننا اور اس کی ممانعت کی مواظبت کرنا دو تو اچھی باتیں ہیں۔ اور ان خیر بین سے بہتر اس کے امتناع کی نگرانی ہے۔ تو اخلاقی تعلیم اور مدنی انضباط کی اشاعت اور کفالت کیوں نہ کرے۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پورا ذمہ کیوں نہ اٹھائے تاکہ یہ

نشہ اور جوئے کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

ظاہری اور معنوی سمیات و سیّآت معدوم ہو جائیں!

اعلیٰحضرت غازی نے جملہ اقسامِ نشہ شراب، بھنگ، چرس، افیون وغیرہ جو حرام تھیں۔ عملاً ملت کے استعمال سے مقطوع کر دیں۔ اور چونکہ احکام دینی کو اُن کی حرمت میں دخل تھا۔ کسی مسلمان کو جرأت نہ ہوئی کہ ان کے فائدے کو معرضِ بحث میں لائے۔ کیونکہ گناہ اس سے زیادہ تھا، جو روحانی اور جسمانی دونوں خرابیوں پر حاوی ہے، لیکن تمباکو وغیرہ جو مکروہات میں داخل ہیں، اور چائے اور دیگر امتعۂ تنعم جنہوں نے اعتدال کی حد سے عدول کر رکھا تھا، بعض ماہرینِ اقتصاد کی حمایت میں پناہ گزین ہوئے۔ اس دلیل پر کہ اُن کی تقلیل خزانۂ عامرہ پر صدمہ وارد کریگی۔ اعلیٰحضرت نے دولت و ملت کے منافع کو مرادف اور تعیّش و آرائش کے سامان کو بالخصوص جب باہر سے آئے۔ لاحاصل اور غیر ضروری جان کر بالتدریج محصول اُن پر بڑھایا۔ اور احتیاج کے اعتبار سے جملہ اشیا کی فہرست تیار کر کے اسے محصول کی کمی و بیشی کا معیار قرار دیا۔ افزائش کے مدارج کی یوں ترتیب دی کہ محصول ہر سال ناقابل احساس تفاوت سے بڑھے۔ اور انجام میں ان چیزوں

کمروہات و تزئینات پر محصول

کی گرانی مانع اشترا ہو جائے ۔

تمباکو نوش افغانستان میں تین طرح کے تھے ۔ تمدن حاضر کی وضع سے دو قسم دماغ و دہان کے نسواری تو چند سالہ مہمان تھے ۔ شاہانہ مدنیت پروری نے اُن کی دکانوں کو یک قلم مرتفع کر دیا ۔ لیکن تیسرا گروہ ان جوانوں کا تھا جو اپنی عادت کو اس عصر کے موافق گمان کرتے تھے ۔ اور اُن کو ایک ارشاد شہریاری سے سوء تفاہم بھی شاید ہوا تھا ۔ فرماتے تھے کہ مجھے ان جدید اللباس نوجوانوں پر اعتماد نہیں جو زبان سے وطن اور ملّت کی خدمت کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ اور منہ میں بیگانوں کے بنے ہوئے سگرٹ لئے پھرتے ہیں ۔ اول اس فضول چیز کے استعمال کی ضرورت ہی کیا ہے ۔ بالفرض عادت پڑ گئی ہے جو چھوٹتی نہیں ، تو اپنے ملک کے فضلے کو لیں ۔ بعضوں نے خیال کیا کہ حقّے کی طرف اشارہ ہے ۔ دوسروں نے سمجھا کہ اپنے تمباکو سے سگرٹ بنائیں ۔ حالانکہ کلام ملوکانہ میں اس کی مذمّت ظاہر تھی ۔ لیکن اہل غرض مجنوں نکوٹین کے اثر سے " ایسی اُمید کرنے لگے جو نقطے پر منار کھڑا کر دیتی ہے " ۔ اعلیٰحضرت نے وطنی تمباکو پر کوئی

التفات نہ کی اور اُس کی کاشت کو دُور کرنے کے در پئے ہُوئے۔ سگرٹوں پر اتنا محصُول چڑھا کہ بر علیہ ظاہرہ مہذب ممالک کے بہاں بازاروں میں بہت مہنگے اور بہ مشکل دستیاب ہوتے ہیں ٭

ذاتِ شاہانہ نے یہی متنفرانہ روش چائے کے بارے میں اختیار کی جس کا مفرط استعمال افاغنہ کی جیبوں کو خالی کرتا تھا۔ جس طرح تمباکو سے پرہیز کر کے مثال قائم کی۔ اسی انداز سے چائے کو بہت کم استعمال کر کے ملّت کو اُس کے زیادہ پینے سے احتراز کی ترغیب دی۔ اور اس نصیحت کی موثریت کے لئے بشئی محصُول کا تازیانہ بھی لگایا۔ چائے کی مضرت یا لااقل عبثیت کے لحاظ سے جرمنی کے ارکانِ حرب نے اس کی بجائے سپاہ کے لئے شوربا تجویز کیا تھا۔ مگر اِس کے کم کرنے کے اور ذرائع کسی ملک میں پیش نہیں کئے گئے۔ افغانستان اور دریائے آمو کے آرپار ممالک میں چائے کی عادت اتنے وفور سے ہے کہ رات دن ہمہ اوقات اس کا دَور چلتا رہتا ہے۔ اور کئی آدمی برسوں پانی کی شکل نہیں دیکھتے۔ گویا عتیق یونانی سزا کے مورد ہیں کہ دریا میں کھڑے ہیں

پانی ٹھوڑی تک آتا - اور نیچے چلا جاتا ہے - لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ - وہاں ہاتھ پیچھے بندھے ہیں - یہاں چائے کی پیالی سے رُکے ہوئے ہیں - کشمیر میں وزیر اکبر خاں غازی کے محاربات اکبر نامہ کی صورت میں منظوم ہوئے اور محلّی رواج کے اعتبار اور جواز سے، ساقی کو ساغرِ چائے بکف پیش کیا گیا - اُسی زمانے کے قریب طرزیٔ اوّل نے وطن داروں کو اپنا ہمنوا بنایا ؎

بادہ نوشاں گر نہ ہست بدل میل شراب	جرعۂ چائے بنوشید بجائے مئے ناب
جرعۂ چائے بدل زندگیٔ خضر دہد	خوردہ از آب بقا سبزۂ آں گوئی آب
تا کہ چائے ختنی دیدہ شراب عنبی	بستہ از جام ز جا حجب برخ خویش نقاب
گو بیاور قدحِ چائے خطائی بنگر	ایکہ گوئی نشود جمع بہم آتش و آب
سبب گرمیٔ ہنگامہ بود ہر روزے	خاصہ آں روز کہ خورشید بود زیر سحاب
پیر را جرعۂ آں بہتر از ایام صبیٰ	شیخ را شمۂ آں خوشتر از ایام شباب
چشم از بادہ بپوش و قدحِ چائے بنوش	کہ بجاں راز کا خطا فعل ثواب

اِن اشعار کو درج کرنے کا مطلب بعض ناظرین کی ضیافت طبع کے علاوہ

؎ پانی اُس کے منہ تک پہنچے اور وہ اس تک نہ پہنچے گا ؛

یہ ہے کہ اجتماعی اور ذہنی ماحول کو سمجھ سکیں۔ جس میں ذاتِ ہمایونی
نے تربیت پاکر ذواتِ کبیر کی طرح اس پر غالب نشو و نما حاصل کی۔
اور رواجی اور شاعرانہ جذبات سے مغلوب نہ ہوئے ٭

اقتصادِ ملّت

حاجت کو اُمّ الایجاد کہتے ہیں۔ جس قوم کی ضروریات زیادہ ہوں۔
اُن کے بہم پہنچانے کے افکار و افعال، ثروت کے تکاثر میں منتج ہوتے
ہیں۔ اس کی تفریط دہات میں خواہشوں کی قلّت کے سبب سے ہے
اور افراط بلاد میں کثرت کی وجہ سے جو ہر چند ایک مرغوب شئے ہے
مگر اقتصاد کے معنی سے بعید ہے۔ اگر ایک ملّت میں آسایش و زیبایش
کے لوازم فریب و خیانت کے ارتکاب کے موجب ہوں تو یہ اخلاقی
فساد، ثروت کے حصول میں ضعف اور اس کی محافظت کے اسباب
میں نقص پیدا کر سکتا ہے۔ اس نکتے کو ملحوظ رکھ کر، ذاتِ شاہانہ نے
عیش و تنعّم کے واردات، بیش قیمت مردانہ اور زنانہ ملبوسات،
زیورات اور دیگر سامانِ فیشن اور نمائش کی اشیا پر محصول بڑھا کر نہ صرف
روپے کو بیہودہ مصرف سے بلکہ بہت سے گھروں کو مالی اور معنوی
تباہی سے بچایا۔ لاکھوں روپیوں کے اقمشہ اور امتعۂ نفیسہ جو خارج

سے آتے تھے، مفید آلات حرب سے جو البتہ دشمن کے لئے مضر ہیں، اور وطنی چیزوں سے مبدّل ہو گئے ۔

اعلیحضرت کو ابتدا میں سب کام خود کرنے پڑے ۔ کیونکہ ایسے اشخاص کی تعداد زیادہ نہیں تھی ۔ جو اپنے مفوضہ وظائف ایفا کرنے میں قوانین کی واقفیت کے علاوہ محققوں کی طرح ابتداع و استقامت کر سکیں ۔ پھر استقلال کے اقتضا کے ساتھ بہت سے باکفایت اصحاب، سیاسی روابط کے لئے جو پہلی دفعہ اُن ممالک کے ساتھ قائم ہوئے تھے، جن کو اس بارے میں سینکڑوں سال کا تجربہ ہے، خارج کی طرف ہسپار ہو گئے تھے اس لئے ذات شاہانہ کی التفات مامورین کلّی و جزئی کے کاروبار میں ناگزیر تھی بلکہ بعد بر تقدیر ۔ ایسے امور جن پر ملّت کی حیات کا انحصار ہے ولو ان کی مناسبت چھوٹے کارداروں سے ہو، بادشاہی توجہ کو جلب کرتے ہیں ۔ اگرچہ اعلیحضرت کی وسیع الاعمالی حکومت کے تمام دوائر کو احاطہ کئے ہوئے ہے ۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے ۔ جس پر اوروں کا قیاس ہو سکتا ہے ۔ قحط کے اثنا میں جس کا ذکر اوپر ہوا ۔ آپ نے غور کے بعد چند تجاویز باورِ حضور کو

دیں۔ تاکہ جبل السراج جاکر اہالی کو ابلاغ کرے :۔

(۱) سالنگ کی راہ سے بلخ اور بدخشاں کی طرف سڑک نکالی جائیگی۔ جس کی تیاری سے صرف دولت کو نہیں بلکہ ملت کو بھی بہت سے فوائد عاید ہوں گے ؛

(۲) امسال اگر سڑک ہوتی تو ان دونو ولایات سے حاجت روائی ہو سکتی تھی۔ کیونکہ وہاں بارہ چند زیادہ غلہ سستا ہے ؛

(۳) اگر یہ خواہش ہو کہ سابق عہد کی طرح بالنوبت اکٹھے ہو کر لوگ سڑک بنائیں، تو یاد میں لاؤ کہ تب کتنی مصیبت تم پر نازل ہوتی تھی، اور میں تمہاری پریشانی کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا ؛

(۴) بہتر یہی ہے کہ ڈیڑھ ہزار آدمی تم منتخب کر کے دو! اور سرکار ان کو معقول تنخواہ دے گی ؛

(۵) اگر تمہاری اور تمہاری دولت کی مشینیں جو خارج سے خریدی جاتی ہیں۔ ہندوستان میں سے گذرنے نہ پائیں۔ تو روس کے راستے منگوائی جائینگی۔ اس لئے اس سڑک کی اور ضرورت ظاہر ہے ؛

اسی زمانے میں وہ اسلحہ جو یورپ سے خریدا گیا تھا۔ بمبئی میں معطل کیا گیا۔ اور اس سڑک کی غرض اور روشن و مبرہن ہو گئی۔ اگرچہ یہ معاملہ جاری تصفیہ ہو گیا۔ اور اسلحہ افغانستان پہنچ گیا۔ مگر سڑک تیار ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہ دو تین طویل سڑکوں میں سے بہت کوتاہ راہ ہے ؎

مختلف مسالک کے ساتھ رواداری اور قدر خدمتگذاری

پیشتر بیان ہوا کہ ہر امر محدث ہر چند نافع و لابد ہو تجنب اور استکراہ
کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ہر جدید شے لذیذ
ہوتی ہے۔ اور اگرچہ مضر اور قبیح ہو۔ کچھ آدمی ہوس کے ساتھ اُسے
پسند کرتے ہیں۔ پھر قدیم رسم و رواج ہر قدر مخرب اور عبث ہوں۔
بعضوں کے نزدیک مستحسن رہتی ہیں۔ اور دوسرے ہر پرانی چیز کو
ولو صحیح و مفید ہو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ باوصفیکہ مربعہ پہلوؤں میں بہت سے
نقاط معتدل اور متوسط بھی ہوتے ہیں لیکن عصبانیت حد سے گذر کر ملت کو دو ٹکڑے
کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اس شقاق سے استفادہ کر کے دوسری مترصد قومیں دخول و
حلول کرتی ہیں۔ اور ایک فرقے کو دوسرے کے خلاف اور تیز کر کے اپنا حکم
مستحکم بنائے جاتی ہیں۔ اس وقت آنکھیں کھلتی ہیں اور حسرت سے ہاتھ

افراط و تفریط میں توسط

ملے جاتے ہیں۔ کہ اب مجبوراً اجانب کے ساتھ نباہ کرتے ہیں۔ کاش پہلے طوعاً یا کرہاً آپس میں بگاڑ نہ کرتے۔ روئے زمین کے اسلامی ممالک انہی فتن و محن کے آماجگاہ بنتے ہیں۔ افغانستان کی میزانِ معاملت اعلیحضرت غازی کے ہاتھ میں ہے۔ اور اُس کے دونو پلّوں کو معادلت کے ساتھ محافظہ کرتے ہیں۔ اور چاروں طرف دیکھ بھال کر اعتدال و توسّط کو مرعی رکھتے ہوئے مصالحہ فرماتے رہتے ہیں ؂

چونکہ دولت کے اکثر دوائر کی تنظیم کے لئے متخصصوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو دولِ مترقیہ سے طلب کئے جاتے ہیں۔ اور اُن کے اوضاع و مسالک جدا ہوتے ہیں، تعصّب اُن کے استخدام میں مانع ہوتا ہے۔ اگر وہ مستخدم ہوں تو صرف ظلِّ عاطفتِ ہمایونی اُن کو افادے کے قابل بناتا ہے۔ ورنہ اُن کی مؤثر خدمات کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ اولیائے امور کو ہر ملک اور ہر زمان میں اس سے سابقہ پڑا ہے۔ بعضوں نے خارجہ ماہرین کو ملوکانہ نوازشات سے ایسا گرویدہ کیا کہ وہ مع عائلہ ان کی بتعہ میں داخل ہوگئے۔

دوسروں نے باوجود الطاف شاہانہ کے مستقل سکونت کی اجازت نہ دی۔ تاکہ بیگانوں کی حیثیت میں بلاخوف و مراعات محولہ فرائض کو ادا کر سکیں۔ بہرکیف اُن کی استمالت اور استرضا ضرور ہوئی۔ ع

کہ مزدور خوش دل کند کار بیش

بادشاہوں نے اُن کی استغنا اور گستاخی پر اغماض کیا ہے۔ چنانچہ شاہجہان نے ایک اندلسی معمار کو لوازم تعمیر مہیا کیں۔ کچھ مدت کے بعد متعصب مصاحبوں نے تاخیر کی شکایت کی۔ معمار نے ایک پتھر کو دوسرے پر رکھ کر ایک مایعہ اُن کے درمیان ٹپکایا۔ جس نے دونو کو ایسا جوڑا کہ ہتوڑے کی ضربوں سے پتھر ٹکڑے ہو گئے۔ مگر وہ پیوند جدا نہ ہؤا۔ بادشاہ بہت خوش ہؤا۔ مگر استعجالِ ہمایونی سے رنجیدہ ہو کر معمار رخصت ہو گیا۔ شاہجہان کا اُس کو وداع کرنا ہی اُس کے ماوراء النہری بھائی بندوں کے ساتھ عجیب موازنہ ہے۔ جو تاریخی قطعات لکھوا کر خوشنویسوں کی انگلیاں کاٹ ڈالتے تھے تاکہ اُن کے معاصرین کے لئے ویسے سامانِ نفیس بہم نہ پہنچا سکیں۔ بہرام گور نے خورنق کے بناء کو اسی محل کے کنگرے سے سرنگوں گروا دیا۔

کیونکہ اس سے بہتر قصر کسی اور کے لئے بنا سکتا تھا۔ سلطان محمود کی
پشیمانی سے بارے اُس کی بدنامی کچھ کم ہوئی۔ لیکن شاہنامے کی
تقدیر کی تقلیل سے ویسی ہی ایک پایدار یادگار کو اپنے حق میں ضائع
کرلیا۔ ہارون اور مامون نے علوم و فنون کو اپنے وسیع ممالک میں
اس طرح رائج کیا کہ نہ صرف رُومی اور یہودی مترجموں اور مؤلفوں
کو طلا و جواہرات سے بلکہ اعزاز و اکرام سے ممنون و مرہون کیا۔
اعلیٰحضرتِ غازی یورپین مستخدمین کے ساتھ ایسی محبّت اور عزّت
کا سلوک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے آپ کے گرویدہ بنجاتے
ہیں ۔

باوصفِ احساساتِ قلبی جو وسیع ہمدردی سے جمعیت بشری
اور اخوانِ اسلام کے ساتھ رکھتے ہیں، قومی اور ملّی جذبات بھی
اعلیٰحضرت غازی کے وجود مسعود میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ ان
کو برک نے چھوٹے کنبے سے شروع کرکے وطنی شفقات کا تخم
قرار دیا ہے۔ اِسی نیت سے اعلیٰحضرت نے اپنے ملک کو مستقل
بنایا۔ اور اسی تحریک سے چاہتے ہیں کہ اسے غیروں کی احتیاج سے

مستغنی بنا ہیں، لیکن اس مرحلے کا طے کرنا اشفاقِ شاہانہ کا محتاج ہے۔ جو اپنے خارجہ خدّام کے ساتھ ارزانی فرماتے ہیں۔ ایک ہندی مہندس جو سابق عہد میں گمنامی کی زندگی بسر کرتا تھا ٹیلیفون نصب کرنے کی خدمت پر مامور ہوا۔ وہاں سے برقی قوت کے آبی کارخانے میں تبدیل ہوا تو اس کام کو موفقیت سے سرانجام دینے پر مورد انعام و اکرام ہوا۔ بہت معقول تنخواہ، تمغہ اور سکونت کے لئے اچھا گھر ملا۔ پھر برگڈیر جنرل کے عہدے پر سرفراز کرکے، ذاتِ شاہانہ نے اُسے اسلحہ اور بارود سفید بنانے کی مشین خانہ پر تعین فرمایا۔

ایرانی اور ترکی مہمانوں اور مصری بادشاہوں کی قدر افزائی

اخبار چہرہ نما کے مدیر کو جس نے مصر میں بیٹھے افغانستان کی ضخیم تاریخ لکھی تھی پینتیس ہزار روپے کے نقد و جنس کے ساتھ نشان معارف عطا کیا۔ جمال پاشا جس نے قوانین میں مدد دی تھی، ایسی تعظیم و تکریم کے ثبوت دیکھتا رہا جو مہمان نوازی کی افغان بادشاہ کے لئے انتہا ہے۔ اس کے استقبال کے لئے جب کبھی دربار میں آتا۔ ذاتِ ہمایونی چند قدم آگے بڑھتے اور بڑے اشتیاق سے پیش آتے۔ اس خاطر و مدارات کو اس کے قیام تک دوام دیتے رہے۔

بدری بیگ جو مجلس شوریٰ میں ملازم تھا۔ بادشاہی مہمان کی منزلت میں رہتا تھا۔ پہلے بجٹ کی تیاری میں معاونت کرنے پر نشانِ ستارہ سے مفتخر ہوا۔ چونکہ نظام ناموں کی ترتیب کی خدمت کے اثنا میں فوت ہوا۔ ذاتِ شاہانہ اس کے جنازے کی مشایعت کے ساتھ کندھا بھی دیتے گئے۔ جو اخوت اور فتوت کی حد ہے۔ زندگی کے بعد بھی ویسی ہی عزت و عنایت ابراز کی۔ جمال پاشا اور انور پاشا کی شہادت پر جیسا کہ ان بہادر مشاہیر کی شان کے شایاں تھا۔ اعلیحضرت نے خود مع تمام اراکین و ماموریں کے رسم تعزیت ادا کی ؂

مولنا محمود الحسن کی وفات پر بھی سب اداروں اور محکموں میں تعطیل کی گئی۔ اور ذاتِ شاہانہ مع سرکاری افسروں اور شہر کے برگزیدہ باشندوں کے فاتحہ خوانی میں شریک ہوئے۔ اور ہندی مہاجروں کو تسلّی دیتے ہوئے فرمانے لگے کہ تلافیٔ من فات و مشکل ہے۔ مگر میں نے اس مضمون کا خواب دیکھا تھا۔ الخیر فیما صنع اللہ تعالےٰ[1]

---

[1] خوبی اسی میں ہے جس کو خدا تعالیٰ نے کر دیا ؂

نکوے گر رود زیں بحر نیکو تر شود پیدا

چو گیرد قطرہ ٔ راہِ عدم گوہر شود پیدا

مہاراج ناک کی مرگ پر کابل کے ایک موتر ہندو نے ماتم داری کی۔ تو وہاں بھی اعلیٰحضرت غازی اظہارِ غم کے لئے تشریف لے گئے۔ چونکہ کابل کی ہندو رعایا علاوہ مسلمانوں کے ساتھ مساوی مناصبِ ملکی و عسکری پر مامور ہونے کے، اپنے دوسرے ممالک کے ہندو بھائیوں کے ساتھ شادی و رنج میں آزادی سے شرکت کر سکتی ہے۔ افغان بادشاہ بھی اُن کے شامل حال ہوتے ہیں۔ اور افاغنہ بھی اُن کے ساتھ پوری ہمدردی برتتے ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک ملت میں داخل ہیں۔ حتیٰ کہ ہندو ٹیکے والا افغان کہلاتا ہے۔

ہرات اور بلخ میں یہودی رہتے ہیں جو دوسرے اہالی کے ساتھ مساوات رکھتے ہیں۔ حمایت اسلام کے سبب ذلت اور مسکنت میں مبتلا نہیں ہیں۔ اُن کی عزت اور آسودگی کا اس سے قیاس ہو سکتا ہے۔ کہ مملکتِ روس میں باوجود اشتراکیت کے، اپنی افغان تابعیت پر فخر کرتے ہیں۔

یہودیوں کی طمانیت

ملّتِ افغان کے سب فرقے ہمہ تن ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہیں۔ اور اعلیٰحضرت نے دل سے اُن کو متفق بنا دیا ہے۔ سنّی اور شیعہ کو ایک بدن کے دو بازو سمجھتے ہیں۔ اور ان دونو میں ذرّہ بھر فرق اور تمیز روا نہیں رکھتے۔ بنی لیث کا بادشاہ کابل میں افواج کا معائنہ کرتا تھا۔ ان کی کثرت پر بجائے فرحت کے ایسا درد والم اُسے محسُوس ہؤا کہ زار و قطار روتے گھوڑے سے نیچے اُتر پڑا۔ اور آہ بھر کر کہنے لگا۔ کہ کاش یہ لشکر اہل بیت کی خدمت کے لئے کربلا میں میرے پاس ہوتا! اعلیٰحضرت غازی ہر سال محرّم کی محافلِ تعزیہ میں مع ارکان دربار کے شمولیت کرتے ہیں۔ اور لوگوں کے اجتماع سے استفادہ کرکے مفید اور مؤثر نطقیں فرماتے ہیں۔ مرثیہ خوانی پر بے اختیار روتے اور رلاتے ہیں۔ اور اس وقت کی حالت میں صمیمیت سے عزم کی کمر باندھتے اور بندھاتے ہیں۔ کہ آیندہ اسلام میں نفاق اور فساد کا رخنہ نہ پڑنے دیں۔ اور سب مسلمانوں میں جہاں کہیں بھی ہوں، حقانیت اور وحدانیت کے ساتھ اتفاق اور وداد کی بنیاد کو مستحکم اور مرصوص بنانے میں مجاہدت کریں +

عملی اصلاح کے قطروں سے دریائے فیض بہانا

بکھری ہوئی پراگندہ تاروں کو جب متناسب مواضع پر رکھتے ہیں تو ایسی موزون آواز نکلتی ہے جو آدمی کو مفتون بنا دیتی ہے۔ لباس جس کے بغیر انسان مجنون ہے اسی جدا جدا تار و پود سے منسوج ہے ؎

زاتفاقِ پختہ خشت و گل ایون شد بلند
دربدر میگشت خاکش چوں بہم منضم نہ بود

مدبر سلطنت کی عملیات اسی قسم کے نظم و نسق اور رتق و فتق پر مبنی ہوتی ہیں۔ افغانستان میں افسانہ تھا کہ فلاں مستوفی نے امیر شیر علی خانی میں ملک کے دخل و خرج کا خلاصہ ایک ورق پر تیار کر دیا۔ حسن صباح ایسی عمارت قایم کرنے میں موفق ہوا۔ جس نے امارتوں کو بنیاد سے ہلا دیا لیکن مملکت کے دخل و خرج کی تحقیق میں ناکام رہا۔ جس پر نظام الملک کی مانند وزیر اقدام ہی نہیں کرتا تھا۔ اگرچہ اس عصر میں محاسبات منضبط اور بجٹ کی ترتیب میں سہولتیں ہیں۔ مگر اس طرف وہی صعوبتیں تھیں۔

بجٹ کا انتظام

جو سینکڑوں سال پہلے اور ممالک میں تھیں۔ ذات ہمایونی کے تفکّر
و تدبّر نے ایک ہی سال میں بجٹ کے عقدے کو حل کر دیا۔ آپ کی
جدّتِ طبع اور اقتصادی رسائی کی رہنمائی میں مداخل و مخارج کو ایسی تطبیق
و توفیق حاصل ہوئی کہ دولتِ افغان اس قرضے کی بلا سے بر محل بچی۔
جس میں نئی سلطنتیں پھنس کر غیروں کے فشار میں آجاتی ہیں۔ اب
باوجودیکہ سینکڑوں طیّاروں، ہزاروں جدید توپوں اور متنوّع مشینوں
کی خرید کے علاوہ مکتبوں، کارخانوں، نہروں اور کانوں پر روپیہ خرچ
ہوتا ہے۔ مگر چونکہ آمدنی کے مقابلے میں مصارف قبول کئے
جاتے ہیں۔ اس لئے کسی قسم کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ اعلیٰحضرت
کا دماغ اثنائے سال میں ضرور کوئی ایسی تدبیر سوچتا ہے جس سے رعایا
کی حاصلات اور سرکار کے محصولات میں اضافہ ہوتا ہے۔

تذکار ہوا کہ بڑی اور مہم اشیا کا موادِ خام چھوٹی اور معمولی چیزوں
میں پایا جاتا ہے۔ عالم مادی میں برق و بخار حتّٰی مٹی اور کیچڑ انقلاب فیوض
انتساب کو قبول کرتا ہے۔ تو معنویات میں جو بمنزلۂ ارواح ہیں۔ یعنوں
میں، ملت کے اوقات، نیّات اور قوی کا انضباط اس سے بار ہا

زیادہ فوائد میں منجر ہوتا ہے۔ صرف ایک مثال لیجئے۔ اعلیحضرت نے دربار میں کام کرتے ہوئے اذان کی آواز سُنی، کان لگایا اور فرمایا کہ یہ مُلّا سرکاری نوکر ہے۔ پانچ وقت نماز پڑھاتا ہے! اور تنخواہ پاتا ہے۔ اِسی طرح تمام ملک میں ایسے ہی مُلّا ہیں جو مشاہرہ یا رعیّت سے غلّہ وغیرہ لیتے ہیں۔ چونکہ یہ سب تھوڑا بہت لکھے پڑھے ہوتے ہیں۔ اس لئے معارف کے مقررہ نصاب کی ابتدائی کتابیں اُن کو دی جائیں۔ تاکہ قصرِ شاہی کے عملے کے بچّوں سے لے کر افغانستان کے ہر ایک گاؤں کی ہر مسجد میں نمازوں کے اوقات کے درمیان تعلیم دیں۔ اور طلبہ کو ان مکاتب کے لئے جو بڑے قصبوں میں ہیں تیار کریں۔ چونکہ صبح سے لے کر ظہر تک مُلّا اور مؤذن بیکار رہتے تھے اب مصروف رہ کر ایک مفید کام کرنے لگے اور اس تجویز سے ہزاروں مُلّا لاکھوں بچّوں کو درس دینے لگے اس وسیع دائرے سے ذخیرے کے طور پر لڑکے مکاتب کے لئے منتخب کئے جاتے ہیں۔ نگران اور مفتش مساجد میں جا کر باقاعدہ خبر گیری اور ہدایت کرتے ہیں۔

بقول افلاطون اگر ہر شخص اپنی اصلاح کے درپے ہو تو ساری قوم

اصلاح یافتہ ہو جائیگی۔ کالفوشش کرتا ہے کہ افراد کے منور ہونے سے خاندان
منظم ہو جاتے ہیں۔ خاندانوں کے منظم ہونے سے قبیلے منضبط ہو جاتے ہیں
اور قبیلوں کے منضبط ہونے سے قوم منور اور ملک آباد ہو جاتا ہے۔ اعلیحضرت
غازی اپنی منفرد، خاندانی اور قومی حیثیت میں خلق، انتظام اور روشن فکری کا نمونہ
حسنہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ آپ سے ایک حکیمانہ نکتہ مروی ہے
کہ بعض شاہانِ اسبق کو جو اولاد کے ساتھ محبت نہیں تھی، حالانکہ
یہ ایک فطری امر ہے، اور اسی کے غیاب سے ان کو نابینا اور
قتل کر ڈالتے تھے، سبب یہ تھا کہ ان کا ازدواج شہوت پر منحصر
ہوتا۔ اور اس میں تناسل کی نیت نہیں ہوتی تھی۔ اور اعمال
نیات کے ساتھ مربوط ہیں ۔

حضرات سعادت سمات جیسا اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اور
بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سب عبادات سے بڑھ کر اپنی والدہ کی
خدمت سے اہتدا اور مقتدائی کے درجات کو نائل ہوئے۔ ذات
شاہانہ من حیث فرزندِ ارجمند والدہ ماجدہ علیا حضرت کی طاعت اور
رضاجوئی میں اقصیٰ الغایہ کوشش کرتے ہیں۔ زوجۂ مکرمہ شاہ خانم کے

ساتھ ایسا حسن سلوک فرماتے ہیں۔ جو بادشاہوں میں شاذ ہے۔ بڑے بھائیوں کے ساتھ مراعات اور عزت سے، اور چھوٹوں کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔ اِن تمام خاندانی معاملات میں، عدل، اقتصاد اور حق الربہ کو سب خویشاوندی جذبات پر فوقیت دیتے ہیں۔ کسی کے لحاظ سے عدل سے عدول، اور کسی کی تمنّا سے فضول خرچ نہیں کرتے۔ خواتین کو اُن کی حرمت یا محبّت کی وجہ سے امورِ مملکت میں ایسا دخل نہیں ہونے دیتے کہ معدلت مساوات یا سیاست میں فرق پڑے۔ شہزادوں کو اُن کی ماں کے ملول ہونے کی خاطر سے تعلیم نہیں چھوڑتے۔ اور یورپ جانے سے نہیں روکتے۔

دوسرے شہزادے کے تولّد پر آپ طبعاً بہت خوش تھے۔ جب وزارت معارف میں تشریف لائے تو کام کے بعد میں نے تبریک کے چند شعر پیش کئے۔ جن میں ایک یہ بھی تھا ؎

تا کے زند سرش بہ قفس بلبلِ اسیر

باید بدید یادۂ تو در چمن چمید

اس میں اشارہ چند تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طرف تھا۔ جو کسی خطا پر

محبوس تھے۔ فرمانے لگے کہ وہ رہا ہو جائیں گے۔ مگر قانونی طور پر کیونکہ شہزادے کی پیدائش ایک ذاتی بات ہے۔ میں اپنی شخصی مسرّت کو حکومت کے کاروبار میں داخل نہیں کر سکتا۔ پہلی سلطنتوں میں ایسی تقریبوں پر سینکڑوں ہزاروں قیدی آزاد کئے جاتے تھے۔ حالانکہ وہ کسی ظلم و ستم کے سبب گرفتار ہوتے تھے۔ اس قسم کی بے وجہ رہائیوں کو روا نہیں رکھتے۔ شادی کے موقع پر خوشی مناتے ہیں۔ ایسی عزیزوں کی مرگ پر ماتم داری کرتے ہیں۔ مگر یہ سرور و غم امورِ دولت میں مخل ہونے نہیں پاتا۔

حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ اس مرتبے کو حائز ہوئے کہ رضا و تسلیم سے تولد اور فوت اقربا پر جو اُن سے زیادہ نزدیک کوئی نہ ہو، بالکل متاثر نہ ہو کر حسبِ معمول ہدایت میں مشغول رہتے تھے۔ جنابِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بزرگوار چچا کی شہادت اور عزیز بیٹے ابراہیمؑ کی وفات پر غمگین ہوئے۔ اور حسنینؓ کی ولادت پر خورسندی کا اظہار کیا۔ یہ صحو کا درجہ ہے جسے بعض اولیا کے سکر پر البتہ واضح فضیلت ہے۔

علم و عمل میں جدوجہد

اسلام کے حقیقی اولیا نے استقامت کو بزرگی اور فوق العادہ کرامتوں کو مرید کے لئے مکر قرار دیا ہے۔ ترجیح اس کو دی ہے۔ کہ ایک عالم اور معزز شخص رہنمائی کے اوصاف سے مزین ہو کر عالم لوگوں میں داخل ہو جائے۔ اور اُن کے ساتھ مِل جل کر اُن کو اپنی طرح علم و فضل سے آراستہ بنا دے۔ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ [1]۔ ایک متکبر شخص جسے اپنے ہُنر یا مرتبے پر گھمنڈ ہو یا صفت کمالات قوم کے نزدیک محترم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مداومت سے اُن کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا۔ اس لئے وہ "جوانمرد جو اپنی خواہشوں کا غلام نہ ہو" اور دل اُس کے قبضے میں ہو۔ نفس اُس کا تابع، اوروں کو اپنا پیرو بنا سکتا ہے اور دوسروں کے دل کو اپنے ہاتھ میں لا سکتا ہے۔ خواجہ انصار ؒ نے فرمایا ہے:۔ نماز گذار دن

---

[1] پس میرے بندوں میں داخل ہو اور میرے جنت میں داخل ہو۔

کار بیوہ زناں، ریزہ داشتن صرف نان، حج کردن تماشائے جہاں، دل بدست آر کہ کارِ مرداں ست ۔ خوارق کی تحقیر ہیں کہا :- اگر در ہوا پری مگسے باشی، اگر بر آب روی خسے باشی، دل بدست آر تا کسے باشی ؛ لیکن لکھتا ہے ۔ کہ علم انسان کو بنی نوع کے درمیان سے اُٹھا کر گویا پہاڑ کی چوٹی پر بٹھا دیتا ہے تاکہ تعلّی اور کبر سے نیچے کی طرف جاہلوں پر نگاہ ڈالے ۔ لیکن اخلاق سے اُس کا اکمال ہوتا ہے ۔ تو عمل پر تنزل کر کے اختلاط سے دوسروں کو بھی اپنی طرح متنور بناتا ہے ؎

علم گر بر تن زند مارے بود

علم گر بر دل زند یارے بود

اعلیحضرت غازی نظام نامۂ اساسی کو دربارِ عالی میں وزرا اور وکلا کے ساتھ مذاکرہ کر کے ترتیب دیتے ہیں، پھر اس کا ایک ایک فقرہ ہزاروں آزاد افغانوں کے جرگے میں پڑھ پڑھ کر فارسی اور پشتو میں سمجھاتے ہیں ۔ اور حاضرین کو جن میں بعض اُجڈ بھی ہیں ۔ بحث اور تمحیص کا پورا موقع دیتے ہیں ۔ باوجود معلومات فائقہ اور بادشاہی

بلندی کے بڑے تحمّل سے سب کچھ سنتے اور دلائل و براہین سے ہر ایک کو قائل کرتے ہیں۔ سمت مشرقی میں اس طرح کے ارتباط اور مباحثات سے فارغ ہو کر عام افغانوں کا ملی لباس پہن قومی ولولوں کو برانگیختہ کرتے سرحد کا رُخ لیتے ہیں، وہاں کے آزاد باشندوں سے گفتگو کر کے سنہ ۱۳۰۲ھ میں پہلی دفعہ انگریزی خاک پر نظر ڈالتے ہیں۔ جہاں ہندی مزدور کام کر رہے ہیں۔ دفعتاً بادشاہِ اسلام کو رو برو دیکھ کر حیرت و حسرت میں محو ٹھیک طور پر دعا و سلام بھی نہیں دے سکتے۔ پھر بھی ایک دو نعرے لگاتے ہیں۔ دوسرے سال جب اعلیٰحضرت پھر اسی موسم میں جلال آباد تشریف لے گئے۔ تو پھر سرحد پر لوگ دیدارِ شاہانہ کا انتظار کرنے لگے جو چار سال بعد پوری طرح دوسری طرف اوروں کو نصیب ہوا ۔

ماموریں دولت کے لئے سال میں بیس روز تفریح کی رخصت کے لئے مقرر ہیں۔ آمرِ دولت و ملّت نے بھی اپنے پر لازم کر رکھا ہے کہ اس سے زیادہ رخصت نہ لے۔ اس میں سے ایک ہفتہ سمت مشرقی کی سیر کر کے چونکہ بجٹ درپیش تھا۔ اور آپ مداخل و مخارج

کی کلیات و جزئیات پر بحث کر کے منظوری دیتے ہیں - اس لئے رات کے بارہ بجے کابل آ پہنچے تاکہ خادموں کی طرح سیّد القوم بھی علی الصّباح خدمت پر حاضر ہو - چند روزہ فراغت میں بھی وزارتوں کو اطلاع دیتے گئے تھے کہ ضروری کاموں میں آپ کی طرف رجوع کریں - اور علاوہ اس کاروبار کے اجرا کے جن میں عادل اور عاقل بادشاہ کبھی عاطل اور غافل نہیں رہتا' رات دن ٹیلیفون میں دارالسلطنت کے ساتھ مخابرہ جاری رکھتے تھے ۔

یورپ کے سفر میں بھی یہی سلسلہ پختہ تر جاری ہے - نہ صرف وزارت اخباروں کو اپنے ہر جگہ کے حالات سے تاروں کے ذریعے زیب دیتے ہیں - بلکہ سلطنت کی معظمات میں وہیں سے احکام صادر کرنے کے علاوہ' وزیروں' مدبروں' مکتبوں حتّٰی منفرد اشخاص کو اُن کے خطوط کا جواب لکھتے ہیں - دو تو قسم کی تاروں کے ذریعے اس لمبے پہلے اور منتیم بالشان سفر کو اپنے ملک و ملّت کے لئے حضر بنا رکھا ہے ۔

وطن میں پہلی سیاحت تعطیل کے دنوں میں بامیان کی طرف ہوئی - جہاں بدھا کے ڈیڑھ اور پونے دو سو فٹ اونچے بت موجود ہیں -

جب اس مختصر سفر سے واپس آئے۔ تو اراکین و مامورین دولت کو ملاقات کے لئے باریاب فرمایا۔ ذاتِ شاہانہ جیب سے ایک کاغذ نکال کر کھڑے ہوتے ہیں (اور یہ سفرنامہ بیان کرتے ہیں :-

موٹر پر سوار ہوکر کوہ دامن سے گذرے۔ عجیب مناظر کا سیر کیا۔ چاروں طرف سبزہ زار تھا۔ اور میوؤں کے اشجار کو پہاڑوں نے گود میں لیا ہوا تھا۔ کوہستان میں پہنچکر اور دلفریب تماشے دیکھے۔ پھولوں اور پھلوں کی کثرت پہلے سے زیادہ تھی۔ پھر شاداب وادیوں میں سے ہوتے ایک جگہ تناول اشراقیہ کے لیے منتخب کی۔ جہاں آبشار کا شور تھا، اس سے بچنے کیلئے عصر یہ ہم نے دریا کے کنارے کھایا۔ جو خاموشی اور طاعت سے بہ رہا تھا۔ رات کو چونکہ تھکے ماندے تھے۔ اِس لئے جلدی استراحت کی حاجت ہوئی۔ صبح تازہ دم بتوں کو دیکھنے باہر نکلے۔ جو پہاڑ میں تراشے گئے ہیں۔ صنعت اور ہیبت کے مجسمے ہیں۔ اس اثنا میں بامیان کی وفادار رعایا نے تحفے پیشکش کئے جن کو ہم نے بڑی خوشی اور مہربانی سے قبول کیا)۔

حاشاو کلا! یہ اعلیحضرت غازی کا کلام نہیں۔ یہ کسی اور ملک کے بادشاہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مکرم اور نامدار نہ ہؤا۔ اگر افغان بادشاہ بھی اسی طرح کی باتیں کرتے۔ تو کم از کم میں اُس کی حکایت اور روایت نہ کرتا۔ پھر یہ بیان اعلیحضرت غازی سے کیوں دُور ہے؟ اِس لئے کہ آپ متکلّم ہوتے ہوئے صیغۂ جمع کبھی استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ ایک دفعہ مَیں نے عرض کی کہ بادشاہوں کا فرامین میں یہی دستور ہے۔ تو پروا نہ کی۔ البتّہ موجودہ زمانے کی بعض سادہ عبارات کو پسند کیا۔ جو بادشاہ کو خطاب کرنے میں مرقوم ہوتی ہیں۔ صیغۂ واحد کے علاوہ کتابت یا خطابت میں مفید اور متین سخنوں کے بغیر سبک اور خفیف حرف کبھی ایزاد نہیں کرتے۔ اپنی صادق رعایا سے نذرانے نہیں لیا کرتے ؎

مَن از تو بغیر از تو دگر چیز نخواہم
حلوا بکسے دہ کہ محبّت بچشیدہ است

پھر اُس کاغذ سے کیا پڑھتے ہیں؟ کوئی بیس مطالب ہونگے۔

جن میں سے بعض کے لئے کاغذ کی طرف رجوع کرتے ہیں باقی زبانی تقریر فرماتے ہیں۔ مثلاً حکومت کے انتظام اور امنیت کو ملاحظہ کیا۔ فی الجملہ عدل اور ضبط جاری تھا۔ لیکن حاکم کما یلیق فعالیت ابراز نہیں کرتا۔ اس لئے اسے ہدایت اور تنبیہ کی۔ مامور مالیہ کا دفتر اور سب کتابیں اچھے اسلوب میں تھیں۔ حسابات آخری تاریخ تک درج تھے۔ تفتیش کے بعد صرف ایک اعتراض وارد آیا۔ مزید تحقیق سے اگر بری ثابت ہؤا تو قابل تحسین ہے۔ اربابوں کی بابت بہت سی معلومات حاصل کیں۔ سرکاری کاغذات میں اُن کی شکایات تھیں۔ اِدھر اُدھر پھرتے ہوئے لوگوں سے جو مجھے نہیں پہچانتے تھے استفسار کیا تو وہ بھی زیادہ انہی اربابوں کے متعلق فریاد کرتے سُنے گئے۔ معلوم ہؤا کہ یہ نمبردار یا مکھیا بہت سے فسادات کا منبع ہیں۔ مجرموں کو اپنے ہاں پناہ دیتے ہیں۔ اور رعیت سے کھاتے، حکام کو کھلاتے ہیں۔ بعض کو جن پر الزام ثابت ہؤا۔ دوسرے علاقے میں قرار کیا۔ اور سب کو اُن کے قدیم رہنے سے معزول کرکے رعایا کو آزاد بنایا۔ تاکہ بلا وساطت غیر حکومت تک رسائی حاصل کریں۔

اور خود اپنے وکیل منتخب کر کے حکام کی مجالس میں داخل کریں، اور قریہ دار بھی گاؤں والوں کی رائے سے مقرر ہو، اور کسی فرد ملت کو ارثی لحاظ سے بغیر لیاقت وصلاحیت کے کوئی رعایت وعزت نہ ملے ٭

منجملہ اور اطلاعات نافعہ کے فرمایا کہ "پرانی سڑک چونکہ فنی اصول پر نہیں بنائی گئی۔ اس لئے لازم ہے کہ فی الحال موقتاً کسی مکتب میں مہندسی کی جماعت کھول دی جائے۔ تاکہ مکمل تعلیم یافتہ انجنیروں کے تیار ہونے سے پہلے، اس سے کام لیا جائے۔ چنانچہ اب چند طلبہ یورپین مہندسوں سے یہ علم وعمل سیکھ کر سڑکوں پر اُن کے ماتحت کام کر رہے ہیں ٭

آخر اعلیحضرت نے سفر میں حضر کا فرض ادا کر کے فرمایا کہ جب میں بامیاں میں تھا تو کابل کا فلاں بڑا ماموربدون مطالعہ سرکاری کاغذوں پر دستخط کر دیتا تھا۔ جس کو آئندہ احتیاط لازم ہے۔ ورنہ قانونی مواخذہ ہوگا، اور فلاں وزیر رات کو بھی دفتر میں مع کاتبوں کے کام کرتا تھا۔ حالانکہ اگر قاعدے اور انضباط سے ایفائے وظیفہ ہو

تو دن ہی کافی ہو سکتا ہے ٭

روزویلٹ امریکہ کی صدارت کے دوران میں کچھ مہینے فراغت حاصل کرکے افریقہ کی سیر کرتا ہے۔ اور ہاتھی کے شکار وغیرہ پر اخباروں میں مقالے لکھتا ہے۔ صلاح الدین صلیبی لڑائیوں سے فرصت پاکر دو غلاموں کے ساتھ پہاڑ کی سیر کے لئے جاتا ہے اور مراجعت پر فلاحت کے بارے میں ایک رسالہ تحریر فرماتا ہے۔ روزویلٹ عالم جدید کا ایک تعلیم یافتہ شخص ہے۔ اور سلطان ایوبی قدیم مدرسے کا فارغ التحصیل تھا۔ افغان بادشاہ نے کہاں سے سبق پڑھا؟ اُن لوگوں سے جن سے لقمان نے حکمت سیکھی ٭

شہزادوں کے اتالیق عموماً بوڑھے تجربہ کار آدمی مگر اکثر جاہل اور ناخوان ہوتے تھے۔ اعلیحضرت نے اُن سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ اس سلسلے ہی کو موقوف کرکے سب شہزادوں کو مکاتب میں داخل کیا۔ ذاتِ شاہانہ نے مکتبِ حبیبیہ کو صرف اپنا شرفِ شمول بخشا۔ اور یہ اس درگاہ کے لئے ہمیشہ افتخار و امتیاز رہے گا کہ آپ کا اسمِ سامی وہاں درج ہے۔ جس جماعت میں آپ اکیلے داخل تھے اُس سے یہ

[illegible]

عبرت لی کہ شاگرد یکتائی اور تنہائی میں رہ کر ہمسروں کے رشک و غبطے سے محروم، علم و اخلاق میں دوسروں پر سبقت نہیں لے جا سکتا، لہذا پہلے ہی سال بعضوں کے علی الرغم مکتب سے شہزادوں کی جماعتوں کو بالکل موقوف کر کے اُن کو دوسروں کے ساتھ مختلط کر دیا۔ جس سے ایک شر انگیز تفرقہ دُور ہو کر مغائرت اور منافرت کی بجائے ملت کے ہر طبقے میں نوجوانوں کی موالفت و ارتباط کی بنیاد قائم ہو گئی ۔

تکبّر عیب ذمیم لیکن کبر مع المتکبر وصف کریم ہے! در فروتنی کا بھی ایک اندازہ ہے ؎

تواضع گرچہ محمود است و فضل بیکراں دارد
نشاید کرد بیش از حد کہ ہیبت را زیاں دارد

اعلیحضرت نے مکتب حربیہ میں خوب تعلیم پائی ہے۔ اور اس تجربے سے عسکری مدارس اور خود فوج میں بہت سی اصلاحات اور ترقیاں کرنے کے پورے اہل ہوئے ہیں۔ جن کا ذکر ایک جدا مجلد کا طالب ہے۔ مارکس آریلیس نے متعدد اساتذہ سے علوم پڑھ کر ہر ایک سے ایک ایک حکمت سیکھی اور اس میں فضیلت حاصل کی تا کہ بادشاہوں میں یگانہ حکیم

محقق کہلایا۔ اعلیٰحضرت نے منجملہ فنونِ سپاہگری، وضعیتِ عسکری کو
معنی اور ظاہر میں اپنا اساس بنایا۔ اور ملّت کو بھی اُس کا توصیہ کیا یا مامورین
اور متعلّمین سے استواری، فعالیّت اور راست رفتاری کی توقع رکھ کر
سلاطین پیشین کے خلاف کورنش اور فرشی آداب کو سخت فضاحت سے
دیکھا۔ اگرچہ افغان بادشاہوں میں پہلے بھی یہ غلامانہ تعظیمات پسند نہیں
کی جاتی تھیں۔ مگر اعلیٰحضرت غازی نے سلام کا قاعدہ مقرر کر دیا۔ جس میں
مختلف طرح کی تسلیمات منضم ہو کر صرف ایک قانونِ واحد سب کے لئے
معیّن ہو گیا۔ خم یا سر جھکانے کے بغیر سیدھا دلیرانہ ماتھے پر ہاتھ
رکھنا جس میں کوئی عاجزی نہ ہو آپ کو منظور ہوتا ہے۔ ایسی وضع کو جس
میں سُستی اور پستی نہ ہو۔ مع دوسری استقامت اور چُستی کی عادات
کے آپ دل اور زبان سے مقبول رکھتے ہیں۔ جب خود ہر وقت بیدار
اور سپاہیانہ اطوار پر مشغول کاروبار رہتے ہیں۔ دوسروں کو بھی اسی
صوری اور باطنی ہمت اور ہوشیاری کی تحریص و تحریض کرتے
ہیں۔ ع

آرے طریقِ رنداں چالاکی است و چُستی

پیچھے مردوار سلام کی ایجاد

انسان کی چابکی اور جراری زبان کی روانی اور طراری کے تناسب پر مشاہدے میں آئی ہے۔ نیز فصیح البیانی اس امر کے ساتھ منوط ملاحظہ ہوئی ہے۔ کہ زبان ہنگام کلام موٹی نظر آئے۔ سقراط اور امام شافعیؒ کو اس خصوصیت کی مشہور امثلہ کے طور پر شاہد پیش کرتے ہیں۔ علم تشریح کی تاریخ میں ذات شاہانہ کی مثال اس واقعے کا مزید اثبات کرے گی ۔

ایک حدیث ہے کہ متناسب اعضا صالح قوا پر دلالت کرتے ہیں۔ انگریز بھی کہتے ہیں کہ قلب سلیم، قالب صحیح میں ہوتا ہے۔ ایک یونانی حکیم نے ایسا دربان مقرر کر رکھا تھا۔ جو ملاقاتی کی تصویر کا خاکہ کھینچ کر اندر بھیجتا۔ جس سے اُس کی سیرت پر قیاس کر کے ملنے کی اجازت ہوتی۔ ورنہ خیر ؎

گر مصوّر صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

افغان بادشاہ کی شبیہ تو عکس سے کچھ دیکھی جا سکتی ہے۔ مگر شمائل کا معلوم کرنا اُن کی لطافت اور وسعت کی وجہ سے محال ہے۔ حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کو اجمل العرب کہتے تھے۔ لڑکپن میں دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ کہ شاعر کی نظر پڑی۔ بے محابا بول اُٹھا کہ یہ بچہ اپنی قوم کا سردار ہوگا۔ ماں نے اندر سے سُن کر للکارا کہ تیری زبان چھوٹے۔ اور میرا بیٹا ابھی مرے۔ اگر بادشاہی سے کوتاہی کرے۔ کابل کے لطیفہ سنج کہتے ہیں ؎

بطفلیش ہرکس کہ می دید می گفت
کہ ایں طفل آخر بلائے بر آید

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ[1]۔ اسی لئے اعلحضرت نے رحمت و رافت کے شیوے کے ساتھ ہیبت اور شوکتِ عسکری کو اختیار کیا ہے اور ملت کو بھی اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ابی دجانہ رضی اللہ عنہ کو اپنی تلوار دے کر لڑائی میں بھیجا۔ تو انہوں نے خرام اور تبختر سے پیشقدمی کی۔ فرمانے لگے کہ یہ رفتار عنداللہ مبغوض ہے۔ مگر اس وقت محبوب ہے۔ طوافِ کعبہ کے لئے ابی قحافہ رضؓ کو ارشاد ہوُا کہ اپنی

---

[1] کفار پر بہت سخت اور آپس میں بہت مہربان ہیں ؛

داڑھی کو رنگ دے کر باوجود بڑھاپے کے جوانوں کی طرح قدم
اُٹھائیں تاکہ دشمنوں کے دل میں مسلمانوں کی اضمحلال اور ضعف
جاگزیں نہ ہو۔ اسی متابعت اور نیت سے اعلیحضرت پہلے بڑی بڑی
تابدار مونچھیں رکھتے تھے۔ جب اِس رُعب نے اپنا مطلب حاصل
کر لیا تو چھوٹی کر دیں۔ اس سے بھی آپ نے ایک استنباط کیا۔
کہنے لگے کہ جب لوگ میری اتنی تقلید کرتے ہیں کہ میری طرح
مونچھوں کو بڑا یا چھوٹا کر لیتے ہیں۔ تو اس سے یہ اُمید قوی ہوتی
ہے کہ جس طرح میں رات دن ملّت کی خدمت میں مصروف ہوں۔
وہ بھی اپنی اپنی جگہ کوشش کرینگے۔ چنانچہ اِس کے آثار کا اظہار ہونے
لگتا ہے۔ مثلاً بدخشاں کی فوج نے عریضہ بھیجا ہے کہ جب ہمارے
بادشاہ نے ایثار کو اپنا شعار بنایا ہے تو ہم بھی آئندہ کم تنخواہ لیں گے
تاکہ باقی دولت کے دوسرے مصارف میں کام آئے۔ علیٰ
ھذا القیاس ہر ولایت سے عرائض آنے شروع ہوئے ہیں۔ کہ ہم
مالیات پر اضافہ دینگے۔ تاکہ ہمارے لئے مکاتب تاسیس کئے
جائیں۔ یہ پہلے سالوں کی باتیں ہیں۔ اب افغانستان میں کوئی بڑا

قصبہ نہیں رہا۔ جہاں ابتدائی مکتب قائم نہ ہُوا ہو۔ اور جہاں سے ہزاروں لڑکے ہر سال پانچ سال کی تعلیم پورا کرنے کے بعد شہروں کے متوسط مکاتب میں داخل نہ ہوتے ہوں ٭

لارڈ رپن نے معارف کو ایسی محبوبہ سے تشبیہ دی ہے جو جمال کے علاوہ زیورات سے بھی آراستہ ہے۔ اُس کا وصل تکمیل تمنّا کے ساتھ مالا مال بھی ہو جاتا ہے، لیکن وہ شان و آن بھی رکھتی ہے کہ جب تک جانفشانی کی مساعی عمل میں نہ لائی جائیں۔ اُس کا قرب میسّر نہیں ہو سکتا۔ کوشش اِس سے بلیغ اور کیا ہو سکتی ہے کہ غزا کی عین شدت و حدّت میں جب دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے ساتھ صف آرائی تھی معارف کی طرف پوری التفات رکھتے تھے ؎

وَلَقَدْ ذَكَرْتُكَ وَالرِّمَاحُ نَوَاهِلٌ مِنِّيْ وَبِيْضُ الْهِنْدِ تَقْطُرُ مِنْ دَمِيْ
فَوَدِدْتُ تَقْبِيْلَ السُّيُوْفِ لِاَنَّهَا لَمَعَتْ كَبَارِقِ ثَغْرِكِ الْمُتَبَسِّمِ[۱]

---

[۱] میں نے تمہیں یاد کیا جب نیزے میرا لہو پی رہے تھے۔ اور ہندی تلواریں میرا خون ٹپکا رہی تھیں ٭
پس میں نے شمشیروں کو چومنا چاہا۔ کیونکہ وہ تمہارے مُسکراتے ہوئے دانتوں کی بجلی کی طرح چمکتی تھیں ٭

مکاتب و عرفانی امور میں کامل توجہ رکھ کر لڑائی کے موفقانہ اتمام میں بھی کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اور یہ جنگ و جدال آخر اسی لیئے ہوتی ہے کہ ملّت میں علم اور امن کی روشنی پھیلے۔ تلواریں اور نیزے اسی لیئے آب و تاب دکھاتے ہیں۔ کہ قوم ہمسروں کے سامنے سرخرو اور خندہ پیشانی ہو سکے۔ اُس کو مرعی رکھ کر اعلیحضرت غازی نے جہاد کا اول سے آخر تک پُورا اہتمام کیا۔ اَلْفَضْلُ مَا یَشْھَدُ بِہِ الْاَعْدَاء۔ ایک موقر اخبار میں شائع ہوا تھا کہ افغان بادشاہ نے سمت جنوبی کے جنگجویوں کو شجاعت کے تمغے دے کر ایسی مبادرت کی ہے کہ ہم پرانے تجربہ کارانِ محاربات پر بھی سبقت لے گئے ہیں۔ فی الواقع انگریزوں نے بہت مدّت کے بعد اپنی فوج کے اُس حصّے کی قدردانی کی تھی جو افغانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہؤا تھا۔ دولتین منہزم افسروں کو سزا دینے سے سیاستہً پہلو تہی کرتی ہیں۔ تاکہ بدنامی منتشر ہو کے دشمن کو قوی دل نہ بنا دے۔ اعلیحضرت حق پرست نے اس غیرت سے جس کو "کرۂ ارض کا خوف نہیں" اور اس سیاست سے جو موثریت اجر و زجر دونو میں متعین کرتی ہے۔ اکثر سپاہ کو انعام و اکرام

کرنے کے ساتھ اسی محتشم دربار میں بعض کو توبیخ کے ساتھ رسوا بھی کیا۔

طارق اس جبل سے گذر کر جو اُس کے نام سے موسوم ہوا۔ فاتح ہسپانیہ بنا۔ موسیٰ نے لشکر مظفر کے سامنے اسے سخت سزا دی۔ اس عسکری غفلت پر کہ فوج کے عقب کو نہیں ڈھانپا تھا۔ اگر دشمن پیچھے سے حملہ آور ہوتا تو تباہی وارد کرتا۔ موسیٰ نے پہاڑ پر چڑھ کر یورپ پر نگاہ ڈالی اور کہا کہ کل اِسے فتح کرونگا۔ اس کے عزم اور ارادے کی عظمت کا گبن گواہ ہے۔ جس کی شہادت کے موجب اگر خلیفہ ولید اسے واپس نہ بلا لیتا تو آج کیمبرج اور اوکسفورڈ میں بجائے گرجا کی گھنٹیوں کے اذان کی آواز سنائی دیتی۔ امیر المؤمنین بجائے نئے ممالک کی تسخیر کے پہلے مقبوضات کی تنظیم کو بہتر و افضل سمجھتا تھا۔ اور اب تک ہر ملک میں اس خیال اور تدبیر کے افراد اور فریق ہوتے ہیں۔ حسد کی نسبت سپہ سالار کی معزولی اور جرنیل کی مجازات کا یہ محرک ہو سکتا تھا کہ کہیں بغاوت کر کے علیحدہ سلطنت قائم نہ کر لیں۔ طارق باوصف اپنی فوق العادہ خدمات کے غلام تھا۔ اور ما بعد کی اسلامی تاریخ

میں بے شمار مثالیں قائم ہوئیں۔ کہ منصوریت کے نشے میں سرشار ہوکر غلاموں کے تفرقے کا اندیشہ نہ کرکے۔ جدا حکومتوں کی بنا ڈالی۔

بروٹس فاتح کی فروتنی کو جاہ کی سیڑھی سے تشبیہ دیتا ہے۔ جس کے ذریعے سے بامِ مکنت پر چڑھ کر اس وسیلے کی طرف پیٹھ پھیری جاتی ہے۔ اور مطلق العنانی کے آسمان کی طرف مُنہ اُٹھایا جاتا ہے۔ حمید کہتا ہے

ھلہ بہ سرکا بزے پرنوہ و دلو
چہ تعلیم و زبردستی اخلے لہ تاکہ

اُس وقت دوسرے درختوں پر سرکشی یا سربلندی کے قابل ہوگا جب زبردستی کی تعلیم انگور کی بیل سے حاصل کرے۔ شیکسپیر نے غلام بچّوں کو اسی تاک کی مانند کیا ہے۔ جو بادشاہی آفتاب کی روشنی سے پرورش پاکر ایسا گھنا ہوتا ہے کہ اُس کی شعاعوں کو بھی اندر نہیں گھسنے دیتا۔

بادشاہوں کو ان ملحوظات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اور اُن کی تاریخ میں بعض سزاؤں کا سُراغ لگانے کے لیئے یہ امر خاطر نشین ہونا چاہیئے۔

اعلیحضرتِ غازی نے ڈکہ کی طرف پیشقدمی کے سبب سپہ سالار کو واپس بلا کر معزول کر دیا۔ اور باوجود اس کی سابقہ خدمات کے مدّت تک برطرف رکھ کر بعد میں کسی جگہ مقرر کیا۔ اسی طرح بعض سرکشوں اور غفلت کیشوں کو معتوب فرمایا۔ اور جو فداکارانہ خدمات بجا لائے تھے مورد انعام و نشان ہوئے۔ ذاتِ شاہانہ کی خبرداری اور مستحقوں کی قدر افزائی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ میں ان دنوں ہندوستان میں تھا۔ بغیر کسی کی یاددہانی یا تجویز کے حُسنِ خدمت کا تمغہ مع رقم اعلیٰ کے وہیں مجھے بھیجا۔ حالانکہ لاکھوں مامورینِ دولت میں ایک غائب شخص کس شمار میں آسکتا تھا*

تجاوزات و مکافات جنگ

اعلیحضرت نے جہاد اصغر و اکبر کے صلے میں غازی کا لقب قبول کیا۔ مگر ان القاب سے جو اُن کے باپ دادا کو مِلّت کی طرف سے تہدیہ ہوئے تھے منظور کرنے سے انکار کیا۔ اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جب کافی خدمات بجا لاؤنگا تو دیکھا جائے گا۔ برسوں بعد جب "بڑے جرگے" میں ہزاروں وکلائے مِلّت نے پھر متفق آواز سے اُس کی تحریک کی تو بھی منکسرانہ وضع سے استنکاف کیا اور

بعض القاب لینے سے انکار

امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین کے خطابات سے پہلو چرایا۔ یہ عذر کر کے
کہ اُن کی شان بہت بلند ہے۔ اور یہ ایسی ذوات کرام کے ساتھ
منسوب ہیں۔ کہ مَیں اُن کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ خلافت کی
ذمّہ داریاں اتنی بڑی اور بھاری ہیں کہ مَیں اُن کے اُٹھانے سے
قاصر ہوں۔

پہلے سال ذاتِ شاہانہ نے طلبہ کی طرف سے معارف کا نشان
قبول فرمایا تھا۔ کیونکہ اہلِ علم کے ساتھ خاص شغف تھا۔ اور اُن کی دلجوئی
بہر حال مطلوب تھی۔ اس جواہرات سے مرصّع تمغے کو اپنے سینے پر
لٹکا کر عَلم معارف بلند کیا۔ اور جوش آور نطق کے بعد سب متعلّمین سے
یہ عہد لیا۔ جس کی تجدید مکاتب کے تمام جلسوں میں سال بسال ہوتی
رہتی ہے۔ جب تک کہ سرزمین وطن کو اپنے خون سے رنگین اور
گلزار نہ بنا دینگے قرار نہیں لینگے۔

ملّت سے القاب نہ لینا اور قومی اعزاز کی پروا نہ کرنا، جو
اعلیحضرتِ غازی پر نثار کئے جاتے ہیں، اس امر پر دالّ ہے۔
کہ رعایا کو آپ کی سرفرازی اور حرمت کی خواہش ہے۔ اور آپ

صرف اُن کی خدمت کی آرزو رکھتے ہیں ؎

سر ئُما سہ کونری نہ منی و تاج
بارے تاج دئی ئُماو سہ وتہ محتاج

(میرا سر تاج کی سرنگونی کو نہیں مانتا۔ بارے تاج میرے سر و کا محتاج ہے) ٭

تعلیم اور عرفان پر بڑی مدین جدت اور جوادی
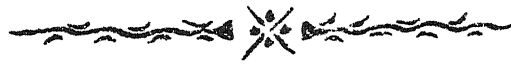
سابق عہد میں صرف ہندی معلّم جن کے ساتھ کبھی ایک آدھ ترک بھی آملتا تھا، سررشتۂ تعلیم کے زمہ دار تھے۔ جب مدرسۂ حبیبیہ میں "جاں نثاران اسلام" کی مجلس نے اشاعتِ تعلیم کے ساتھ اصلاحات کی تجویز کو بھی پیش کیا۔ تو ان کو قتل اور قید کرنے کے بعد مکتب برائے نام بحال رکھا۔ اور اس کی حقیقی ترقی سے قصداً بے التفاتی کی گئی۔ علی الرغم اُس کے معتدبہ اور مقتنی بہ تعداد متنوّر نوجوانوں کی پیدا ہو گئی۔ جن سے مختلف دوائر میں اعلحضرت غازی نے اہم خدمات لیں۔ چنانچہ متعدد وزرا سفیر اور مدیر انہی میں سے ہیں۔ اور ایک جان جوکھوں کی سیاسی فداکاریوں کے بعد اب ممتاز وزیر معارف ہے۔ ذاتِ شاہانہ نے وسیع نظر سے ایک تعلیمی ہیئت فرانس سے دوسری جرمنی سے طلب کی۔ اور ہندوستان کے علاوہ ترکی اور ایران سے معلّم جلب کئے گئے۔ اور ان سب کے

سابق عہد کی تعلیم

متواتر مشوروں اور مذاکرات سے مکاتب کے قیام و دوام کو دنیا کی جدید ترین اور مسلم طرز سے پایدار بنایا ❊

علاوہ معلّموں اور مدیروں کے یورپ کے اکثر ممالک سے انجنیر ڈاکٹر اور مشاور بلائے گئے۔ بعض تنگ دل اشخاص شرق اور غرب کو بُعد القطبین کے فاصلے پر سمجھ کر اور افغانستان کو نئی تہذیب اور سیاست کے لئے مستعد نہ جان کر اِس خارجی خدام کے ہجوم کو تامّل کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ البتہ انسان اپنے نفس پر قیاس کرتا ہے۔ لیکن عقل اور عملِ رسائے شہانہ باہر کے مستخدمین کی حرکات اور افعال پر اس طرح محیط ہے کہ وہ خود سرانہ سرزمین افغانستان میں ایسے درخت نہیں لگا سکتے۔ جن کے لئے اراضی موزون یا یا تیار نہیں۔ حکومت اور مدنیت میں اگر قدیم عمارات کو بنیاد سے گرا کر جدید تعمیر شروع کی جائے تو کس قدر مصارف لازم آئیں اور قطع نظر اس فرصت کے اشتیاہ کے جو شاید نئے قصر کی تکمیل میں خارجہ مصروفیت کے سبب میسر ہو یا نہ ہو آیا یقینی امر ہے کہ یہ گھر ہماری ضروریات کے موافق بنے ؟ پس وہ کاشانہ جو

سینکڑوں سالوں سے ہمارے آباؤ اجداد کو اپنی پناہ میں لئے آیا ہے، قائم رکھنا چاہیئے۔ اگر اس کی ترمیم کی طرف توجہ کریں تو تزئین میں بھی کچھ مصروف ہوں۔ اس کے استحکام کے سب پہلو مدِنظر رکھ کر توسیع اور ترفیع کی جانب سے بھی تجاہل نہ ہو۔ یہ انگریزوں کی متین سیاست ہے۔ اور فی الواقع تاریخی اثبات سے قابل رشک ہے۔ کم ظرف اقوام فوراً جمہوریت کی بنا رکھ دیتی ہیں حالانکہ برطانوی ارتقا میں یہ مرحلہ گذر چکا ہے۔ اِس سے بھی استفادہ نہیں کرتیں۔ اگر خلافتِ راشدہ کی طرف ارتجاع ہے تو مبارک ہے بشرطیکہ تاریخ اپنا اعادہ کرکے پھر سلطنتوں کو شان و شوکت تمام میں لا کر کھڑا نہ کردے۔ بعض سطیح الفکر ملل دفعۃً آزادی پا کر دین سے الگ ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اعلان کر دیتی ہیں کہ خدائے متعال ہی کو نہ مانا جائے۔ حالانکہ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا[1]۔ جس کا بے خبرانہ ترجمہ برک نے یوں کیا ہے۔ کہ "امور کی ایک طبعی ترتیب ہے۔ جس کی ہر چیز مطیع ہے

---

[1] اُس کا مطیع ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں یا زمین میں ہے۔ رضا سے یا زور سے۔

خواہ رضا سے یا زور سے"۔ ماسکو میں ایک رُوسی وزیر نے میرے ساتھ اپنی حکومت کی بیخدائی کا ذکر کرتے میرا عندیہ دریافت کرنا چاہا۔ مَیں نے کہا کہ مجھے اِس میں چنداں فرق دکھائی نہیں دیتا کہ دو یا تین معبودوں کو قبول کیا جائے۔ یا کسی کو بھی نہ مانا جائے۔ قُلْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ مسلمان سب کے ساتھ گذران اور درگذر کر سکتے ہیں۔ ایران کی اشتراکیت نے دو خداؤں کو چھوڑا۔ اور کچھ مدّت حیران رہ کر ایک کو لیا، ناظرین استدلال کر سکتے ہیں۔ کہ روس کی اشتراکیت تین کو ترک کر کے تھوڑا عرصہ سرگرداں رہ کر آیا واحد قہار کے سامنے سر جھکائے گی؟

اعلیحضرت غازی عمومی اور خصوصی معلومات اور افکار میں وافی بہرہ رکھتے ہوئے خارجی ملازمین کی تجاویز کو اپنے ملک کے سیاسی اور مدنی حالات کے ساتھ تطبیق دے کر محل اطلاق میں گذارتے ہیں۔

لہ ایمان داروں کو کہو کہ ان لوگوں کو معاف کرو۔ جو خدا کے دنوں کی اُمید نہیں رکھتے۔ تا کہ خدا لوگوں کے اعمال کا بدلہ دے ✦

مثلاً اپنے حضور میں انجمن معارف منعقد کر کے تعلیمی نصابات کو داخلی اور خارجی اعضائے مجلس کے طویل مذاکرات کے بعد منظور کرتے ہیں۔ اِس دور اندیشی سے کہ مختلف اور متنوع مکاتب میں تفرقہ اور مغائرت تولید نہ ہو۔ حتی الوسع جرمنی فرانسوی وغیرہ نصابوں کو موحدانہ شکل میں ترتیب دی ہے۔ یہ سب تعلیمی نظامات آپ کی دقتِ نظر کے نیچے رہتے ہیں۔ اور ذرا سے انحراف پر جس کی اطلاع آپ کو ضرور ہو جاتی ہے، وزارتِ معارف کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ معارف میں ذاتِ ہمایونی کی پیہم مداخلت کو عوارف ہی تقدیر کر سکتے ہیں۔ ایک مستقل کتاب مطلوب ہے۔ جو آپ کے اس اشتغال اور اشتغاف کو بیان کرے جس سے علم و عرفان کی اصلاح و ترقی ہو رہی ہے۔

سینکڑوں مجالس اپنے حضور میں علمی مباحثات کے لئے تشکیل کیں۔ ہزاروں فرامین فنی امور پر مکاتب کے لئے صادر کئے۔ وزارت معارف، ریاستیں، مدیریتیں، اور متعدد شعبے مع نظاماتِ معینہ مرتب کئے۔ باوجود اس کے جب کبھی موقع پاتے ہیں۔ بازاروں اور

خود طلبہ کا امتحان لینا

کوچوں سے لڑکوں کو جمع کروا کے اپنے حضور میں ملاحظہ فرماتے ہیں۔ جو مکتب میں داخل نہوں۔ اُن کو اپنے ہاتھ سے تادیب کرتے ہیں۔ اور جو شامل ہوں۔ اُن سے کچھ پوچھ کر اُن کے معلّموں کی تفتیش کرتے ہیں جس سے مدیروں کی خود سرزنش ہو جاتی ہے۔ پھر مکتبوں میں ممتحن کی حیثیّت میں بیٹھ کر دنوں امتحان لیتے ہیں۔ اور طلبہ کی عمر کے لحاظ سے ان کی ذہنی استعداد کو پرکھتے ہیں۔ تاکہ نصاب تعلیم اولادِ وطن پر بار شاق نہ ہو۔ اُنکی صحت وقوّت کے ساتھ اقل مدّت میں تحصیل علم ہو سکے۔ اس اندیشے سے کہ تھوڑے طلبہ کا امتحان سب کے نتائج دریافت کرنے میں قاصر نہ رہے۔ سینکڑوں لڑکوں کو اکٹھا کر کے خود اُن سے کتبی اور شفاہی سوالات پوچھتے ہیں۔ تاکہ منطقی استنباط سے اہل معارف کی قیادت موفقانہ طور پر کر سکیں ۔

جیسا کہ عربی صرف و نحو کے بارے میں کوفہ اور بصرہ کے مناظرات تمام اسلامی ممالک میں سرایت کر گئے تھے۔ لاطینی اور یونانی کے متعلق مباحثات بھی تمام دولِ یورپ میں مدتوں جاری رہے۔ جو نسبت ان دو قدیم السنہ کو عربی زبانوں سے ہے وہ ہی معاملہ عربی اور

فارسی کا تقریباً پشتو سے ہے۔ جس طرح قیصر ولیم نے اپنے
عہد عروج میں لسانِ جرمنی کو مقدّم جانا اور اسے اکثر علمائے
المان نے قبول کیا۔ اعلیٰ حضرت غازی اسی طرح کی عملی موثر
اور مفید طرز چاہتے ہیں۔ علاوہ تعلیماتِ عالیہ کے جن میں عربی کی
ضرورت ایک تو بذاتِ خود اسی کی خاطر ہے۔ اور دوسرا فارسی
کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ذاتِ شاہانہ کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ
جلدی علوم و فنون کی تحصیل کر لیں، لہٰذا فی الحال مرکبِ تعلّم پشتو کو
قرار نہیں دیا۔ کیونکہ یوں تاخیر رخ دیتی، فارسی ہی بالفعل لازم رکھی گئی۔
اگرچہ یہ لزوم عارضی ہے۔ ذاتِ ہمایونی کا مختصر مطلب یہ ہے
کہ عموماً سب افغان لڑکے دینیات کو اچھی طرح اور آسانی سے سمجھ
سکیں۔ اسلامی عقائد کو ادراک کر کے ان پر عمل کریں۔ عبادت و معاملات میں
فکر اور ہمت سے کام لیں۔ زیادہ وقت ایسے وسائل اور رسائل میں صرف نہ ہو
جن کو سوائے الفاظ کی تقدیس کے معانی کے ساتھ کم سروکار ہے۔ اسی طرح دوسرے
مضامین بھی اپنی زبان میں پڑھیں۔ اور غیر زبانیں صرف اس لئے سیکھی جائیں تاکہ
طلبہ بڑے ہو کر ان سے استفادہ کریں۔ اور اپنی زبان میں اُنکے فوائد بیان کر سکیں، لہٰذا صرف

ایک خارجی زبان ہر ایک معلّم کے لئے اجباری ہے جس کی تعلیم بجز اُن مکاتب کے جو طلبہ کو یورپ کے لئے تیار کرتے ہیں، دورۂ ابتدائیہ کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اور عربی البتہ لازمی ہے۔ جیسا کہ جاپان میں چینی کے بغیر چارہ نہیں +

مکاتب ابتدائیہ، رشدیہ، اور اعدادیہ کے بعد دار الفنون کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ اِس لئے ذاتِ شاہانہ اُن میں زیادہ توجّہ مبذول فرماتے ہیں۔ جرمنی فرانس وغیرہ کی طرح اِن تین دوروں میں بارہ سال صرف ہوتے ہیں۔ اور ہر متعلّم کو ہر مضمون پڑھنا ضروری ہے یعنی بالغ العلوم ہونے کے لئے لازم ہے کہ ہر علم کے اصُول سے واقفیت ہو ے

ذرہ تا خورشید امکاں گرم از خود رفتہ اند
یک قدم باہر چہ جوشد ذوق آگاہی گزیں

بعد ازاں کسی فن میں تخصص دار الفنون میں شروع ہوتا ہے۔ یہ اساسی تعلیم ہے، اس کے علاوہ رشدیہ میں کچھ تفرع ہو کر شعبات مسلکیہ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ تعلیم رشدی کا بل کے علاوہ مع دار المعلمین

اساسی اور فوقانی تعلیم

سے کے مختلف ولایتوں میں بھی جاری ہو گئی ہے۔ ان کے سوا حسب ضرورت
دیگر اقسام کے مدارس بھی ہیں۔ جن سے طلبہ فارغ التحصیل ہو کر متنوع
کاموں پر فوراً مقرر ہو جاتے ہیں۔ مثلاً مکتب حکام، مکتب قضات،
مکتب دفاتر، مکتب زراعت، مکتب تلغراف، مکتب تجارتی، مکتب
نجاری۔ مکتب رسامی اور مختلف صنعتوں کے مکاتب جو احتیاج
کے مطابق کھولے جا رہے ہیں۔ ایک دار العلوم عربی بھی ہے۔
جس میں نئے مضامین کے ساتھ پرانی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اور
اب افغان طلبہ جو پہلے ہندوستان اور مصر جاتے تھے، یہیں باطمینان
تحصیل کر سکتے ہیں۔ یہاں خاص طور پر طعام اور لباس سرکاری دیا
جاتا ہے۔

اگرچہ معارف کے باغبان جداگانہ گلشنوں کو فنی اصول سے تربیت
اور نگرانی کرتے ہیں۔ لیکن درخت لگانے کے قاعدے اس طریقے
سے کہ بار آوری جلدی ہو، خود مالک اراضی بتاتا ہے۔ جو یہ بھی
مد نظر رکھتا ہے کہ دولت و ملت کی مطابقت کے موافق میوہ دار
اشجار تیار اور تقسیم ہوں۔ اور مبادا پھولوں کے پودے جائز زینت سے

زیادہ مہیا ہو جائیں، یا پھلوں کی اتنی وفور سے حاجت نہ ہو۔ اور وہ پڑے سڑیں۔ اگرچہ الآن یہ کیفیت نہیں۔ مگر آیندہ سالوں کے لئے یہ پیش بندیاں کی جا رہی ہیں۔ تاکہ ملّت کے تعلیم یافتہ افراد سب مفید مشاغل میں لگ جائیں۔ اور کوئی متنفس بھی بیکار نہ رہے۔ ماہران حرث نہ صرف ان طریقوں اور تقسیماتِ شاہانہ کو پسند کرتے ہیں۔ بلکہ صرف انہی کو تکمیل کے قابل سمجھ کر معرضِ اجرا میں لاتے ہیں۔

چونکہ ثمراتِ تعلیم ایک جاہل اور دوسرے عالم شخص کے موازنے میں ایک دانے کی مانند ہیں۔ جو ایک نادان بچّے کے دماغ میں دانائی کو جاگزیں کر کے گویا علوم کے سات خوشے نکالتا ہے۔ اور ہر خوشے میں پھر سو دانے ہوتے ہیں۔ جن سے مراد فنون ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ برکات ایک تعلیم یافتہ جوان اپنے لئے اور اپنی ملّت کیلئے حاصل اور افادہ کرتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ

لے اُن لوگوں کی شان جو اپنے مال خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں دانے کی مانند ہے۔ جس میں سات خوشے نکلتے ہیں۔ اور ہر خوشے میں سو دانے ہوتے ہیں۔ اور خدا جسے چاہتا ہے دو چند کر دیتا ہے۔

مِاۃَ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ اعلیٰحضرت بہترین مصرفِ
خیرات طلبہ کی امداد کو جانتے ہیں۔ اور علاوہ اِس بجٹ کے جو بیت المال
میں تعلیم و تربیہ کے لئے منظور ہوتا ہے۔ تقاریب پر اور معیّن صدقات
دیتے ہوئے اُن کو سب سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں۔ اور عین المال سے
لاکھوں روپے اس علمی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ سِرًّا وَعَلَانِیَۃً۔ ظاہر
اِس لئے کہ امنائے دولت اور شرفائے ملّت کی تشویق اور تقلید کا
محرّک ہو۔ چنانچہ محاربات کے شہدا کے بچّوں کے سوا عام یتیموں کو
بھی اِس لئے بادشاہی محل میں پرورش کا موقع دیتے ہیں تاکہ دوسروں
کو نہ صرف ترغیب ہو بلکہ بالضرور پیروی کریں۔ اگرچہ ایسے لڑکوں کی
تعداد افغانستان میں بہت کم ہے۔ پوشیدہ خیرات اس لئے کرتے
ہیں کہ معاملہ عالم الغیب کے ساتھ ہے۔ اور ذاتِ ہمایونی سلطان
محمد فاتح اور محمود غزنوی کی طرح روحانیت کے معتقد ہیں۔ اور اس
کی حقانیت رویائے صادقہ میں بارہا مشاہدہ کرچکے ہیں۔ اور اکثر اس کی
مثالیں بیان فرمایا کرتے ہیں۔ بہت سی خفیہ امداد جو مساکین کو پہنچتی رہتی
ہے کسی کو معلوم نہیں ہوسکتی۔ مگر عطر آخر مہک کر کسی کے مشام میں پہنچ

طلبہ کی امداد کو بہترین مصرفِ خیرات جاننا

جاتا ہے۔ خود اعلیحضرت کی وضع سے یہ پتہ بل جاتا ہے کہ ہر وقت محتاجوں اور مصیبت زدوں کی فکر میں پڑے رہتے ہیں جس کا محرک اتقا ہو سکتا ہے ورنہ معظّات اور تفکّرات مملکت میں ایسے خیالات کی آسانی سے گنجائش نہیں ہو سکتی۔ جن سے فوری فائدے کی توقع نہیں ہوتی اور نہ ہی اُن سے بے توجہی عاجلہ خطرات ایراث کرتی ہے ؎

دہلی کے دربار میں لارڈ کرزن لاکھوں پاؤنڈ زیب زینت میں خرچ کر رہا تھا۔ اور بقول سرہنری کاٹن اسی وقت سینکڑوں آدمی بیکانیر میں فاقے مر رہے تھے۔ جس وقت جشن استقلال پغمان میں رونق پر تھا۔ اعلیحضرت نے طلبا کو بلا کر ہدایات دیں کہ شہر میں بازار کا ایک حصّہ جل گیا تھا جس میں بعض غیر مستطیع آدمیوں کی دُکانیں تھیں۔ اُن کی اعانت کے لئے جہاں کہیں اجتماعِ خلق دیکھو۔ موثر تقریریں کرو، خود بھی ایک بڑی رقم عطا فرمائی اور لڑکوں نے بھی بہت سا روپیہ فراہم کر لیا۔ ایک شادمانی کی عمومی تقریب پر غمزدوں کو فراموش نہ کر کے اُن کو بھی خوشی میں شریک ہونے کا موقع دیا ؎

تعلیمِ نسواں کا فوق العادہ اقدام اور تقدم

چونکہ پغمان میں ذاتِ شاہانہ کی آمد و رفت بہت ہے۔ اس اندیشے سے کہ بعض پایہ تختوں کی طرح مشعل کے نیچے تاریکی نہ رہے اور دوسری جگہیں سورج اور چاند کی طرح روشن ہو جائیں، اپنے برقی نور سے قدمِ معرفت لزوم کے ساتھ علمی درخشانی جہاں بھی گئے پھیلاتے آئے۔ نہ صرف پغمان کے لڑکے بلکہ سن رسیدہ لوگ بھی مکتبوں اور آپ کے مقالات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ وہاں ایک بہت عالیشان عمارت مکتب رشدیہ کے لئے تیار ہوئی ہے۔ اور دوسرے عرفانی آثار جیسے شہدائے استقلال اور جنگ علم و جہل کی فتح کے منار اور شاہانہ تولد کی یادگار اور ان کے ساتھ جو روایات مربوط ہیں۔ اور کتبے اور تحریرات ان پر اور طاق ظفر وغیرہ پر کندہ ہیں۔ اہالی کو وسعتِ خیال اور سرعتِ اعمال دینے میں کمتر مؤثر نہیں۔

اسی لحاظ سے پہلے اعلیحضرت نے پغمان میں مکتبِ مستورات تاسیس کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ مگر چونکہ شہر اُس کے لئے زیادہ موزوں تھا۔ وہیں ستر اور پردے کے اہتمامِ تام سے اس کا افتتاح ہوا۔ اعلیٰ اور ادنیٰ طبقات ملت کی لڑکیاں شاہی خواتین کے ادارے میں قابل اور تعلیم یافتہ معلّمات کے سپُرد ہوئیں۔ ملکہ ملائکہ خصلت کو مفتشہ کا عہدہ دے کر ہر طرف سے نگرانی اور انتظام کا اطمینان کیا۔ اور آناً فاناً مردانہ تعلیم کے دوش بدوش زنانہ ترقیات کا ذریعہ بھی مہیا کر دیا ؎

بگیر از پیشِ فرصت زلیں نا بدیدستِ تو | کہ باشد ایں پری سر کل جبینش زر کا کلہا
چو گل شد شمعِ شاہانِ قدیم از محفلِ دنیا | امان اللہ غازی کرد گل با صد تشا علہا
چراغِ دودۂ پائندہ خاں پائندہ تا باں باد | کہ نورِ سما و ارض دارد از تنا فلہا
مبادر شد لشوق و ذوقِ تعمیمِ علم و فن | کہ طبع و ہمتِ عالیش نپذیرد تعطلہا

چنیں قیمت شناسِ گوہرِ علم است کاہل فن
ز نقدِ دل ہمیو زر زند در مدحش تکیلہا

سیّد احمد خاں کو باوجود یکہ تعلیم ذکور میں مساعی بلیغہ کی وجہ سے شاہانہ

مکتبِ نسواں کی جا بجا تاسیس

کامیابی حاصل ہوئی ۔ مگر آخر تک مکتب اناث قائم کرنے کی جرأت یا فرصت نہ ہوئی ۔ دوسرے ملکوں میں بھی مدارس بنین کے مدتوں بعد مکاتب بنات کھلے ہیں ۔ اگرچہ لڑکوں کی تعلیم کی یہاں عہد سابق میں ابتدا ہوئی ۔ مگر نشو ونما کے فقدان سے ابھی گہوارے سے نہیں نکلی تھی ۔ کہ دورۂ امانیہ نے اسے رواں بلکہ دواں بنادیا ۔ طرفہ تر یہ کہ عاجلاً اس کے پیچھے لڑکیوں نے ایسے تقدم سے کمر باندھی کہ میدان فن میں گامزن ہو کر بعض جہات میں سبقت لے گئیں ۔ جیساکہ تاریخ افغان خانموں کے حربی اور سیاسی کارناموں کو بیان کر کے اس امر کا اعلام کرتی ہے ۔ کہ ان میں جسمی اور علمی استعداد موجود ہے ۔ عصر حاضر میں یہ ثبوت بھی مل گیا کہ زنانہ شفاخانوں اور صنعتی کارخانوں کو چلانے اور ادارہ کرنے کے علاوہ درسگاہوں کی قابلیت بھی رکھتی ہیں ؛

کولمبس کے امریکہ کشف کرنے پر کسی نے بے اعتنائی سے کہا تھا کہ جو کوئی بھی بحری سفر کرتا ۔ آخر اس بر اعظم تک پہنچ جاتا تو معترض کرۂ بیضہ کے سامنے عاجز آگیا تھا ۔" جنس لطیف یا نصف بہتر انسان" افغانستان میں ایک نئی دنیا تھی ۔ جس کی ذہنی اور دماغی قوا کا انکشاف نہیں ہوا تھا ۔ اور

ہسپانوی مکتشف کی طرح یہاں بھی ملّاحوں کی مزاحمت اور بغاوت کے
نہنگوں کا خوف تھا۔ جن سے مڈ بھیڑ کرنے کی کوئی جسارت نہیں کرتا تھا۔
اب اِن خطرات کی فراموشی کا احتمال کیوں نہ ہو۔ جب کہ کئی مکتب قائم ہوگئے
اور نئے کھل رہے ہیں۔ ہزاروں برقعہ پوش لڑکیاں اس طرح امن و
اطمینان سے پڑھنے آتی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ہمیشہ سے یہ روزمرہ کی عادت
ہو ؎

مرغک از بیضہ بروں آید و روزی طلبد — آدمی زادہ ندارد خبر از علم و تمیز
آں یکے روز کسے گشت و بچیزے نرسید — ویں بتمکین و جلالت بگذشت از ہمہ چیز

جدید عالم کی اختراعات میں انڈے سے چوزہ نکالنا یا دوا سے بچّے کو جوان
بنانا بھی ہے۔ ذاتِ شاہانہ نے اپنی ہدایات و تفقدات سے طریقۂ تعلیم
اور سلیقۂ تدریس کو ایسی تاثیرِ اکسیر بخشی کہ برسوں کا کام مہینوں میں سرانجام
ہو رہا ہے بلکہ خود اعلیٰحضرت کو اندیشہ ہوا کہ یہ پختگی قبل از موسم نہ ہو۔
اس کے سدّ اور انسداد میں بعض تجاویز پر عملدرآمد کیا گیا تاکہ تعلیم کی
وسعت اور سُرعت کے ساتھ طلبہ کی صحت پر بُرا اثر نہ پڑے چنانچہ
لڑکیاں گھروں کی نسبت باوجودے کہ سب مکاتب میں دن بھر صبح سے

لے کر شام تک تعلیم جاری رہتی ہے' بہت تندرست و توانا ہیں ٭

ارسطا طالیس نے سکندر کو نصیحت کی تھی کہ تو نے ایک عالم کو تسخیر کیا خبردار کہ حرم تمہیں مسخر نہ کرے ۔ اکثر شاہی خاندانوں کا یہی عکس حال ہوا ہے ۔ چنانچہ میرو ونجیا کے بادشاہوں کی ایک مثال کے علاوہ سلاطین عثمانی جب اکثر اوقات حرم سرائے میں بسر کرنے لگے ۔ تو بلقانی ریاستیں سر نکالنے لگیں ۔ افغان بادشاہ نے دنیا کے معلّم اول کی تعلیم میں انقلاب ڈال دیا ۔ حرم سرائے کو عیش و طرب کی بجائے دبستانِ علم و ہنر بنا دیا ۔ جب وہاں استراحت کے لئے رجوع کرتے ہیں تو انسان کے نصف بہتر کی تسخیر میں مصروف ہوتے ہیں ۔ وہاں بھی تعلیم کا منتظم سررشتہ جاری ہے ۔ وہیں سے غور و فکر کے بعد وزارت معارف کو تعلیم اناثیہ کی اصلاحات کی ہدایات دیتے ہیں ۔ جو تقتیشات ملکہ معظّمہ اور اُن کی کیلیہ کرتی ہیں ۔ سب کو سن کر اپنے فکر سلیم سے صحیح نتیجہ نکال لیتے اور نصاب کی ترمیم یا کسی مضمون کی تزئید یا تنقیص کے درپے ہوتے ہیں ۔ ان توجہات کا لازمی ثمرہ یہ ہوا کہ مکاتب مستورات نے فوق العادہ ترقی دکھائی ٭

لڑکیوں کی امتحانوں میں سبقت

سالانہ امتحانات میں مردانہ مدارس پر فوقیت حاصل کی اور اب تک زنانہ تعلیم کو نو برس گذرے۔ ہر سال یہی تقدم ہے کہ ہر ایک جماعت میں ہر ایک لڑکی کامیاب ہوتی ہے۔ اور سب اول درجے میں نمبر لیتی ہیں۔ یہ اکثر ہوتا ہے کہ ثلث لڑکیاں پورے نمبر صد فی صد حاصل کرتی ہیں! اور یہ شاذ ہے کہ دو تین دوسرے درجے میں نکلیں۔ یعنی پچھتّر فی صد سے کم نمبر لیں، یا ایک آدھ بالکل ناکام رہے۔ مَیں نے اس حیرت و مسرّت آور نتیجے کو جنسِ لطیف کے اسم بامسمیٰ ہونے کے ساتھ منسُوب کیا تو ذاتِ شاہانہ نے متانت سے جواب دیا کہ لڑکیاں بہ نسبت گھر کی تنگ چار دیواری کے مکتب کی کشادہ فضا اور صاف ہوا میں زیادہ خوش رہتی ہیں۔ اس لئے زیادہ شوق سے پڑھتی ہیں۔ اور لڑکوں کے لئے معاملہ برعکس ہے۔ وہ مکتب سے نکل کر کھُلے میدانوں اور چمنوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ وہاں جا سکتے ہیں۔ اسی ہمایونی دلیل پر قدیم اور جدید مدارس اور دروس میں نشاط اور دلچسپی کا سامان فراہم کرنا لازم سمجھا گیا ہے ؎

درس ادیب اگر بود زمزمۂ محبّتے　　جمعہ بمکتب آورد طفل گریز پائے را

اعلیحضرت حُبِّ وطن اور ہمدردیٔ ملت کے سبق کو طلبہ کے لئے
بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ اِس نصیحت اور تاکید کا اثر یہ ہوا ہے کہ
لڑکیاں وطن خواہی ہیں اس درجہ کو پہنچ گئی ہیں۔ کہ مکاتب مستورات کے
سالانہ جلسوں میں اور اعیادِ دینی و ملّی کے زنانہ جشنوں میں ایسی فصیح و
بلیغ تقریریں کرتی ہیں۔ کہ ہزاروں اَن پڑھ عورتوں کو حامیٔ علم و عرفان
اور اپنی طرح وطنی لباس کی طرف راغب بناتی ہیں۔ نمائشوں میں لڑکیوں
کے قطعات، مرسومہ کاغذات، کھانے پکانے کے شرقی و غربی
ماکولات کے نمونے، کشیدہ خامک دوزی کے علاوہ اُن کے ہر قسم کے
اپنے سیئے ہوئے ملبوسات، تعجب اور اعجاب سے دیکھے جاتے
ہیں۔ ذاتِ شاہانہ ماسوائے ان انعامات کے جو نمائشوں میں عمدہ
اور اعلیٰ اشیا پر دئے جاتے ہیں۔ مزید تشویق کے لئے مستورات
کو اور بھی اکرام کرتے ہیں۔

اعلیحضرت نے ستر اور عصمت کا کامل اہتمام کر کے ایسا برقعہ
تجویز کیا ہے۔ جس سے نقل و حرکت میں سہولت کے علاوہ پردے
کا پورا لحاظ رہے۔ اور مکاتب نسواں کی لڑکیاں اسی برقعے سے

پہچانی جائیں۔ یُدۡنِیۡنَ عَلَیۡھِنَّ مِنۡ جَلَابِیۡبِھِنَّ ذٰلِکَ اَدۡنٰی اَنۡ یُّعۡرَفۡنَ فَلَا یُؤۡذَیۡنَ[1]۔ سالانہ امتحان بھی اسی رعایت سے لئے جاتے ہیں۔ جس کی ایک واقعہ سے خوب وضاحت ہوگی۔ ممتحن نے جغرافیہ میں ترکی حدود اربعہ پوچھا۔ پہلے پردے کے پیچھے سے کوئی جواب نہ آیا۔ پھر رونے کی آواز سنائی دی۔ آخر غصّے اور انتقام کے لہجے میں مسلسل بیان ہوا کہ کس طرح شریف مکّہ نے خیانت کر کے اسلام میں رخنہ ڈالا۔ اور مقاماتِ مقدسہ غیروں کے قبضے میں چلے گئے۔ پھر انقرہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جس طرح قسطنطنیہ استرداد کرلیا ہے، دوسرے مقبوضات پر بھی انشاء اللہ تعالیٰ تصرّف ہو کر ترکی کے سابق جہاتِ اربعہ جغرافیے میں درج ہونگے ؏

جب بوستان سرائے میں جہاں ایک طرف امیر عبد الرحمن خاں مرحوم کا مقبرہ ہے، اعلیحضرت نے بڑی دھوم دھام سے مکتبِ اعدادیہ کا افتتاح کیا۔ اور طویل اور نہایت مؤثر نطق فرمائی تو مکتب

---

[1] اپنی چادریں اپنے پر نزدیک کرلیں اس سے وہ غالباً پہچانی جائیں گی۔ اور ان کو اذیت نہیں پہنچے گی ؏

رشادیہ کی ایک لڑکی نے پردے کے پیچھے سے یہ نظم پڑھی ہے

در گلشنے کہ باد خزاں سالہا وزید | بوئے بہار شد ز نسیم اماں پدید
مرغاں بنغمہ ہائے خوشی رقص میکنند | صیاد را بدام او چوں باغباں کشید
سرسبز گشت باغ و بیاباں کوہسار | گلہا برنگ و بوئے بہ زیں ہر جہت دمید
نشوند شاد و بہرہ ور اہل چمن چرا؟ | اثمار را تواں چو بداماں خویش چید
چوں سایہ غبار از سر اشجار رفع شد | ہر شاخ گشتہ بار ور از بار خود خمید
ایں خصلت کریم بود کز فروتنی | با وصف اقتدار ز نخوت نسر کشید
اصلاح ما بدیگراں زیں وجہ رخ نمود | افغانِ شیر ور نشد و باوہ کے رمید
قصد مخالفت بنماید اگر عدو | خواہیم بر مقابلہ اش در وغا جہید
آمد بکر و فر و بکرات شد فرار | ناورد تاب حملۂ ما و پس خزید
از بزم بود بیش پیے رزم عزم ما | داریم بسکہ اشتلۂ غازی و شہید
از اختیار رد و بد و جلب منفعت | گردید دل مستقل ز رنج و غم بعید
ایں عید مزد و رحمت و آزادی متین | از زور بازوئے کہ بما باز در رسید؟
از قوت و حمیت آں شاہِ نامدار | کہ شرق و غرب صیت جوانمردیش شنید
آں بادشاہ غازی کز فکر و ہمتش | بخشید بہر ملت خود شہرت مزید

آرام و عیش و حظِ بلا حد خود فروخت
حریت و رفاہِ رعایائے خود خرید

در حاصل ایں بیع و شرائے مقدسش
خواہد بقدر رفعت و اجلال آرمید

قانونِ عدل و داد بجدت چو وضع کرد
تنفیذ آں نمود بنگرانیٔ شدید

عمراں چوں شد ز مہر ہمایونیش بلند
بوم خرابیٔ وطن از بامِ ما پرید

از التفاتِ خاص بعرفانِ ملتش
بکشاد بابہائے معارف بسے مفید

روشن نمود مطلع تاریک ملکِ ما
از نور علم پردۂ اظلام را درید

از سعی او بدار فنون سہ قدم بماند
تعلیم چوں بمنزلِ اعدادیہ رسید

بشنو طنینِ سور زبستاں سرائے خلد
از روحِ جد شاہ بریں موقعِ سعید

تاسیس گشت متصلاً مکتبِ اماں
باطالبانِ فائق و متقدم و رشید

ہاروںِ عہد جلوہ بہ تلمیذہا نمود
در یک ہزار سال چنیں وضعِ شہ کہ دید

شد نور دیدگانِ معارف چو کحل نطق
از سوز و سازِ جہل و ادب چوں دلش طپید

اوصافِ عہدہائے عتیق و بدیع را
آگند در وجود خود از صوت حمید

از علم و فن منتخب و نافع بشر
جاری نمود جملہ بہ پیرایۂ جدید

تعلیم تا بطرزِ مؤثر شود سریع — از فکرتِ سلیم خود ش نقشہ ہا کشید

گویا پئے گرفتن انواعِ صیدِ علم — در جدولِ مطابقِ فن داموا تنید

توفیقِ نصرِ داد بتعلیم و تربیہ — از رتق و فتق و نسق مقصد و سید

بہرِ ترقیات دعا ہم رسد بگوش

از لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی نوید

اعلیحضرتِ غازی جلسۂ مذکورہ میں طلبہ کو اپنے ساتھ موٹر میں بٹھا کر انہی کے لباس میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔ اثنائے تقریر میں جب یہ بیان کر رہے تھے۔ کہ نئی سلطنت اور نئی تعلیم کو ابھی نو سال ہوئے ہیں۔ اور اس کی تکمیل کو کئی برس اور چاہئیں۔ باوجود اس کے کہ ایک مکتبِ عالی کی رسمِ تاسیس خوشی کا مقام تھا، آپ کی آواز رک گئی۔ گلا گھٹنے لگا۔ آخر رقت اور درد بھرے لحن میں طلبہ کو اور ملت کو ابھارا کہ گذشتہ غفلتوں کی تلافی میں آئندہ سخت جد و جہد سے کام لیں تا کہ مسابقۂ ملل میں معمولی کوشش سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ بلکہ فوق العادہ سعی و ہمت

سے سبقت لے جائیں ۔ پھر حاضرین کی فہمائش کے لئے سیاہ تختہ پر جدول کھینچ کر تعلیم اور اُس کے متعدد شعبات کا نقشہ کھینچا جو غور و تعمق کے بعد وزارت معارف کی تعمیل کے لئے آپ خود تیار کیا کرتے ہیں ؛

ملک کی تفتیش اور خبا

اعلیحضرت نے بڑی زحمت اور محنت کے بعد قندھار کے تمام دوائر اور دفاتر کی تفتیش کرکے اسے ایک مجلد کی صورت میں مع تصاویر کے طبع کرایا تاکہ اُس کا پائدار فائدہ پہنچتا رہے - ورنہ قندھار، غزنی اور جلال آباد کی تفتیشوں کے بعد ذاتِ شاہانہ نے اپنی ساری کارروائی مامورینِ دولت کے سامنے بیان کی تھی اور چونکہ اصل مدعا یہ تھا کہ قانون کی پوری پابندی کی تحقیق کی جائے - اس لئے تھوڑے سے انحراف پر بھی سزائیں دی گئیں - حتیٰ کہ بعض بڑے معزز عہدہ دار بھی جرمانے سے معاف نہ ہوئے - کیونکہ نئے قواعد و ضوابط کی تعمیل میں کوئی نہ کوئی کوتاہی ہو جانا اگرچہ نیک نیّتی سے ہی ہو، اغلب تھا - قید کی مجازات بھی عمل میں لائی گئی - اور بڑے جرائم کی تحقیقات کے ساتھ، یہاں تک باریک بینی ہوئی کہ اگر کسی وزارت کے مکتوب میں ایک جگہ تاریخ میں ذراسی

غلطی تھی تو وہ بھی نکالی گئی ۔

ولایت مزار اور سمت جنوبی کی تفتیشوں کے بعد آپ نے دارالامان میں علاوہ مامورین کے رعیّت کے برگزیدہ اصحاب کو بھی جمع کیا۔ چونکہ سامعین کی تعداد بہت زیادہ تھی اور آپ کی تقریر کئی طویل گھنٹوں کا لکچر تھا، اِس لئے اپنے سفر وغیرہ کے حالات فنی طریقے پر ریڈیو کی مدد سے سب کو سُنائے اور بورڈ پر نقشہ کھینچ کر جغرافی کوائف دکھائے ۔ ایک قابلِ ذکر یہ امر ہے کہ باوجود اتنی سلطنتوں کے جو افغانستان میں قائم ہوئیں اور اتنے حملہ آوروں کے جو یہاں سے گذر کر ہندوستان کو گئے، نہ تو کسی بادشاہ نے رعایا کو اپنے سیاحت نامے سُنائے، بلکہ سوتے ہوئے دوسروں سے البتہ سب نے سُنے، اور سکندر ایتھنس سے لے کر سکندر برنس تک کسی کو یہ نہ سُوجھی کہ بلخ تک بیس پچیس دن کے راستے کے سوا ایک ہفتے میں منزلِ مقصود طے ہو جاتی ہے ۔ اعلیحضرت نے فرمایا کہ بالفرض اگر اکیس ہزار فٹ کی بلندی سے ایک موسم میں برف گذرنے نہ دے تو دریا کا مجرے ایک تیسری راہ پر دلالت کرتا ہے

ولایت مزار کی تفتیش اور فنی لکچر

جو درازی میں کچھ زیادہ ہے۔

جب سڑکوں کی سُراغ رسانی میں اتنی دقّت سے کام لیتے ہیں تو شہروں اور باشندوں کی تفحص اور پُرسش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ فرمانے لگے کہ مَیں نے برسرِ دربار پوچھا کہ رعایا کو حکام سے کوئی شکایت ہو تو بے کھٹکے بیان کی جائے۔ وکلا سے علیحدہ دریافت کیا، خلوت میں کہا کوئی تکلیف ہو تو دور کی جائے۔ خواہش ہو تو پوری کیجائے، مگر ہر ایک جگہ سے یہی جواب ملا کہ قوانین اور نظامات نے سب مصائب رفع کردی ہیں۔ اور ہر ایک تمنّا برآئی ہے۔ اعلیحضرت نے بہت ملیح نطق کے اثنا میں سب مامورین کے حالات بتائے اور مکافات و مجازات دونوں کا اعلان کرکے جن اصحاب کو موردِ انعام بنایا تھا۔ اُن میں سے بعض کی فوق العادہ خدمات پر غایبانہ تعریف و تحسین کرکے اُن کے حق میں دعا بھی مانگی، اور ولایت مزار[1] کا عام تبصرہ کرتے ہوئے بعض برائیوں کی طرف ایما کیا جو اہالی کی

---

[1] جسے ترکستان افغانی کہتے تھے، اب ولایت مزار سے موسوم ہے کیونکہ بلخ کے نزدیک جو حاکم نشین شہر ہے وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرقد ہے ؎

گویند کہ مرقدِ علیؑ در نجف است | در بلخ بیا ببیں چہ دار الشرف است
جامی نہ عدن گو و نہ بین الجبلین | خورشید یکجا و نورش ہر طرف است

(باقی صفحۂ آئندہ)

ملی حالت کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔ اور اُن کا ازالہ علم و عرفان کے انتشار سے ہو سکتا ہے ؎

قابلِ کشت اراضی غیر مزروع پڑی ہیں۔ بعضے حاصل خیز خطے بھی کھیتی سے عاری ہیں۔ کیونکہ پانی جو ہر چیز کو زندہ کرتا ہے آسمان سے نہیں اُترا۔ بکایک بادل نمودار ہوتے ہیں گرجتے ہیں اور خلافِ المثل برستے ہیں۔ بارانِ رحمت وادیوں کو سیراب کر دیتی ہے۔ تیار زمینیں سرسبز ہو جاتی ہیں۔ اور زرخیز قطعات میں شادابی سے گویا فصلوں کی کالی گھٹا چھا جاتی ہے، اور زبانِ حال سے بادشاہ کے تشکرات ادا کرتی ہے۔ جس نے مساوات اور آزادی کی نعمت سے اہل و صالح لوگوں کو وطن کی خیر خواہی کا موقع بخشا۔ اور اس سے نواصی کا حق بجا لا کر زمانے کے خسارات سے مستثنٰے ہوئے۔ عالم و فاضل اشخاص کو

اخبار درون کی قومی اشاعت

سلطان حسین مرزا جیسے عظیم الشان بادشاہ اور اُس کے وزیر امیر علی شیر جیسے علامۂ آگاہ نے یہ وقفہ تعمیر کرایا تھا۔ جو اب بہت آباد اور روز افزوں رونق پذیر ہوتا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک بلخ صرف ایک ویران گاؤں رہ گیا ہے ؎

(نیشنلسٹ کالج بلخ)

فنادام البلاد بلخ در پیری بو بیرانی — زفرزندانِ نا اہلش چو صادر شد نکا ملہا

سلف از فن عمران ساختندش قبۃ الاسلام — خلف بنیادِ آں کندند از راہِ تکاسلہا

فرصت نصیب ہوئی جس میں لسانِ قلم سے مقالات بیان کر کے ملّت
کو ترقی و تعالی کی صراطِ مستقیم پر ہدایت دے سکیں ۔

ترکی اور ایران وغیرہ میں انقلابات کے بعد ایسا ہی ہوا تھا
کہ دفعۃً سینکڑوں اخبارات شائع ہونے لگے ۔ لیکن افغانستان میں
ان سے متغائر معدلانہ احتساب جاری ہوا جو لغو اور حشو کو دور کرتا
رہا اور جرائد میں صرف وہی مضامین نشر ہوئے ۔ جو وطن اور ملّت کیلئے
فتنہ اور تفرقہ احداث نہیں کرتے تھے ۔ طیب کلمات نے ثابت
اصل پر کھڑے فرع آسمان میں نکالی ۔ اور خبیث باتیں جڑ سے
اُکھڑ رہیں ۔ ذاتِ ہمایونی کی نگرانی، تقریر و تحریر میں سے جو یہاں
سبزے کی طرح ہر طرف ہزار زبان سے لہلہانے لگی تھی، نبات
کو چھوڑ کر کڑ دی زہر چیزوں کو پرے کرتی رہتی ہے ۔ اِس لئے
وطنِ عزیز میں خار کے بغیر ازہار اور ریاح و ریحان ہیں ۔

اشتراکی روس میں باوجود بڑے ادعا کے سب اخبار حکومت
کی طرف سے شائع ہوتے ہیں اور کوئی شخص اشتراکیت کے برعلیہ
قلم نہیں اُٹھا سکتا ۔ افغانستان میں جہاں بادشاہ ملّت کا سچا خیرخواہ خادم ہے

اور ساتھ ہی سب سے زیادہ عقل اور تدبیر کا مالک ہے۔ تو بطریق اولٰے اخبارات اُس کی حکومت کے طرف دار ہیں۔ کیونکہ دولت کی طرف سے شائع ہوں یا مِلّت کی جانب سے سب اُسی کے عہد کے پودے ہیں۔ جیسے امان افغان، معرفِ معارف، ارشاد نسواں، اتحاد مشرقی، طلوع افغان، اتفاقِ اسلام، فریاد، مجموعۂ عسکری، آئینۂ عرفان، مجموعہ صحیہ، ستارۂ افغان، انیس، نسیمِ سحر وغیرہ ❖

یہ اخبار اور رسالے شاہانہ فکرِ واسع میں اوامر معروف کی تبلیغ کے لئے کافی اور موزوں نہیں تھے۔ اِس لئے ایک ارغنوں ایجاد کیا۔ جس کی طرف اہالی کو رغبت ہوئی۔ کیونکہ اُن کی طبائع کے موافق تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ نظام نامے اور صلاح کے کتابچے علاوہ جدا طبع ہونے کے اخباروں میں درج ہوتے ہیں۔ تاکہ لوگ نئے قوانین اور ہدایات سے واقف ہو جائیں۔ مگر چونکہ عام لوگ فطرتاً زیرک اور سیانے واقع ہوئے ہیں۔ اشتہاروں کی طرف اُن کا میلان زیادہ ہوتا ہے۔ اِس لئے حکم دیا کہ سب قانون اور مفید مضمون ایک بڑے صفحے پر نقل ہو کر چھاپے جائیں۔ اور وہ واضع مواضع میں نصب

مضمون ابلاغات کی نشر و اشاعت

کئے جائیں۔ تمام ملک میں اُس کی تعمیل ہوئی۔ مگر اس پر بھی قناعت نہ کرکے قلم کے ساتھ بیان سے بھی افادہ کیا۔ مجمع عام کی جگہوں میں اونچے منبر رکھوائے گئے۔ اور جب لوگوں کو شام سے پہلے وہاں اکٹھا دیکھتے تو مکاتب کے تعلیم یافتہ نوجوان اوپر چڑھ کر "ابلاغ" کو پڑھنے لگتے۔

اِن ابلاغات کے ذریعے سے وہ مساعیٔ جمیلہ جو آئین و قوانین کی ترتیب میں ملکی اور عسکری ترقی کے لئے ابراز کی تھیں، اور یہ مشکل کام ہے، مؤثریت کے درجے تک پہنچائیں، جو بہت زیادہ مشکل ہے، جب تک لوگ اپنے وظائف و حقوق سے آگاہ نہ ہوں حاکم ظلم اور اضافہ ستانی سے، محکوم غفلت اور سرتابی سے، باز نہیں آسکتے۔ ایک دن اعلیٰحضرت کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے آہستہ ایک دوسرے آدمی کو کہا کہ "بہت سے لوگوں کی بھیڑ تھی جو "ابلاغ" کو سُن رہے تھے" آپ فوراً قطع کلام کرکے متوجہ ہوئے اور بے اختیار عجلت سے فرمانے لگے کہ "بہت سے لوگ سُن رہے تھے؟" آپ کے بشرے اور زبان سے مسرت اور انبساط عیاں ہوتی تھی۔ ملت کی بیداری اور

توسیع اختیار کے اتنے مشتاق ہیں کہ اس کے مقابلے میں اور سب باتوں کو بھول جاتے ہیں۔ چونکہ استبداد اور تلوّنِ مزاج کا منبع عدم آئین ہے اور اگر قوانین موجود ہوں تو رعایا کی ان سے بیخبری بھی بے آئینی کی مرادف ہے۔ لہٰذا اخبار اور ابلاغ کو فوری مداوا سمجھ کر اس کی تاثیر کے اطلاق میں کوشاں ہوئے ؎

طلبہ کے موفقانہ اعزامِ یورپ کا لطف

چونکہ نادانی کا قطعی علاج معارف ہے۔ جس کی اشاعت مکاتب کے ذریعے سے ہوتی ہے، البتہ ذاتِ شاہانہ نے اُن کی تاسیس اور توسیع میں بہ نسبت اخباروں کے بہت زیادہ کوشش کی۔ یہ دار الشفا اگرچہ حاذق اساتذہ کی مدد سے جہالت کے آلام کی تخفیف کر رہے ہیں لیکن فی الحال یورپ کی طرح چونکہ لوازم صحیحہ یہاں موجود نہیں، طلبہ کو خارج میں اعزام کرنے کا قصد کیا۔ بعضے کفر کی شبِ تاریک سے، عیش پرستی کی موج کے بیم سے، وطن فراموشی کے گرداب سے خوف کھا کر کہتے تھے کہ افغان نوجوان بے دینی کے قعر میں تختہ بند کئے جاتے ہیں، ممکن نہیں کہ دامنِ عقیدت و عفت تر نہ ہو، مگر چونکہ منافع دریا میں ہیں۔ اور سلامت ساحل پر بھی نہیں۔ کیونکہ جہالت اور اسارت میں بھی آخر اجل آ کر رہے گی، اِس لئے اعلیحضرت فرماتے تھے کہ یہ طلبہ اس لئے باہر بھیجے جاتے ہیں تاکہ کمالات سے آراستہ

ہو کر ملّت کی خدمت بجا لاسکیں۔ اور چونکہ اس سے زیادہ مقدس ارادہ عند اللہ اور نہیں، لہٰذا اُس کی بارگاہِ ہدایت دستگاہ سے التجا اور توفیق کی رجا ہے۔

طلبہ کو یورپ بھیجنے کا مطلب

چونکہ روندگانِ طریقت، معرفت ہنر سے عاری قبائے اطلس کو نیم جو سے بھی نہیں خریدتے۔ اِس لئے تحصیلِ فنون کے لئے طلبہ بھیجے گئے۔ نہ کہ محض زبان دانی، ادبیات و قانون سیکھنے کے لئے، کیونکہ افغانستان میں یورپی زبانوں کی کوئی حاجت نہیں۔ ہماری مِلّی ادبیات جدا ہیں، ہمارا قانون شریعت اسلام ہے جو اکمل ہے۔ ہمیں صرف ہنرمندوں کی ضرورت ہے۔ جو صنائعِ حرفے، معادن، اور مختلف قسم کی مہندسیوں سے واقف ہو کر آئیں۔ اور یورپ میں صرف یہ کمال پیدا کریں۔ چنانچہ اب تک جتنے نوجوان واپس آچکے ہیں اِنہی مفید پیشوں میں مہارت اور تخصّص حاصل کر کے آئے ہیں۔

اگرچہ اب طلبہ کی بہت سی مختلف وقتوں میں جماعتیں جا چکی ہیں۔ اور بعض واپس آنے کو ہیں۔ مگر پہلی دفعہ جب اُن کو وداع

کیا تو عجیب شادی و غم سے باہم آمیختہ واقعہ تھا۔ جس کو ذاتِ شاہانہ نے یوں بیان کیا تھا :-

اوّل آپ سے عفو چاہتا ہوں، کیونکہ جو حال میرے دل میں ہے اسے نطق میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے اپنی اولاد اور بھائیوں کی مفارقت کا غم نہیں۔ اگر وہ یہاں سے رخصت ہو کر خدمتِ اسلام میں فدا ہو جائیں تو اُن کی عزت اور شرف ہے۔ یہ اسلام کا حالِ اسف اشتمال ہے جو مجھے رُلاتا ہے۔ جہل اور نفاق جو آج اسلام کو خراب اور برباد کر رہا ہے۔ مجھے رنج واندوہ سے جلاتا ہے۔ جب تک ہمارے بچے طلب علم کے لئے جا کر کمال حاصل کر کے نہ آئیں اس اسلامی عظمت و رفعت کو جسے کھو بیٹھے ہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے۔ میں نے یہ ارادہ کسی اور ملت سے نہیں سیکھا۔ بلکہ صرف اپنے دین کی پیروی کر رہا ہوں۔ اطلبوا العلم ولو کان بالصّین[1]۔ عرب کہاں اور چین کہاں! پیادہ یا اونٹ پر وہاں جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اور اب

---

[1] علم کو طلب کرو اگرچہ چین میں ہو ۰

سفر میں آسائش ہے - افتخار کا مقام ہے کہ ہم نے یہ اقدام اپنے پیغمبرؐ کے ارشاد کے مطابق کیا ہے ۞

اگرچہ پہلے اعلیٰحضرت امیر شیر علی خاں مغفور نے یہ قصد کیا تھا - ثانی میرے جد اعلیٰحضرت مرحوم نے یہ خیال فرمایا تھا - پھر اعلیٰحضرت شہید نے اپنے دستخط مبارک سے جو وزیر معارف کے پاس موجود ہے - یہ لکھا تھا کہ جب تک لڑکے خارج نہ جائیں اور معلم باہر سے بُلائے نہ جائیں افغانستان ترقی نہیں کریگا - لیکن وہ ارادہ آج بجالایا گیا - اور خدا کا شاکر ہوں کہ میری طرف سے اجرا ہو کر میرے نام پر خاتمہ ہوا ۞

مَیں اِن سب لڑکوں کو بڑوں کو اپنے بھائی اور چھوٹوں کو اپنی اولاد سمجھتا ہوں - سفیر کو مَیں نے یہی کہا ہے کہ میرے اپنے بیٹے میرے چچا کے بیٹوں میرے بھائیوں اور دوسرے اقربا کو سب لڑکوں کے مساوی درجے پر رکھنا - تاکہ کوئی تفاوت اُن کے درمیان ظاہر نہ ہو - لیکن اے میرے بچّو اور بھائیو! ایک نصیحت تمہیں کہتا ہوں - خدا کے واسطے افغانستان کے شرف کو برباد اور

ملتِ افغان کے نام اور عزت کو پامال نہ کرنا۔ تم نمونے کے طور پر جارہے ہو۔ اگر نمونۂ افغان ایسا کام کرے جو اسلامی نقص کا باعث ہو۔ تو پھر خدا تمہاری شکل مجھے اور میری صورت تمہیں نہ دکھلائے۔ دوسری یہ ہدایت کرتا ہوں کہ افغانوں کی ترقی اور اسلام کی خدمت کے لئے جارہے ہو۔ ایک گھڑی بھی تحصیل علم کے سوا کسی اور چیز میں صرف نہ کرنا۔ خاکِ پاکِ وطن کی آنکھیں تمہاری طرف لگ رہی ہیں۔ اِن آنکھوں میں خاک مت ڈالنا۔ تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں اور اس سے تم کو با عزت و شرف و نیک نامی واپس چاہتا ہوں۔ اس وقت اگر زندہ ہوا تو خوب ورنہ میری قبر پر آکر اپنے کمالات کو شمار کرنا پھر مجھے قرار آئیگا ؛

اِس کے بعد اعلیحضرت نے رسم وداع کے مطابق سب لڑکوں کو جن میں کاتبوں اور کاسبوں کے لڑکے بھی تھے۔ جُدا جُدا بوسہ دیا اور سب برابر حیثیت میں رخصت ہوئے ؛

اِس کے دو برس بعد مفتشِ معارف نے فرانس سے وزارتِ معارف کے ذریعے حضور میں عرض کی کہ بیگانے ملک میں بادشاہی

نام و احترام کی محافظت اس امر کی مقتضی ہے کہ شہزادہ ہدایت اللہ خاں کے لئے موٹر کار ہو۔ اعلیحضرت نے جواب دیا کہ مَیں نے اول روز وعدہ کیا تھا کہ اپنے بیٹے بھائیوں اور دوسرے طلبہ کے درمیان کوئی فرق اور تمیز نہیں کرونگا۔ اسی قول پر قائم ہوں۔ اور سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہوں۔ البتہ موٹر خریدی جائے۔ مگر یکساں سب کے استعمال کے لئے ہو۔

حضرت فاروق رضؓ نے اپنے دو فرزندوں کے ساتھ عدل کا سلوک کرکے اُن کی ممات اور حیات کی کچھ پرواہ نہ کی۔ حسن صباح نے اپنے لڑکے اور مریدوں میں آخری لمحے تک تفریق نہ کرکے اُن کو اپنا فدائی بنا لیا۔ اِن طاہر اور برعکس مثالوں کے علاوہ، ازمنۂ قدیم اور جدید میں سیزر اور بونا پارٹ جمہوریت سے بادشاہی کو پہنچے۔ کیونکہ لوگوں نے ان کی خدمات اور ان کی عقل و سیاست کی فوقیت کا اعتراف کرکے ان کے استبداد کو بمنزلۂ آئین قبول کر لیا۔ عجیب موازنہ ہے! افغان بادشاہ پوری قوت اور کامل اقتدار کے باوصف چھوٹے لڑکوں کی استمالتِ قلوب

کرتا ہے۔ یہ مظہرِ جمال ہے جس کی تعلیم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مسیح علیہ السلام نے بھی دی تھی کہ اِن بچوں کو میرے پاس آنے سے مت روکو۔ کیونکہ آسمان کی سلطنت میں انہی کا دخل ہے۔ پٹھان بادشاہ شہزادوں اور سرداروں کو تو خیال میں بھی نہیں لاتا۔ اور اپنی بادشاہی بلندی سے تنزل کر کے نوجوان ملّت کو حرّیت اور مساوات کی تلقین کرتا ہے ۞

پھر طلبہ کی ایک جماعت کو استنبول بھیجنے کا ارادہ کیا اور مکتب کے لڑکوں کو اپنے حضور میں بلا کر فرمایا کہ ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے بھیجے جا رہے ہو۔ (قسطنطنیہ میں سو سال سے زیادہ عرصے کا مستند میڈیکل کالج ہے) اس لئے جس کا میلانِ طبع نہ ہو وہ مخیر ہے۔ باوجود لڑکوں کی چھوٹی عمر کے اُن کو انتخاب پر مجبور کر کے پھر دلیرانہ صمیمیت سے فرمایا کہ تم کامیاب ہو کر واپس آؤ۔ اور مجھ پر اپنا ہنر آزماؤ۔ یہ کہہ کر اپنا بازو برہنہ کر لیا۔ اور ارشاد کیا کہ میں اسے چیر ڈالوں گا تاکہ عملیاتِ جراحی اس پر جاری کرو ۞

اِس کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ روس، اٹلی، جرمنی، فرانس وغیرہ

سے نوجوان افغان ملکی اور عسکری فنون سے آراستہ ہو کر لوٹے۔ بڑے احتشام کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ اور ہمیشہ اپنی صحبت میں رکھ کر اُن کو معزز بنا دیا۔ انعامات اور اکرامات سے سرفراز فرمایا۔

جو لڑکے یورپ میں امتیاز کے ساتھ امتحانوں میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ان کو شاہانہ عنایات سے یاد کرتے ہیں۔ اور اب جو خود اُن کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ تو اُن کے تفقدِ احوال کا اس سے تخمینہ ہو سکتا ہے کہ یورپ سے کابل کے مکتبوں اور ادارات لیلیہ کو فراموش نہ کر کے سینکڑوں ایڈیو کی مشینیں ارسال فرمائیں۔ اور علاوہ عام تقسیم کے ہر جماعت کے سرامد متعلم کو جُدا مشین عطا کی۔

جب اعلحضرت غازی مغرب کے کمالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مراجعت فرمائیں گے۔ اور اکثر لڑکے تعلیم یافتہ ہو کر عودت کر آئیں گے۔ تو افغانستان کی ترقیات کا حقیقی سلسلہ شروع ہو گا۔ اب صرف زمینہ تیار ہو رہا ہے۔ پھر بھی ذاتِ شاہانہ نے تقریباً

نوجوانوں کا ممالک بیرونی سے لوٹنا

یورپ کے کالجوں کے طالب علم کو تحفہ بھیجنا

دس سال کے عرصے میں جو کچھ کر دکھایا ہے، اگرچہ بعض یورپین واقف
کاروں کی رائے میں ایک یورپ کا مدبّر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا،
اور جمال پاشا کے اقرار پر کہ ان مشکلات میں تو میں ایک دن بھی کام
نہ کر سکوں، اِس میں اعلیحضرت غازی کی موفقیت محیّر العقول ہے،
مگر جب آپ کی بصیرت اور آپ کی ملّی اولاد کی فنی ایجادات
منصۂ شہود میں آئینگی تو سچّی مظفریت اس وقت حاصل ہو گی ؞

پورے چار سو سال گذرے کہ عظیم الشّان سلطنت مغلیۂ ہند کا
بانی انقلاب روزگار کے بعد اسی جگہ پر جہاں کابل میں خود مدفون
ہے، باوجود اپنی تزک و شان کے فوج ظفر موج کو خطاب کرتا
ہے کہ میں ایک عاجز بندہ ہوں صرف تنگری (خدا) تعالےٰ کی یاری
اور فضل سے پھر شہریاری کے مرتبے کو واصل ہوا ہوں۔
اعلیحضرت غازی امان اللہ خاں، شاہان لودھی، سوری، غوری،
ہوتکی، اور سدوزائی کا وارث، سالانہ جشن جلوس وزرائے عظام،
سفیران کبیر، سرداران، خوانین، اور وکلائے ملّت کے سامنے
حقوق العباد کا بھی لحاظ رکھتے ہوئے، خدائے ملیک و مقتدر کی

ثنا خوانی کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں عاجز بندہ ہوں۔ خدا سے اپنی ملت کی خدمت کی توفیق مانگتا ہوں، جس کی معاونت سے میں نے استقلال حاصل کیا۔ کرخان نے پیاران نے۔ اپنی قوم کی دیانت اور شجاعت سے مجھے ترقیات کی اُمید ہے، جو عالم اسلام کی خیر خواہی سے وابستہ ہیں۔ اور اس قومی اتحاد پر مسلمانوں کی تعالی کا انحصار ہے۔ جس کا یقین خدا تعالیٰ کے لطف و کرم سے ہے ؎

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

[illegible]

اعلیحضرت غازی کی عمر ابھی پورے چھتیس سال کی نہیں ہوئی۔ اور سلطنت کو دس سال بھی نہیں گذرے۔ قصرِ مملکت کی استوار اساس رکھ کر اس پر متین اور حسین تعمیر شروع کی ہے۔ گرد سایہ دار نہال بار آور پودے اور سدا بہار پھول لگائے ہیں۔ عمارت اور فلاحت میں پوری مشغولیت ہے۔ دورۂ امانیہ کی مسلسل اور مفصّل تاریخ اس وقت لکھی جائے گی۔ جب مشید محل تزئین پا کر اپنے

وسیع برجوں اور منیع میناروں کو سر بفلک دکھائے گا۔ اور میوہ دار اشجار کی شاخیں امتداد پا کر، اور گلبنیں رنگ و بو پھیلا کر ایک طرف آسمان میں پہنچیں گی۔ اور دوسری جانب روئے زمین کو ثمر ور اور معطر کر دینگی ؂

دسید دم حیبت کمال دولت خدام او
عرصۂ روئے زمیں را سر بسر خواہد گرفت
شاہباز ہمتش چوں بر کشاید بال قدر
از ثریا تا ثرے در زیر پر خواہد گرفت

ـــــــ ۰۱۰ ـــــــ

تقریظات

مولوی برہان الدین خان سابق مدیر اخبار اتحاد مشرقی، مدیر اخبار حقیقت، سوانح نگارِ ذاتِ شاہانہ، حال مترجم شورائے عالیہ دولتِ افغانستان

مَیں اِس تصنیفِ شریف کے اول سے آخر تک مطالعے سے بیحد مستفید ہؤا اس کتابِ لطیف کو دقائقِ عجیبیہ، نکاتِ غریبیہ، لطائفِ تاریخیہ اور محقّقانہ نزاکتوں پر حاوی پایا۔ ہمارے متبوعِ مقدس اعلیحضرتِ غازی کے معمولی افعال اور عادی اعمال ایک خوش رنگ صورت اور فشنگ تاویلات میں مسطور ہوئے ہیں۔ ادیب یلمعی، مصنف لوذعی نے ہر نکتے، ہر لفظ، اور ہر جملے میں، اعلیحضرتِ غازی کے شخصِ شخیص کے ساتھ معاشقت شیفتگی اور علاقہ مندی کا ثبوت دیا ہے۔ علاوہ براں دورۂ امانیہ کے کوائف کو بطور گلچین، طرزِ زرین اور اسلوبِ متین سے قلمبند کیا ہے۔ مصنّف فاضل نے تطبیقات اور تمثیلات سے کام لے کر ان صحائف کے محاسنِ صوری اور مزایائے معنوی کو

اور بڑھا دیا ہے ؎

این نسخہ کہ قصۂ امانی ست — از جلوۂ خود بہشت ثانی ست

صد بحر ہنر دریں سفینہ ست — صد لعل و گہر دریں خزینہ ست

صد دخل دریں کتاب مجموع — جز ناخن دخل کوست مقطوع

در حوض کتاب خطِ جاناں — خضر یست میانِ آبِ حیواں

البتہ اس کتاب کو پڑھنا، سمجھنا، اس میں حصہ لینا اور اس سے کامل حظ اُٹھانا اُن اشخاص کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جو قدیم اور جدید کتبِ تاریخ سے "ناموران اسلامی، قہرمانان شرقی و غربی، اور سلاطینِ ماضی و حال سے کافی واقفیت رکھتے ہوں، اور جن کو خصوصاً اعلیحضرتِ معظم غازی کی ذاتِ ستودہ صفات کے ساتھ عقیدت اور محبتِ ذاتی ہو، اور نیز ذاتِ جہانبانی کے جزوی اور کلی افعال و اقوال معلوم ہوں۔ السنۂ فارسی، عربی اور افغانی کے ساتھ بھی مساس ہو۔ ان شروط و قیود کے بغیر عوام الناس، حاسدینِ خناس اور ناظرین بے احساس اس مولفۂ نافعہ سے نہ کافی دلچسپی رکھیں گے نہ وافی حظ اُٹھائیں گے ؛

سردار محمد خان طرزی مدیر کتاب خانۂ ملّی کابل

اس کتاب مستطاب مصنّفۂ ادیب لبیب عالی قدر صداقت مآب محمد حسین خان رئیس صاحب
تدریسات عمومی افغانستان کی قرأت سے عجیب و غریب تاریخی نکتے کثرت سے
پاکر مستفید اور بہرہ مند ہوا۔ الحق ایسی تصنیف ہے جس میں ذات خجستہ صفات فخر افغان،
دُرِ دوران، نوجوان شرق اعلیحضرت غازی کے مدائح کے دُر و گوہر راستی
و درستی سے اغراق کے بغیر شیریں زبانی اور رنگین بیانی سے بیمثال سلک
میں پروئے گئے ہیں۔ ہمارے محبوب القلوب بادشاہ کے واقعات کو
گذشتہ بزرگوں کے کارناموں کے ساتھ اس خوبی سے توافق دیا ہے
کہ بے اختیار تحسین کا صلہ دینا پڑتا ہے۔ میرے ناقص خیال میں یہ
کتاب شائقینِ تاریخ کے مطالعے کے شایان ہے ۔

ملا فیض محمد خان مصنف سراج التواریخ و معلّم تاریخ

و ادبیاتِ مدرسۂ حبیبیہ

اس کتاب مستطاب کے مؤلف اور ان خجستہ ابواب کے مصنّف نے واقعۂ نویسانِ
ناراست نگارش کی طرح ستائشِ حق کو مرعی رکھ کر لحاظ اور اغماض سے

کام نہیں لیا، اور نظریات، معلومات، و مشاہدات صحیحہ و موقوعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اپنی حکایت کے استشہاد اور روایت کے استظہار کے لئے ہر مرصاد کو اکابرِ نوعِ بشر کے افعال کے ساتھ معنون کیا ہے۔ نہایت مفید اور مرغوب کتاب ہے، اور جدیرِ تقدیر و تحسین و تمجید ہے ٭

سردار عبدالحبیب خاں سابق وزیر معارف و رکن شورای عالیہ دولتِ افغانستان

کتاب میری نظر سے گذری۔ الحق عجب گلدستۂ ادبیات و اخلاق باندھا اور آراستہ کیا ہے۔ قابل مصنف نے اپنی وسعتِ دانش، فراخیٔ بینش، واقعاتِ سلف اور حالاتِ خلف کی باخبری، اور قدیم و جدید علوم و فنون میں بہرہ وری سے، رنگا رنگ معرفت و حقیقت کے پھولوں کو اطراف عالم اور ثمراتِ عقل بنی آدم سے جمع کر کے تنظیم و ترتیب کی سلک میں ڈالا ہے۔ اور خسرو غازی اعلیحضرت بادشاہ افغانستان کے نام نامی پر ختم کیا ہے، اور شاہانہ مناقب کو بیان کرتے ہوئے مطلقاً مبالغے سے کام

نہیں لیا ہے۔ بلکہ بہت سے محاسن ہیں جو مذکور نہیں ہوئے کیونکہ اس فرزندِ نادرروزگار اور یگانہ بندۂ آفریدگار کے سراپا وجود کو جس میں کوئی ہنر نہیں، جو نہیں، قلم احاطہ نہیں کرسکتی۔ یہ کتاب سوانح، تاریخ، وقائع اور اخلاق کی بہترین اور معتبر ترین کتب میں سے گنی جائیگی۔ فوق العادہ اشاعت اور شائقین پیدا کرے گی، اور شاید دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہو گی ؛